

سیرت طیبہ سے متعلق تاریخی واقعات کا تنقیدی جائزہ (قرآن اور حدیث کے تناظر میں)

مقالہ برائے

پی۔ ایچ۔ ڈی (علوم اسلامیہ)

نگران تحقیق

ڈاکٹر نور حیات خان

صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد

مقالہ نگار

صابر اللہ

457-PhD/IS/S-13



شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

۲۰۲۰ء

سیرت طیبہ سے متعلق تاریخی واقعات کا تنقیدی جائزہ (قرآن اور حدیث کے تناظر میں)

مقالہ برائے
پی۔ ایچ۔ ڈی (علوم اسلامیہ)

نگران تحقیق

ڈاکٹر نور حیات خان

صدر شعبہ علوم اسلامیہ، نمل اسلام آباد

مقالہ نگار

صابر اللہ

457-PhD/IS/S-13



شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

۲۰۲۰ء

© صابر اللہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرستِ عنوانات

صفحہ نمبر	فہرست عنوانات
ii	فہرست عنوانات
v	مقالہ کی منظوری کا فارم
vi	حلف نامہ فارم / اقرار نامہ
viii	اظہارِ تشکر
ix	رموز و اشارات
vii	انتساب
x	ABSTRACT
xi	مقدمہ
	باب اول: سیرت و تاریخ کا مفہوم اور بنیادی اصول
۱	فصل اول: سیرت اور تاریخ کا مفہوم
۲	بحث اول: سیرت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم
۱۲	بحث دوم: تاریخ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم
۱۵	فصل دوم: سیرت اور تاریخ کا باہمی ربط و تعلق
۱۶	بحث اول: سیرت اور تاریخ میں فرق

۱۸	مبحث دوم: سیرت اور تاریخ کے مصادر اصلیہ
۲۷	فصل سوم: سیرت و تاریخ کے بنیادی مآخذ اور روایت و درایت کے اصول
۲۸	مبحث اول: واقعات سیرت پر تحقیق کے بنیادی لوازم
۴۹	مبحث دوم: تاریخ کے بنیادی مآخذ
۵۵	مبحث سوم: روایت کے اصول و ضوابط
۷۱	مبحث چہارم: درایت کے اصول و ضوابط
۸۲	فصل چہارم: محدثین و مؤرخین و سیرت نگاراں کے طبقات
۸۳	مبحث اول: طبقات محدثین
۹۳	مبحث دوم: طبقات مؤرخین
۱۲۱	مبحث سوم: طبقات سیرت نگاراں
۱۲۳	باب دوم: کتب تاریخ میں واقعات سیرت
۱۲۴	فصل اول: بعثت نبوی ﷺ سے ما قبل دور کے واقعات
۱۴۴	فصل دوم: مکی دور کے اہم واقعات
۱۵۲	فصل سوم: مدنی دور کے اہم واقعات
۱۷۳	فصل چہارم: کتب تاریخ میں واقعات سیرت کا ایک مطالعاتی جائزہ
۱۸۴	باب سوم: کتب سیرت میں واقعات سیرت
۱۸۵	فصل اول: بعثت نبوی ﷺ سے ما قبل دور کے واقعات
۲۱۷	فصل دوم: مکی دور کے اہم واقعات
۲۳۴	فصل سوم: مدنی دور کے اہم واقعات
۲۴۹	فصل چہارم: کتب سیرت میں واقعات سیرت کا ایک مطالعاتی جائزہ
۲۵۲	باب چہارم: تناقض اور اختلاف کے اسباب اور اُن کا حل
۲۵۳	فصل اول: واقعات میں اختلاف کے اہم اسباب

۲۷۴	فصل دوم: قدیم محدثین کا طریقہ دفع اختلاف
۲۷۹	فصل سوم: اہم معاصر علماء کا طریقہ دفع اختلاف
۲۸۲	خاتمہ
۲۸۳	خلاصہ تحقیق
۲۸۴	نتائج تحقیق
۲۸۶	تجاویز و سفارشات
۲۸۸	فہرست
۲۸۹	فہرست آیات
۲۹۱	فہرست احادیث
۲۹۲	فہرست اصطلاحات
۲۹۳	فہرست اعلام
۲۹۴	مصادر و مراجع

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: سیرت طیبہ سے متعلق تاریخی واقعات کا تنقیدی جائزہ

(قرآن و حدیث کے تناظر میں)

پیش کار: صابر اللہ (پی۔ ایچ۔ ڈی)

457-PhD/IS/S-13

رجسٹریشن نمبر:

شعبہ: علوم اسلامیہ

ڈاکٹر نور حیات خان ایسوسی ایٹ پروفیسر

(نگران مقالہ)

دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)

دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) محمد جعفر (ہلال امتیاز - ملٹری)

(ریکٹر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد)

دستخط ریکٹر

تاریخ:

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں صابر اللہ ولد عمل نواز

رجسٹریشن نمبر: 457-PhD/IS/S-13

طالب علم، پی۔ ایچ۔ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، (نمل) اسلام آباد حلفاً
اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: سیرت طیبہ سے متعلق تاریخی واقعات کا تنقیدی جائزہ
(قرآن و حدیث کے تناظر میں)

جو پی۔ ایچ۔ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر نور حیات خان (صدر شعبہ علوم اسلامیہ) کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: صابر اللہ

دستخط مقالہ نگار: _____

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو سرورِ کائنات، ختم المرسلین، سیدِ محبتی محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانِ نثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل بیت عظام سے منسوب کرتا ہوں جن کی ان تھک کوششوں اور قربانیوں سے یہ زندہ و جاوید شریعت مطہرہ ہم تک پہنچی۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنی اس کاوش کو اپنے مشفق استاذہ و مہربان والدین سے بھی منسوب کرتا ہوں جن کی ان تھک محنتوں سے میری مادی و روحانی پرورش انجام پائی۔

اظہارِ تشکر

سب سے پہلے میں اپنے خالق حقیقی، رب دو جہاں کا شکر گزار ہوں جس کی توفیق و مدد سے یہ مشکل کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔ بے انتہا درود و سلام اس سرور کائنات پر ہوں جن کے طفیل سے آج ہم کلمہ گو ہیں۔ اس کے بعد میں ہر اس شخص کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جس نے کسی بھی طرح سے میرا اس مقالہ نگاری میں مدد کی، بالخصوص نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے ریکٹر میجر جنرل (ر) محمد جعفر صاحب، پروفیسر ڈاکٹر شاہد ڈاکٹر صدیقی صاحب، ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز، ڈائریکٹر ایکڈمکس جناب ڈاکٹر عزیز صاحب، پروفیسر ڈاکٹر ضیا، الحق یوسفزئی صاحب (سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ NUML)، جناب ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری صاحب (سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ NUML)، اور دیگر اساتذہ کرام کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے میرے ساتھ یونیورسٹی میں داخلے سے لے کر مقالے کی تکمیل تک ہر ممکن مدد کی، اور بالخصوص انتہائی مشکور ہوں اپنے محترم استاد اور نگران مقالہ ڈاکٹر نور حیات خان صاحب صدر شعبہ علوم اسلامیہ NUML، جنہوں نے انتہائی خلوص کے ساتھ میرے مقالے کی نگرانی کی، اور ہر طرح سے میری راہنمائی کا فریضہ بخوبی انجام فرمایا۔ میں ان کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اپنے دین کی خاطر ان کی عمر دراز فرمائے۔ مقالے کی سیننگ پر برادر محترم بخت علی کا بھی انتہائی مشکور ہوں، اس کے بعد میں اپنی چھوٹی بیٹی اور اہلیہ کا بھی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے مقالے کی کمپوزنگ میں میری حدِ مقدور مدد کی۔

میں ان تمام کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر اور دنیوی و اخروی کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین!

صابر اللہ

(طالب علم پی۔ ایچ۔ ڈی علوم اسلامیہ)

رموز و اشارات

مقالہ ہذا میں غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے درج ذیل رموز و اشارات کا استعمال کیا گیا ہے۔



آیات کے لیے

()

احادیث کے لیے

“ ”

دیگر اقتباسات کے لیے

ﷺ

صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے

رحمہ

رضی اللہ عنہ کے لیے

علیہ السلام

علیہ السلام کے لیے

ایضاً

ایک ہی صفحہ پر مکرر حوالہ کے لیے

ABSTRACT

THE CRITICAL ANALYSIS OF THE HISTORICAL EVENTS REGARDING SEERAT -E-TAYYEBBA (In The Light of Quran & Hadith)

This research work is divided into four chapters. The research is very dear and matchless due to its relation with the authentic events of Seerat -e-Tayyeba in the both historical and seerat's books. In this research the Events regarding Seerat are also analysed on the basis of Narration's Rules (اصول روایت) and Logical Rules (اصول درایت) made by Muhaditheen for judging Narrations of the Narrators and the texts of Hadiths. Actually there are many problems in seerat regarding events especially, the miracles happened just before the birth of the prophet Muhammad (P.B.U.H), immediate after his birth, and the period before he reached his age. Most of the Seerat collectors concentrated just only on the collection of Seerah therefore they could neither have judged the Narrators nor the text of the Narration. Most of the Seerat Narrators are liars and their texts of events are illogical and nonsense. Therefore, I have tried to critically discover the weak points of false Narrators and their illogical texts in this research. And I have mentioned fifty events taken from both historical and Seerat's books Eighteen of the events are mentioned in the second chapter where as the rest of thirty two events are mentioned in the third chapter.

May Allah make it useful for the mankind! Ameen.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه واهل بيته وذريته اجمعين۔

موضوع کا تعارف

جناب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں اور آپ کی دعوت عالمگیر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث کی حفاظت کے لیے غیبی وسائل فراہم کیے ہیں۔ اور اس امت کے علماء سے آپ ﷺ کی سیرت اور زندگی کے تمام پہلوؤں کو محفوظ رکھنے کے لیے ہر دور میں بہت سا کام لیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود کتب تواریخ و سیر میں وہ معیار قائم نہیں رکھا جاسکا جو احادیث کی تدوین میں ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب تاریخ و سیرت میں بہت سے غیر معتبر روایات بھی نقل کیے گئے ہیں، تاہم علماء امت ہر دور میں ایسے واقعات کی نشاندہی کرتے چلے آ رہے ہیں۔

بیان مسئلہ

سیرت طیبہ اسلامی عقائد، عبادات اور پیغمبرانہ اخلاق کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا ایک اہم اور بنیادی ماخذ ہے۔ اس مقالہ میں تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ایسے واقعات جو حقائق کے برعکس اور غیر معتبر روایات ہیں، کی نشاندہی اور روایت و درایت کے اعتبار سے اس کی تصحیح و تصویب مطلوب ہے، کیونکہ فلاح دنیا و آخرت کے لیے سیرت طیبہ ہر مسلمان کی زندگی کا ایک لازمی جز ہے۔

موضوع پر سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

اس موضوع سے متعلق جتنی کتب سیرت و تاریخ اسلام کا مطالعہ راقم الحروف نے کیا ان میں اکثر و بیشتر کتب عربی میں تھی اور جس کا مصدر قدیم کتب سیرت تھیں، البتہ چند مؤرخین و سیرت نگاروں ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے سیرت محمدی ﷺ کو (قرآن و حدیث کی روشنی میں) پیش کرنے کی کوششیں کی ہیں لیکن ان کا یہ کام ایک عنوان کے تحت حسن ترتیب کے ساتھ اصول روایت و درایت کی روشنی میں مجتمع نہیں تھا۔

اس لیے راقم الحروف نے مناسب سمجھا کہ اس کام کو ایک مقالے کی صورت میں روایتی و درایتی حیثیتوں سے یکجا مرتب کیا جائے۔

موضوع سے متعلق درج ذیل کتب زیر مطالعہ رہیں جن سے جگہ جگہ مواد کو اپنے مقالے کا زینت بنایا:

۱. سیرت النبی (کامل)، عبد الملک بن ہشام، (مترجم: سید یسین علی حسنی نظامی دہلوی)، ادارہ اسلامیات، لاہور۔
۲. تاریخ الامم والملوک، علامہ محمد بن جریر، (مترجم: ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی)، نفیس اکیڈمی، کراچی (اپریل ۲۰۰۴ء) جدید کمپیوٹر ایڈیشن۔
۳. زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، علامہ حافظ ابی عبد اللہ محمد ابن القیم، مترجم: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی (۱۹۹۰ء)
۴. البدایہ والنہایہ، حافظ عماد الدین ابن کثیر، (مترجم: پروفیسر کوکب شادانی)، نفیس اکیڈمی، کراچی (جون ۱۹۸۷ء)، پہلی اشاعت۔
۵. سیرت النبی (تصحیح شدہ ایڈیشن)، علامہ شبلی نعمانی، ادارہ اسلامیات، لاہور (ستمبر ۲۰۰۲ء) پہلی اشاعت۔
۶. مذہبی داستانیں اور انکی حقیقت، علامہ حبیب الرحمن صدیقی کاندہلوی، الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ رجسٹرڈ، کراچی۔
۷. السیرۃ النبویۃ الصحیحہ، الدكتور اکرم ضیاء العمری، مکتبۃ العلم والحکم، مدینہ منورہ (۱۹۹۴ء) چھٹی اشاعت۔
۸. السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، الدكتور مہدی رزق اللہ احمد، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ، ریاض (۱۹۹۲ء) پہلی اشاعت۔

موضوع تحقیق کی اہمیت

محدثین نے جرح و تعدیل کے لیے جو قواعد مقرر کیے اور صحیح و ضعیف کا جو معیار قائم کیا وہ بلا کسی تفریق و تخصیص کے ہر جگہ ملحوظ رکھا گیا اور تمام حدیثیں خواہ احکام سے متعلق ہو یا مغازی اور مناقب سے، سب اسی معیار سے جانچی گئی۔ البتہ جن حدیثوں پر دین کا بلا واسطہ دار و مدار تھا جیسے (عقائد اور حلال و حرام) سے متعلق، تو محدثین نے ان کے قبول و عدم قبول میں زیادہ احتیاط سے کام لیا اور جن حدیثوں پر دین کا دار و مدار نہیں تھا جیسے (فضائل و مناقب) وہاں کسی قدر وسعت اور سہولت سے کام لیا اس لیے کہ وہاں کوئی شرعی حکم ثابت کرنا مقصود نہیں تھا۔

الحاصل صحت اور ضعف کا جو معیار اور جو ضابطہ احادیث احکام کا ہے وہی مغازی اور سیر کا بھی ہے۔ اسی معیار سے سب احادیث کو جانچ لیتے ہیں اور اسی کے مطابق بلا کسی تفریق صحیح اور ضعیف کا حکم لگاتے ہیں۔

جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام رکھا ہے انہوں نے احکام، عقائد، مغازی، مناقب سیر اور دیگر قسم کی تمام احادیث کو اپنے شرط کے مطابق ایک ہی معیار پر جمع کیا ہے جیسے (صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزمہ، مستقی جارود اور صحیح ابن حبان) ان تمام کتب حدیث میں سیرت اور مناقب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور سب کے سب ایک ہی معیار کے مطابق صحیح بھی ہیں۔

اور جن محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں صحت کا التزام نہیں رکھا ان کا مقصد شاید یہ تھا کہ پہلے حدیث کا ذخیرہ ایک دفعہ جمع کر لیا جائے، بعد میں اس کی تنقیح کر لی جائے گی اس لیے کہ جب سند موجود ہے تو پھر جرح و تعدیل کی کسوٹی پر احادیث کو پڑھنا کچھ مشکل کام نہیں۔ الغرض ان حضرات نے ذخیرہ احادیث کے جمع کرنے کا پورا اہتمام کیا اور کوشش یہ کی کہ کوئی حدیث جمع ہونے سے رہ نہ جائے۔

حضرات محدثین ہمارے استاد اور ہمارے اور نبی ﷺ کے درمیان ایک مضبوط رشتہ بھی ہیں۔ اس لیے ان کے اصول و قواعد کے اتباع میں اس تحقیق کے اندر مؤرخین و سیرت نگاروں کی روایات سیرت کو (قرآن و حدیث کے تناظر میں) اصول روایت و درایت کی روشنی میں راقم الحروف نے اجاگر کیا تاکہ ایک مسلمان کے لیے اتباع نبوی کا راستہ آسان بنادیا جائے۔ اس لحاظ سے موضوع زیر بحث پر اس قسم کی تحقیق نہایت ضروری تھی۔ جو الحمد للہ فضل الہی سے ممکن ہوئی۔

تحدید موضوع

مقالہ ہذا میں آپ ﷺ کے حین ولادت، قبل و بعد ولادت، بچپن اور غزوات سے منسوب ان پچاس واقعات سیرت و تاریخ کا روایتی و درایتی جائزہ (قرآن و حدیث کے تناظر میں) میں لیا گیا ہے، جو زبان زد عام و خاص ہیں۔ راقم الحروف نے مقالے کی تیاری میں بعض کتب کا مطالعہ ترجیحی بنیادوں پر رہا ہے، جن کے نام درج ذیل ہیں:

سیرت طیبہ میں سے (سیرت ابن ہشام، سیرت النبی از علامہ شبلی نعمانی، الرحیق المختوم) جبکہ تاریخ میں سے (تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون، اور تاریخ اسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی)۔ ان کے علاوہ متعدد مصادر قدیمہ اور مراجع جدیدہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

مقاصد تحقیق

اس تحقیق کا مقصد واقعات سیرت کا روایتی و درایتی جائزہ پیش کرنا ہے جن کو مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ جن میں سے چند اہم مقاصد درج ذیل ہیں:

۱. واقعات سیرت کا روایت و درایت کے اصول و ضوابط کی روشنی میں جائزہ لینا
۲. دین میں بے جا غلو اور مبالغہ آرائی کی تصور کو کم کرنے کی کوشش کرنا
۳. کتب سیرت و تاریخ میں غیر معتبر اور کمزور رواۃ کی نشاندہی اور استنادی جائزہ پیش کرنا
۴. اتباع سنت کے لیے مستند سیرت کی طرف توجہ مبذول کرانا

تحقیق سے متعلق بنیادی سوالات

- (۱) سیرت و تاریخ کے بنیادی اصول کیا ہیں؟
- (۲) کتب تاریخ میں سیرت کے واقعات کی حیثیت کیا ہے؟
- (۳) کتب سیرت میں واقعات سیرت کی حیثیت کیا ہے؟
- (۴) واقعات سیرت و تاریخ میں تناقض کے اسباب کیا ہیں اور ان کا حل کس طرح سے ممکن ہے؟

منہج تحقیق

اس تحقیق کا بنیادی منہج بیانیہ، تاریخی اور تجرباتی ہے۔

تحقیق کا اسلوب و طریقہ کار

- (۱) مقالہ ہذا کو معروف اصول تحقیق کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔
- (۲) کتب تاریخ میں ”واقعات سیرت“ کا روایت و درایت کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔
- (۳) اسی طرح کتب سیرت میں ”واقعات سیرت“ کا روایتی و درایتی جائزہ لیا گیا ہے۔
- (۴) واقعات سیرت میں ”تناقض اور اختلاف کے اسباب اور ان کا حل“ علماء امت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔
- (۵) دوران تحقیق جدید ذرائع: انٹرنیٹ، ڈیجیٹل لائبریریوں اور ذرائع ابلاغ سے بھی استفادہ حاصل کیا گیا ہے۔
- (۶) تعبیر و تشریح کے لیے بوقت ضرورت ثانوی مصادر کو بھی بروئے کار لایا گیا ہے، تاہم زیادہ تر اعتماد بنیادی مصادر پر کیا گیا ہے۔

(۷) تمام ضروری معلومات حواشی میں درج کیے گئے ہیں۔

(۸) مقالہ میں آنے والے تمام غیر معروف شخصیات و اماکن کا مختصر تعارف حواشی میں دیا گیا ہے۔

(۹) تحقیق کے دوران ابتداء میں بیانیہ، پھر تحلیلی اور تجرباتی طریقہ کار اپنایا گیا ہے۔

دوران تحقیق مشکلات

- موجودہ ملکی حالات کی وجہ سے لائبریریوں میں جانے میں دشواری پیش آئی بالخصوص وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں مظاہرے، دھرنیں اور سڑکوں کی بندش وغیرہ سے کافی مشکلات پیش آئیں۔

- تلاش مواد کے لیے سخت گرمی میں لاہور کا متعدد مرتبہ سفر کرنا پڑا۔ جامعہ اشرفیہ و جامعہ مدنیہ جدید کے لائبریریوں میں تلاش کتب کے لیے طرح طرح کی صعوبتیں اٹھائیں۔
- نمل یونیورسٹی کی لائبریری میں موضوع تحقیق سے متعلق کتب کی عدم دستیابی کی وجہ سے پشاور یونیورسٹی اور اسلامک یونیورسٹی کی لائبریریوں سے استفادہ کرتے وقت بھی کافی دشواریاں سامنے آئیں۔
- ملازمت کے ساتھ، گھریلو معاملات کو وقت دیتے ہوئے تحقیقی کام کے لیے مناسب وقت نکالنا بھی میرے لیے ایک آزمائش سے کم نہیں تھا جو اللہ تعالیٰ کی مدد سے پایہ تکمیل تک جا پہنچا۔

الحمد لله والشکر لله

باب اول: سیرت و تاریخ کا مفہوم اور بنیادی اصول

فصل اول: سیرت اور تاریخ کا مفہوم

فصل دوم: سیرت اور تاریخ کا باہمی ربط و تعلق

فصل سوم: سیرت و تاریخ کے بنیادی مآخذ اور روایت و درایت کے اصول

فصل چہارم: محدثین و مؤرخین اور سیرت نگاروں کے طبقات

فصل اول: سیرت اور تاریخ کا مفہوم

مبحث اول: سیرت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

مبحث دوم: تاریخ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

مبحث اول: سیرت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

سیرت

سیرت لغت میں سنت، ہیئت اور حالت کے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور ان کے جملہ معانی میں سے ایک معنی طریقہ کا بھی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں لوگوں کے ساتھ اچھا یا بُرا برتاؤ کرتا ہے^(۱) اور سیرت نبوی سیرت سے ماخوذ ہے جن کا معنی سلوک اور رویہ کا ہے۔^(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے کہ لفظ ”سیرۃ“ سَارَ یَسِيرُ سیرًا وَ سیرَةً سے مصدر کا صیغہ ہے جو چلنے پھرنے کے علاوہ کئی ایک معانی میں مستعمل ہے۔^(۳) ابن منظور نے سیرت کا ترجمہ حسن سیرت اور اچھے چال چلن کا بیان کیا ہے۔^(۴) سید محمد مرتضیٰ حسینی نے سیرت کا معنی صاحبِ وسیط کی طرح طریقہ و برتاؤ کا کیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ حاکم نے رعایا کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کیا۔^(۵) یہی معانی اسماعیل بن حماد جوہری نے بھی بیان کیے ہیں۔^(۶) وحید الزمان قاسمی نے اس لفظ کو درجہ ذیل معانی میں استعمال ہونا نقل کیا ہے جیسا کہ:

سیرت کا لفظ چال چلن، طور طریقے، عادت، قصہ، شخصی اور سوانح حیات کے معانی میں بھی بولا جاتا ہے۔^(۷)

سیرت تاریخ بیان کرنے کے معنی میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ جس میں ذاتی جوہر بیان کیے گئے ہوں۔^(۸)

- ۱- معجم مقاییس اللغة، ابو الحسن، احمد بن فارس بن زکریا، تحقیق: عبد السلام محمد ہارون، دار الفکر قاہرہ، مصر، ۱۹۷۹ء، ۳/۱۲۰۔
- ۱۲۱: لسان العرب، محمد بن مکرم بن علی، أبو الفضل، جمال الدین ابن منظور، دار صادر، بیروت، ۱۴۱۲ھ، تیسری اشاعت، ۴/۳۸۹-۳۹۱؛ مصباح المنیر، أحمد بن محمد، الفیومی، مکتبۃ لبنان، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۳؛ القاموس المحیط، محمد بن یعقوب، الفیروز آبادی، تحقیق: محمد نعیم العرقوسی، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۲۰۰۵ء، ص ۴۱۱-۴۱۲؛ المعجم الوسیط، إبراهيم أنیس و دیگر، مکتبہ وقفیہ، (س ن)، ص ۲۶۷۔
- ۲- المعجم الوسیط، (مادہ: سیرۃ) ص ۲۶۷۔
- ۳- اردو دائرہ معارف اسلامیہ (موضوع: سیرۃ)، زیر انتظام دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۰ء، پہلی اشاعت، ۱۴/۱۷۳۔
- ۴- لسان العرب، ابن منظور، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء، ۴/۳۸۹۔
- ۵- تاج العروس، محمد مرتضیٰ حسینی، سید زبیدی، محقق: مصطفیٰ حجازی، مطبعہ حکومتیہ، کویت، ۱۹۸۳ء، ۱۲/۱۱۷۔
- ۶- تاج اللغة و صحاح العربیۃ، اسماعیل بن حماد، الجوہری، تحقیق: احمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملایین، لبنان، تیسری اشاعت، ۱۴۰۴ھ، ۲/۶۹۱۔
- ۷- القاموس الجدید، وحید الزمان، کیر انوی، قاسمی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۰ء، پہلی اشاعت، ص ۵۲۔
- ۸- فیروز اللغات، مولانا، فیروز الدین، فیروز سنز لمیٹڈ، کراچی، ۱۹۶۵ء، ص ۸۵۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ لفظ آیا ہے۔

﴿سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى﴾^(۱)

ہم اسے ابھی اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔

یہاں سیرت کا لفظ حالت و ہیئت کے معنی میں ہے دوسری جگہ اس کی جمع استعمال ہوئی ہے۔

﴿فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ﴾^(۲)

اے نبی ﷺ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ زمین میں گھوم پھر کر جھٹلانے والوں کا انجام دیکھ لو۔

یہاں سیرت کا لفظ غور و فکر کے معنی میں ہے یعنی جس کے حالات میں غور و فکر کیا جائے یہی اسکی سیرت ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ”سیرۃ“ کا لفظ جانا، روانہ ہونا، چلنا، روش، طریقہ، شکل و صورت، ہیئت، کردار، طرز زندگی، زندگی کے نشیب و فراز، عادت، قصے کہانیاں، سابقہ واقعات اور ایسی سوانح جسے غور و خوض کے ساتھ لکھا و بیان کیا جائے ان سب پر لغوی اعتبار سے اس کا اطلاق ہوتا ہے۔^(۳)

سیرت کی اصطلاحی تعریف اور اس کا آغاز و ارتقا

سیرت کی اصطلاحی تعریف: محمد علی تھانوی قاضی (۱۷۴۵) نے اپنی مشہور کتاب ”کشاف اصطلاحات الفنون“ میں متقدمین کے نزدیک سیرت کی اصطلاحی تعریف فقط غزوات و سرایا سے منسوب حالات و واقعات کا مجموعہ ذکر کی ہے^(۴)۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶-۱۸۲۳) کی تعریف یہ ہے:

جو کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ اور حضرات صحابہؓ کی عظمت اور ان کے وجود سے متعلق ہو جس میں آپ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات قلم بند ہوں وہ سیرت ہے۔^(۵)

مولانا مناظر احسن گیلانی (۱۸۹۲-۱۹۵۶) نے سیرت رسول ﷺ، سیرت صحابہؓ اور سیرت تابعین کو بھی بعض علماء کے نزدیک حدیث کی تعریف میں داخل ہونا نقل کیا ہے، اس بارے میں وہ لکھتے ہیں:

۱- سورة طہ: ۲۰/۲۱-۲۰

۲- سورة النحل: ۱۶/۳۶

۳- اردو نثر میں سیرت رسول، ڈاکٹر انور محمود، خالد، (مقالہ پی ایچ ڈی) اقبال اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۹ء، پہلی اشاعت، ص ۳

۴- کشاف اصطلاحات الفنون، محمد علی تھانوی، تحقیق: د. علی دروچ، مکتبۃ لبنان، بیروت، ۱۹۹۶م، الطبعة الأولى، ۱/۹۹۸

۵- عبالہ نافعہ، شاہ عبدالعزیز، محدث، دہلوی، ترجمہ: ڈاکٹر، عبدالحلیم چشتی، نور محمد کارخانہ کتب، کراچی، ۱۹۶۴ء، ص ۱۴

”حدیث کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور واقعات جو ان کے سامنے پیش آئے لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہو۔ لیکن بعضوں نے اسے آگے بڑھا کر پیغمبر ﷺ کے صحابہؓ اور بعضوں نے صحابہؓ کے شاگردوں یعنی تابعین کے اقوال و افعال کو بھی اس فن کے ذیل میں شریک کر لیا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ حدیث مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ انسانیت کے اہم ترین انقلابی عہد کی تاریخ کا معتبر ترین ذخیرہ ہے۔“^(۱)

مولانا دریس (۱۸۹۹-۱۹۷۴) نے اپنی کتاب میں سیرت کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ متقدمین کی اصطلاح میں فقط غزوات و سرایا کے حالات و واقعات کے مجموعے کو سیرت کہتے تھے اور ایسا ہی رسول اللہ ﷺ کی اصل سیرت تو سارا ذخیرہ احادیث ہے۔^(۲)

وحید الزمان قاسمی (۱۹۳۰-۱۹۹۵) کے مطابق سیرت سنت کا مترادف ہے، یعنی جو کچھ نبی کریم ﷺ سے منقول ہو قولاً ہو، یا فعلاً، تقریراً ہو یا وصفاً یعنی سیرت خواہ نبوت سے پہلے کی زندگی ہو یا بعد کی، سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔^(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ نے سیرت کا اطلاق آپ ﷺ کے واقعات زندگی (سوانح) پر کیا ہے اور اب بھی اس کا خصوصی مفہوم یہی سمجھا جاتا ہے۔^(۴)

راقم الحروف کے نزدیک مولانا دریس کاندھلوی کی تعریف مذکورہ تعریفات میں سے جامع ترین ہے کیونکہ یہ تعریف دوسرے تمام تر تعریفات کا بظاہر خلاصہ و نچوڑ معلوم ہوتا ہے۔

سیرت نگاری کا آغاز و ارتقا

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی، ابتداء نبوت ہی سے آپ ﷺ کے صحابہ کی غیر معمولی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے حین حیات یہ دستور شروع ہو چکا تھا کہ جب ایک صحابی دوسرے صحابی سے ملتا تو وہ رسول ﷺ کے حالات دریافت کرتا اور دوسرا اس کے جواب میں کسی تازہ وحی یا ارشاد رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، آپ ﷺ کے متبعین کے دل میں اپنے پیشوا کی ذات مبارک، ان کے اخلاق و عادات اور ان کی تعلیم و تلقین کو دریافت کرنے کا شوق بڑھتا گیا۔ اس شوق و جستجو سے رفتہ رفتہ روایات کا ایک وسیع ذخیرہ پیدا ہو گیا۔ جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ آخر کار جب مسلمانوں کے ہاں دوسری صدی ہجری میں تصنیف و تالیف کا رواج ہوا تو اہل علم نے ان روایات کو قلم بند کرنا اور ان کو مضامین کے اعتبار سے مرتب کرنا شروع

۱- تدوین حدیث، مناظر احسن، گیلانی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۸

۲- تفصیل کے لیے دیکھئے: سیرۃ المصطفیٰ، مولانا، محمد دریس، کاندھلوی، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ۱۹۸۵ء، ۱/۳

۳- قواعد التحدیث، محمد جمال الدین، قاسمی، مطبوعہ البابلی، مصر، ۱۹۶۱ء، ص ۳۵

۴- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱-۱۴/۷۴

کیا۔ جن روایات کا تعلق عقائد و عبادات سے تھا اور جن سے فقہی احکامات مستنبط ہو سکتے تھے ان سے علم حدیث کی کتابیں مدون ہوئیں۔ اور وہ روایات جن میں رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی مذکور تھی۔ فن سیرت کا سرمایہ تیار ہوا اور وہ روایات جن میں رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے واقعات مذکور تھے۔ فن مغازی کا موضوع قرار پائیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کے غزوات کو تاریخی لحاظ سے خاص اہمیت حاصل تھی اس لیے بعض اوقات ”مغازی“ کا اطلاق تمام فن سیرت پر ہوتا ہے۔

سیرت طیبہ کی تاریخ کو مندرجہ ذیل کئی ایک بنیادی اور ثانوی مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔^(۱)

سیرت نگاری کے بنیادی مراحل

پہلا مرحلہ

آپ ﷺ سے صحابہ کرامؓ کی بے پناہ محبت و عقیدت کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آپ ﷺ کی زندگی کے ہر اجمال و تفصیل معلوم کرنے کا ولولہ و جنون رکھتے تھے اور اسی نسبت سے ان کے باہمی ملاقاتوں میں بھی آپ ﷺ کی زندگی سے منسوب ہر قول و فعل، خصلت و تقریر زیر بحث ہوا کرتی تھی، اسی طرح سیرت طیبہ اور حدیث نبوی کا ایک بڑا اور وسیع ذخیرہ عہد نبوی ہی میں اکٹھا کیا گیا لیکن یہ مرحلہ عام طور پر زبانی روایات پر مشتمل تھا البتہ بعض صحابہ کرامؓ نے اپنی یادداشت کے لیے کچھ نوشتے ترتیب دیئے تھے جن کی تعداد ایک تحقیق کے مطابق پچاس تک بتائی جاتی ہے۔ اور اس مرحلے میں سیرت طیبہ کا علم حدیث نبوی کے علم سے جدا تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ اس دور کے نامور صحابہ سیرت نگار میں حضرت عبداللہ ابن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور براء ابن عازبؓ سرفہرست ہیں۔^(۲)

دوسرا مرحلہ

اس دور میں سیرت رسول ﷺ پر الگ و مخصوص کتابیں مرتب کی گئیں لیکن سیرت کی بجائے ”مغازی“ کے نام سے جانا جاتا تھا لیکن ان کتابوں کی روایات پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف مغازی رسول ﷺ پر مشتمل

۱- تطور کتابة السيرة النبوية، عمار عبودی محمد حسین نصار، الثقافة العامة، بغداد، ۱۴۱۸ھ، الطبعة الأولى، ص ۱۷

۲- سیرت نگاری کے ابتدائی مراحل، علی اصغر چشتی، فکر و نظر، اسلام آباد، شمارہ نمبر: ۳۹، ۴/۶

نہیں تھیں بلکہ آپ ﷺ کی زندگی کے اکثر حالات پر محیط ہوا کرتی تھیں جیسا کہ ”المغازی“ کے عنوان سے ابان بن عثمان، عروہ بن زبیر اور دیگر حضرات نے پچاس تک کتب سیرت تحریر کی ہیں۔^(۱)

تیسرا مرحلہ

سیرت نگاری کا تیسرا مرحلہ ”حولیات نگاری“ ہے۔ حولیات سے مراد کسی ایک واقعہ سیرت کو موضوع سخن بنانا اور پوری کتاب میں اس کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنا ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں مخصوص موضوعات پر چھوٹی چھوٹی ایک موضوعی کتابیں، رسالے اور کتابچے تحریر کیے گئے جیسا کہ سیف بن عمر تمیمی کی کتابیں ”کتاب الردۃ اور کتاب الجمل“ ابو مخنف کی ”مقتل الحسین اور خبر المختار ابن زیاد“ کی۔^(۲)

چوتھا مرحلہ

یہ مرحلہ جامع سیرت نگاری کا رہا ہے اس میں حضور اکرم ﷺ کی ابتدائی زندگی (ولادت بچپن جوانی) کے حالات اور بعثت و نبوت کے حالات جمع کی گئی۔ اس عنوان سے قدیم ترین کتاب سیرت ابن اسحاق ہے جو ”کتاب المبتداء والمبعث والمغازی“ ہے جو بعد میں ابن ہشام کی تہذیب و تلخیص میں ”السیرۃ النبویۃ“ کے عنوان سے مشہور ہوئی۔^(۳)

پانچواں مرحلہ

اس مرحلے میں مغازی کی جگہ لفظ ”سیرۃ“ کی اصطلاح استعمال کی جانے لگی اور یہ اصطلاح پہلی بار ابن ہشام نے سیرت ابن اسحاق کی تہذیب و تلخیص کرنے کے بعد ان کا نام ”السیرۃ النبویۃ“ رکھ کر استعمال کی۔ السیرۃ النبویۃ کے عنوان سے کتب سیرت تو سینکڑوں میں ہیں لیکن ان میں چند ایک اہم کتابوں کے نام ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں جیسا کہ حسین بن علی مغربی، اسماعیل بن فضل بن طرخان التیمی اور علی بن حسین خزرجی وغیرہ کی کتابیں۔^(۴)

- ۱- سیرت نگاری آغاز و ارتقاء، نگار سجاد ظہیر، قرطاس، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۲۰۱۰ء، پہلی اشاعت، ص ۸۰-۸۵
- ۲- مصادر کتاب السیرۃ النبویۃ، مروان فیاض النعیمی، (مجلة التریبۃ والعلم)، معہ اعداد المعلمین، الموصل، ۲۰۱۲ء، ۱۹/۲۵۶-۲۵۸
- ۳- سیرت نگاری آغاز و ارتقاء، نگار سجاد ظہیر، ص ۱۵۴-۱۷۴
- ۴- دستور العلماء (جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون)، القاضی عبدالنبی، الاحمد نوری، دار الکتب العلمیۃ لبنان، ۲۰۰۰م، الطبعة

چھٹا مرحلہ

اس مرحلے میں مختلف عنوانات اور ناموں سے سیرت کی جامع کتابیں مرتب کی گئی جن میں سے چند ایک مشہور کتابیں ”جوامع السیرة“ ابن حزم اندلسی کی، ”الوفاء باحوال المصطفیٰ“ ابن جوزی کی ”عیون الاثر فی فنون المغازی والشمال والاثار“ ابن سید الناس کی ہیں۔^(۱)

سیرت نگاری کے ثانوی مراحل

ساتواں مرحلہ

اس مرحلے میں آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے ساتھ خلفائے راشدین کی حیات مقدسہ کو بھی شامل کر دیا گیا اور ان کو زمانی ترتیب کے ساتھ ایک ہی کتاب یا اس کی مختلف جلدوں میں بیان کیا گیا۔ اس کو ہم ”سلسلہ سیرت نگاری“ سے موسوم کر سکتے ہیں۔

اس سلسلے کی مشہور ترین کتاب ”کتاب الاكتفاء فی سیرة المصطفیٰ والاشیاء الخلفاء“ ہے۔^(۲)

آٹھواں مرحلہ

اس مرحلے میں آپ ﷺ کی سیرت مکانی مناسبت سے جمع کی گئی یعنی جس شہر، محلے اور علاقے میں آپ ﷺ پیدائش، وفات یا سکونت رہی وہی علاقے ان کتب مذکورہ کے موضوعِ سخن رہے جیسا کہ ”اخبار مکہ“ اور ”اخبار مدینہ“۔^(۳)

۱ - مصادر کتابة السیرة النبویة، مروان فیاض النعیمی، ص ۲۵۸

۲ - ایضاً، ص ۲۶۱

۳ - مصادر السیرة النبویة ومقدمة فی تدوین فی تدوین السیرة، محمد یسری سلامة، دکتور، ۱۴۳۱ھ، پہلی اشاعت، ص ۱۱۶

نواں مرحلہ

اس مرحلے میں آپ ﷺ کی زندگی کا کسی ایک خاص اور اہم پہلو کو بنیاد بنا کر کتابیں لکھی گئی ہیں جیسا کہ ”نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار“ عبد الرحمن گیلانی کی تصنیف، ”رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی“ ڈاکٹر حمید اللہ کی تصنیف۔^(۱)

دسواں مرحلہ

اس مرحلے میں سیرت مقدسہ کے واقعات، حالات، معاملات کی فہرست بنائی جاتی ہے جسے فہرست نگاری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس مرحلے میں شخصیت یا عہد سے متعلق امور و اشیاء کی موضوعاتی فہرست تیار کی جاتی ہے جیسا کہ معمر بن راشد نے مہاجرین حبشہ اور مہاجرین مدینہ کے علاوہ اصحاب بدر اور اصحاب احد کی فہرست تیار کی تھی۔^(۲)

گیارہواں مرحلہ

اس مرحلے میں جو کتابیں لکھی گئی وہ آپ ﷺ کے ادب، آپ ﷺ کے مرتبہ کا پہچان اور آپ ﷺ کے مسلمانوں پر حقوق کو بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ ”الشفاء بحق المصطفى“ قاضی عیاض کی کتاب اور ”زاد المعاد فی ہدی خیر العباد“ ابن قیم کی تصنیف۔^(۳)

بارہواں مرحلہ

اس مرحلے میں موضوعات سیرت کو تقسیم کیا گیا ہے جیسا کہ صلاح الدین المنجد نے اپنی ”معجم سیرت“ کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے پہلی قسم میں پندرہ فصول ہیں۔ دوسری قسم میں بارہ موضوعات ذکر کیے ہیں۔^(۴)

-
- ۱ - تفصیل کے لیے دیکھئے: تدوین سیر و مغازی، قازی اطہر مبارک پوری، دار النوادر، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۱-۲۳۱
 - ۲ - تفصیل کے لیے دیکھئے: اصحاب بدر أو المجاهدون الأولون، حسین الغلامی، محمد رؤف الغلامی، وزارة الثقافة والإرشاد العراق، ۲۰۱۹ء؛ المعارف وأبو محمد وعبد اللہ بن مسلم، تحقیق: ثروت عکاشة، الهيئة المصرية العامة للكتاب، القاهرة، ۱۹۹۲م، الطبعة الثانية
 - ۳ - مصادر سیرت نبوی، ڈاکٹر محمد یسین مظہر، صدیقی، دار النوادر، لاہور، ۲۰۱۶ء، ۳۳/۱
 - ۴ - ایضاً: ۳۴/۱

تیرہواں مرحلہ

سیرت کا یہ مرحلہ شروع و حواشی کا ہے۔ اس مرحلے میں کتب سیرت کی تشریح و توضیح پر کتابیں لکھی گئی جیسا کہ ”الروض الانف“ امام سہیلی کی تصنیف، ”الاملاء المختصر فی شرح غریب السیرة“ ابن حجة حموی کی تصنیف۔^(۱)

چودھواں مرحلہ

اس مرحلے میں کتب سیرت کے شروع کے شروع اور حواشی بر حواشی لکھے گئے۔ حسن بن علی القسطنینی نے ابن النفیس کی تصنیف کی شرح ”فرائد الدرر و فوائد الفکر فی شرح مختصر السیرة لابن فارس“ کے عنوان سے لکھی ہے۔^(۲)

پندرہواں مرحلہ

اس مرحلے میں کتب سیرت کی اختصارات و تلخیصات مختلف اندازوں اور زبانوں میں لکھی گئیں۔ ان میں چند ایک اہم کتابیں یہ ہیں: احمد بن فارس کی ”اوجز السیر لخیر البشر“، ابن عبد البر قرطبی کی ”الدرر فی اختصار المغازی والسیر“ اور ابن حزم کی ”جوامع السیرة“۔^(۳)

سولہواں مرحلہ

اس مرحلے میں نثر کے علاوہ منظوم کتب سیرت لکھی گئی جیسا کہ حافظ زین الدین عراقی کی ”نظم الدرر السنیة فی السیرة الزکیة“، احمد بن اسماعیل دمشقی کی ”الدرر المنظوم فی سیرة النبی المصوم“ وغیرہ۔^(۴)

سترہواں مرحلہ

اس مرحلے میں سیرت نگاروں کا ایک امتزاجی طبقہ وجود میں آگیا جنہوں نے روایات سیرت کے ساتھ ساتھ روایت حدیث کو بھی جمع کرنے لگے اور ان دونوں میں بسا اوقات تقابل بھی کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر کو اس طبقہ کے بہترین

۱ - مصادر سیرت نبوی، ۱/ ۳۵-۳۵

۲ - ایضاً: ۱/ ۳۸-۳۷

۳ - ایضاً: ۱/ ۳۸-۴۰

۴ - ایضاً: ۱/ ۴۲-۴۰

نمائندہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ دورِ جدید میں ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی کتاب ”السيرة النبوية الصحيحة“ ان کی اہم ترین کتاب ہے۔^(۱)

اٹھارواں مرحلہ

یہ مرحلہ مستشرقین سیرت نگاروں کا ہے ان میں اولین سیرت نگار اسلام مخالفت سرگرمیوں میں مصروف رہے لیکن انیسویں صدی اور بیسویں صدی کی استشراتی رجحانات قدیم خرافات سے خالی رہے ہیں جیسا کہ سرویلیم میور اور مونٹگمری واٹ وغیرہ مستشرقین سیرت نگار۔^(۲)

انیسواں مرحلہ

اس مرحلے میں مشرقی دیار و امصار بالخصوص مملکتِ اسلامیہ میں یہ رجحانات پائے گئے کہ قدیم اور مستند کتب سیرت کا تجزیاتی اور علمی مطالعہ پیش کیا جانے لگا۔ اردو میں ادریس کاندھلوی کی ”سیرۃ المصطفیٰ“، عبدالرؤف داناپوری کی ”اصح السیر“، وغیرہ جیسی کتب ان کی مثال ہیں۔

بیسواں مرحلہ

اس مرحلے میں اصولی محدثین کے وضع کردہ اصول پر مبنی کتب سیرت مرتب کی گئیں جو تجزیہ و تحلیل اور تدوین و تالیف کے بہت اچھے نمونے ہیں۔ ان کتابوں نے معلومات و واقعات سیرت میں بہت سے مضمر پہلوؤں کو اجاگر کیا ہیں اور شخصیت و حیات کے زاویوں کو از سر نو وسعت دی ہے مثلاً سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ”سیرت سرورِ عالم“ اور مسعود احمد کی ”صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین“ وغیرہ۔^(۳)

۱ - مصادر کتابۃ السیرۃ النبویۃ، مروان فیاض النعیمی، ص ۲۶۲

۲ - التجدید فی الفکر الاسلامی، عدنان محمد اسامہ، ڈاکٹر، دار ابن الجوزی، بیروت، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳۷-۲۴۹

۳ - سیرت نگاری آغاز و ارتقاء، نگار سجاد ظہیر، ص ۲۶

مبحث کا تجزیہ

اس بحث میں مندرجہ ذیل چار چیزوں پر بحث کی گئی ہے۔

- (۱) سیرت کے لغوی معنی: عربی اور اردو میں مختلف کتب کے حوالہ جات کے ذریعے بیان کر کے سیرت کا معنی واضح کیا اور بتایا کہ سیرت کے لفظ میں توسع ہے، ہر پہلو اور سمت کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔
- (۲) سیرت کے اصطلاحی معنی: عام طور پر سیرت کے واقعات اور اعمال کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن راقم الحروف نے مختلف سیرت نگاروں کی بیان کردہ تعریفات ذکر کرنے کے بعد مناظر احسن گیلانی کی تعریف کو ترجیح دی اور ساتھ وجہ ترجیح بھی بیان کر دی تاکہ مطالعہ کرنے سے با آسانی معلوم ہو سکے کہ سیرت کا صحیح مفہوم کیا ہے، اور کس نے اس کا احاطہ کیا یا کرنے کی کوشش کی ہے۔
- (۳) مراحل سیرت نگاری: اس مرحلے میں مختلف کتب سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ سیرت نگاروں نے اپنی توجہ اور توانائی کو کس طرف مبذول رکھا۔ اسی طرح راقم الحروف نے بنیادی اور ثانوی مراحل کا ذکر کیا۔ کسی بھی سیرت کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے سمجھا جاسکتا ہے کہ مصنف نے دیگر پہلوؤں سے پہلو تہی نہیں کی بلکہ مخصوص اس نہج پر کتاب لکھی گئی ہے۔
- (۴) کتب کی درجہ بندی اور موضوعات کی تقسیم سے آسانی پیدا ہوئی کہ متعلقہ موضوع اور کتاب کا انتخاب آسانی سے کیا جاسکے گا۔

مبحث دوم: تاریخ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

تاریخ

لغت میں ”تاریخ“ وقت سے آگاہ کرنے کو کہتے ہیں (یعنی کسی چیز کے واقع ہونے کا وقت بتانا)

اہل لغت کہتے ہیں ”أرخت الكتاب ورخته“ یعنی ”میں نے لکھنے کا وقت ظاہر کیا۔“^(۱) امام جوہری کہتے ہیں: تاریخ اور تواریخ دونوں کے معنی وقت سے آگاہ کرنا ہے، یا زمانے کی موقت جستجو کا نام تاریخ ہے۔^(۲)

بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ: تاریخ ”أرخ“ (بضم الهمزة وکسرھا) سے مشتق ہے، ”أرخ“ وحشی گائے کے مادہ بچے کو کہتے ہیں، اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس طرح بچہ نو مولود ہوتا ہے، اسی طرح تاریخ بھی ایک تو ایجاد شے ہے۔^(۳)

^(۴) انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا کے مطابق تاریخ کو دو مفہاہم میں استعمال کیا جاتا ہے، کبھی واقعات کے بیان کرنے کو اور کبھی بذات خود واقعات کو تاریخ کا نام دیا جاتا ہے۔^(۵)

تاریخ کا اصطلاحی مفہوم

تاریخ کے اصطلاحی تعریفوں میں سے بعض اہم و مشہور ذیل میں بیان کیے جائیں گے۔
امام کافہی کے نزدیک اصطلاحی معنی میں تاریخ، وقت کے بتانے کا نام ہے جس سے راویوں اور ائمہ کے سارے احوال وابستہ ہوتے ہیں، یعنی ان کی ولادت، وفات، ان کی صحت و عقل، طلب علم کے لیے سفر، حج، ان کا حافظہ، ضبط و انتقان، ان کا عادل ہونا، قابل جرح ہونا، وغیرہ تمام باتیں جن کا تعلق ان کے احوال کی چھان بین سے ہو۔^(۶)

۱- ملاحظہ ہو: القاموس المحیط، ص ۲؛ المختصر فی علم التاریخ، محیی الدین، الکافہی، محقق: دکتور، محمد کمال الدین عزالدین، مکتبۃ عالم

الکتب بیروت، ۱۹۹۰ء، پہلی اشاعت، ص ۱۶-۵۳

۲- الصحاح، ۱/ ۴۴۰؛ مختار الصحاح، مکتبۃ لبنان، باب الالف، ۱/ ۱۳

۳- القاموس المحیط، فیروز آبادی، فصل الہزہ، ۱/ ۳۱۸

۴- التوہج لمن ذم اہل التاریخ، محمد بن عبد الرحمن، السخاوی، (منظومۃ)، ترجمہ: الدکتور صالح احمد العلی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت،

۱۹۸۶ء، پہلی اشاعت، ص ۱۶

5. Encyclopedia of Britannica Vol/ 11, P/ 529, (Article History)

۶- التوہج لمن ذم اہل التاریخ، السخاوی، ص ۱۸-۱۹

امام ذہبی کہتے ہیں: اصطلاح میں تاریخ اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے بادشاہوں، فاتحوں اور مشہور شخصیات کے احوال، گزرے ہوئے زمانے کے بڑے اور عظیم الشان واقعات و حوادث، زمانہ گزشتہ کی تمدن، معاشرت، اخلاق وغیرہ سے واقفیت حاصل کی جاسکے۔^(۱)

ابن خلدون کے نزدیک علم تاریخ سے مراد وہ علم ہے: جس کے ذریعے بادشاہوں، نبیوں، فاتحوں اور مشہور شخصوں کے حالات اور گزرے ہوئے مختلف زمانوں کے عظیم الشان واقعات و مراسم وغیرہ معلوم ہو سکیں اور جو زمانہ گزشتہ کی معاشرت، اخلاق، تمدن وغیرہ سے واقف ہونے کا ذریعہ بن سکے۔^(۲)

اکبر نجیب آبادی نے تاریخ کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ: انسانوں کے یکجا ہو کر رہنے کو تمدن اور اس انسانی مجمع کو مدینہ اور ان مختلف حالتوں کو جو طبعاً اس کو عارض ہو۔ واقعات تاریخ اور پچھلوں کو پہلوں سے سن کر ان واقعات کو اکٹھا کرنے اور اپنے سے پیچھے آنے والوں کی عبرت اور نصیحت کے لیے بطور نمونہ چھوڑ جانے کو تاریخ کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ: تاخیر کے جزو آخر کو مقلوب کر کے لفظ تاریخ بنایا گیا ہے۔ اور تاخیر کے معنی ہیں۔ اولین وقت کو آخرین وقت کے ساتھ نسبت دینا، مثلاً یہ بتلانا کہ فلاں مذہب یا فلاں سلطنت یا فلاں معرکہ فلاں وقت میں ظاہر ہوا تھا۔ جو واقعات خاص اس وقت میں ظہور پذیر ہوئے۔ ان سب کو معلوم کرنے کا مبداء بھی وقت ہوتا ہے۔^(۳)

دیگر فنون میں سیرت نگاری کا مقام:

اسلامی علوم میں فن سیرت نگاری، فن حدیث، اور فن تاریخ کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ مسلمانوں نے تاریخ نویسی کا فن سیرت نگاری ہی کی بدولت حاصل کیا اور ایسا ہی سیرت کا فن علم حدیث کا مرہونِ منت ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی علوم میں سیرت کو ایک نیم تاریخی و نیم سوانحی صنف قرار دیا گیا ہے، جبکہ یہ بات بھی یقینی ہے کہ مسلمانوں کا فن تاریخ فن سیرت نگاری سے ضرور متاثر ہوا ہے۔ اس لیے مسلمان مؤرخین نے ترتیبِ زمانی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انبیاء کرام سابقہ علیہم السلام کا ذکر مبارک کو سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم کر رکھا ہے۔ آنے والے سطور میں چند تاریخ کی مشہور کتابوں کو بطورِ استشہاد پیش کیا جاتا ہے۔

۱ - تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والأعلام، شمس الدین، محمد بن أحمد الذہبی، تحقیق: الدكتور بشار معروف، دار الغرب الإسلامي، ۲۰۰۳م، الطبعة الأولى، ۵/۱

۲ - مقدمة ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، ابن خلدون، تحقیق: خلیل شحادة، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۸م، الطبعة الثانية، ۱۳/۱

۳ - تاریخ اسلام، اکبر شاہ، مولانا، نجیب آبادی، مکتبہ خلیل، لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء، پہلی اشاعت، ۲۴/۱

سب سے پہلے راقم الحروف اپنی اس بات کی ثبوت کے لیے تاریخ طبری کا نام ذکر کرتا ہے جو کہ انہوں نے اپنی کتاب کو ”تاریخ الرسل والملوک“ کے نام سے موسوم کر کے ذکر مقدم کی تائید کی ہے، اور ایسا ہی ابن اثیر نے اپنی کتاب کا نام ”الکامل فی التاریخ“ رکھ کر ابتداء زمانہ سے لیکر ۶۲۸ ہجری تک کی تاریخ لکھی ہے۔ اس لیے بطور ثبوت یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیرت اور تاریخ دونوں میں واقعات کے اندراج کو ترتیب زمانی کے ساتھ کیا جاتا ہے جو کہ دونوں میں قدر مشترک بھی ہے اور باہمی ربط و تعلق کا سبب بھی۔ اور آج تک سیرت طیبہ تاریخ کی ایک نوع ہونے کے باوجود بھی فن تاریخ نگاری بعض انوکھے خصوصیات کی وجہ سے ایک الگ اور ممتاز صنف سمجھا جاتا ہے۔

یہاں سیرت سے مراد وہ تاریخ ہے جو بطور خاص ہمارے پیارے اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ سے متعلق ہے خواہ یہ واقعات نبوت سے ماقبل دور کے ہو یا نبوت کے مابعد ادوار کے، اور پھر اس سے وہ تمام تاریخ سیرت مراد ہے جس کا تعلق حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کے کسی بھی گوشے سے ہو۔

بحث کا خلاصہ

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ وہ علم جس کے ذریعے سے بادشاہوں، نبیوں، فاتحین اور مشہور شخصیتوں کے حالات اور گزرے ہوئے مختلف زمانوں کے عظیم الشان واقعات و مراسم وغیرہ معلوم ہو سکیں، اور جو زمانہ گزشتہ کی معاشرت، اخلاق، تمدن وغیرہ سے واقف ہونے کا ذریعہ بن سکے۔ یعنی انسانوں کے یک جا ہو کر رہنے کو تمدن اور اس انسانی مجمع کو مدینہ اور ان مختلف حالتوں کو جو طبعاً اس کو عارض ہوں۔ واقعات تاریخ اور پچھلوں کو پہلوں سے سن کر ان واقعات کو اکٹھا کرنے اور اپنے سے پیچھے آنے والوں کی عبرت اور نصیحت کے لیے بطور نمونہ چھوڑ جانے کو تاریخ کہتے ہیں۔ امام سخاوی کہتے ہیں کہ تاخیر کے جزو آخر کو مقلوب کر کے لفظ تاریخ بنایا گیا ہے۔ اور تاخیر کے معنی ہیں۔ اولین وقت کو آخرین وقت کے ساتھ نسبت دینا مثلاً یہ بتلانا کہ فلاں مذہب یا فلاں سلطنت یا فلاں معرکہ فلاں وقت میں ظاہر ہوا تھا۔ جو واقعات خاص اس وقت میں ظہور پذیر ہوئے۔ ان سب کو معلوم کرنے کا مبداء یہی وقت ہوتا ہے۔

فصل دوم

سیرت اور تاریخ کا باہمی ربط و تعلق

مبحث اول: سیرت اور تاریخ میں فرق

مبحث دوم: سیرت اور تاریخ کے مصادر اصلیہ

مبحث اول: سیرت اور تاریخ میں فرق

سیرت طیبہ اور تاریخ اسلامی کا ربط جس طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہے ایسے ہی چند اعتبارات سے ایک دوسرے میں تفاوت بھی پایا جاتا ہے، ذیل میں ان کے مابین چند ایک مشہور اعتبارات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تاریخ اور سیرت کے بنیادی فرق عام طور پر یہی چار ہی بتائے جاتے ہیں۔

پہلا فرق

تاریخ کا موضوع انسان اور زمانہ ہے^(۱)۔ اس کا مد مقابل سیرت کا موضوع ایک محبوب انسان اور اس کا متبرک زمانہ ہے۔ اس دور میں واقع ہونے والے واقعات بھی سیرت کا حصہ ہیں۔

دوسرا فرق

تاریخ کا موضوع عموماً ملک اور زمانہ ہوتا ہے^(۲)۔ جن میں ضمنی طور پر اشخاص پر بھی بحث کی جاتی ہے۔ جبکہ سیرت میں ایک مخصوص شخص یعنی نبی مکرم ﷺ کو موضوع بحث بنا کر تقسیمنا ملک و زمانہ اور اس کے خدوخال کو بیان کیا جاتا ہے۔

تیسرا فرق

سیرت کے مصادر جس قدر مستند اور مقبول ہیں تاریخ کو ان کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں ہے^(۳)۔ تاریخ کا مدار مستند مآخذ کے بجائے قیاس پر زیادہ ہوتا ہے۔ بلکہ روایات جس طرح پہنچیں انہیں من و عن نقل کرنا سیرت نگاری کی پہلی ذمہ داری بنتی ہے۔ پھر ان روایات میں مزید چھان بین اور کاوش سے کام لیا جاتا ہے۔

چوتھا فرق

ہمارے سامنے جن مؤرخین کے ذریعہ تواریخ پہنچیں ہیں خود ان کا اس زمانہ سے کوئی تعلق نہیں رہا، اگر ہے بھی تو اس درجہ کا نہیں جس درجے کا راویان سیرت کا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے اور اس کے عہد مبارک سے تھا۔^(۴)

۱- اردو نثر میں سیرت رسول، ڈاکٹر انور محمود، خالد، ص ۲۶

۲- نقوش رسول نمبر، (سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو)، ندیم، الواجدی، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۲ء، شمارہ نمبر ۱، ۱۳۰/۵۷

۳- تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی، ص ۱۱

۴- تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی، ص ۱۰

تجزیہ

سیرت اور تاریخ میں بہت سارے اشتراکات ہیں جن کی بدولت بعض اوقات سیرت و تاریخ کی کتابوں اور مباحث میں فرق نہیں معلوم کیا جاسکتا، اور ان سے بہت سارے اختلافات اور اباحت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ تاریخ کی کتب میں درج ہے لیکن سیرت نگاری کے اصولوں کے خلاف ہے۔ یا اس روایت میں سیرت نگاری کی مکمل شرائط موجود نہیں۔ تو اب ہم اسے قابل اعتبار روایت سیرت شمار ہی نہیں کر سکتے البتہ تاریخ لکھتے وقت اتنی پابندی کی ضرورت نہیں ہوتی جس کی وجہ وہ درج ہو چکا ہوتا ہے۔ تو گویا سیرت خاص اور تاریخ عام ہو گئی۔ ہر خاص عام میں موجود ہوتا ہے البتہ ہر عام کا خاص میں موجود ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

راقم الحروف نے اس بحث میں تاریخ اور سیرت کے چار بنیادی اور اہم فرق بتا کر واضح کر دیا کہ مورخ اور سیرت نگار کے پیش نظر کیا کیا ہوتا ہے اور دونوں کی حیثیت الگ کیوں ہو جاتی ہے۔

مبحث دوم: سیرت اور تاریخ کے مصادرِ اصلیہ

مصادرِ سیرت طیبہ

آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ سے زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی ملتی ہے۔ اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ جتنی جامع اور مستند ہے اتنی کسی اور پیغمبر کی نہیں ہے۔ اسی لیے کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے تمام مصادر اپنی ثقاہت اور اسناد میں روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہیں۔

مصادرِ سیرت کو ایک جدول کی صورت میں متعدد حیثیتوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جاسکتا ہے، ان میں سے ہم صرف ان چار معتبر حیثیتوں کے اجمالی ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جن کے ضمن میں تمام مصادرِ سیرت آتے ہیں اور وہی حیثیتیں اور اعتبارات درج ذیل ترتیب کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- اسناد کی حیثیت سے

اس تقسیم کے اعتبار سے مصادرِ سیرت دو قسم کے ہیں:

ایک وہ مصادر جن کی مرویات مسند ہیں اور دوسری وہ جن کی مرویات غیر مسند ہیں۔

تقسیم کا فائدہ: اس تقسیم کے ذریعے سے ہم مرویاتِ مسندہ کو غیر مرویاتِ مسندہ سے الگ کر سکتے ہیں تاکہ مسند اخبار اور مرویات پر حکم لگانا آسان ہو اور مقبول روایات و اخبار کو غیر مقبول روایات سے جدا کیا جاسکے، جو مرویات غیر مسندہ اس کے لیے ہم بقدر استطاعت دوسرے شواہد ڈھونڈ لیتے ہیں بصورتِ دیگر ہم صرف ان روایات و اخبار پر اعتماد کرتے ہیں جن پر تمام اہل سیر و مغازی کا اتفاق ہو یا بیشتر کا اتفاق ہو۔

اور یہ تقسیم بلاشبہ بہت مفید ہے تاکہ سیرت سے متعلق مسند اور غیر مسند اخبار میں فرق واضح ہو لیکن اس صورت میں بہت ساری روایات سیرت ضائع ہو جاتے ہیں قطع نظر اس سے کہ روایت مرسل ہے یا بغیر اسناد کے۔ جیسا کہ ابتدائی مصادرِ سیرت مغازی موسیٰ بن عقبہ اور مغازی ابن اسحاق ہیں جو کہ مسند مرسل غیر مسند منقطع وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ سیرت کے اکثر مرویات مسند ہیں لیکن ان میں ربط اور تسلسل مفقود ہیں۔^(۱)

۲- صحتِ سند کی حیثیت سے

یہ حیثیت پہلی حیثیت سے ملتی جلتی ہے، تاہم پہلی حیثیت سے قدرِ وسیع ہے۔ وہ یہ کہ پہلی حیثیت میں صرف شرطِ اسناد ہے، جب کہ دوسری حیثیت میں مرویاتِ سیرت میں صرف شرطِ سند پر اکتفا نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ صحتِ سند بھی شرط ہے۔

حیثیتِ صحتِ سند کا فائدہ

اس سے مراد وہ مصادر ہیں جن میں زیادہ تر روایات صحیح ہو لیکن اس اعتبار کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے بہت ساری مشہور کتبِ سیرت کو ترک کرنا پڑتا ہے جیسا کہ مغازی واقدی۔ قطعِ نظر ابن حجر کے، کہ وہ واقدی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ”باوجود وسعتِ علمی کے واقدی متروک ہے۔“^(۱)

لیکن اس کے باوجود ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: ان کے پاس جو منفرد معلومات ہیں وہ بہت عمدہ ہیں کیونکہ وہ سیرت کے بڑے ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کے بغیر ہم واقعاتِ سیرت اور اس سے متعلقہ تفصیلات کا بہت بڑا حصہ کھو دیتے ہیں۔^(۲)

۳- موضوع کی حیثیت سے تقسیم

مندرجہ بالا حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم ان مصادر کو موضوع کے اعتبار سے یوں تقسیم کر سکتے ہیں:

- ۱- مصادرِ حدیث یعنی ان سے مراد کتبِ مشہورہ ہیں جیسا کہ صحاح ستہ وغیرہ۔
- ۲- وہ مصادر جو شاملِ دلائل وخصائصِ نبوی سے متعلق ہو۔
- ۳- وہ مصادر جو مغازی اور سیرت کے ساتھ مخصوص ہوں، اور ان میں بعض تو وہ بھی ہیں جو مغازی کے نام سے تمام سیرت پر مشتمل ہیں جیسا کہ مغازی ابن اسحاق وغیرہ۔
- ۴- وہ مصادر جو عمومی تاریخ سے متعلق ہیں اور تاریخی احداث کی ضمن میں سیرت کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔
- ۵- وہ مصادر جو تاریخِ حرمین شریفین سے متعلق ہیں یعنی مکہ اور مدینہ کے تاریخ کے بارے میں، تاریخِ مکہ اور مدینہ کے ضمن میں آپ ﷺ کی سیرت کو بھی لازمی طور پر شامل کیا جاتا ہے کیونکہ صاحبِ سیرت ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے،

۱- تقریب التہذیب، محمد بن أحمد بن حجر العسقلانی، تحقیق: محمد عوالہ، دار الرشید، سوریا، ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶م، الطبعة الأولى، ص ۹۸

۲- البدایۃ والنہایۃ، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۶م، ۳/ ۲۳۴

اور دعوت کی ابتدا بھی یہیں سے کی اور پھر ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کی اور پورے جزیرہ عرب میں اسلام کو کیسے پھیلا یا۔

۶- وہ مصادر جو عربی ادب اور لغت کے ساتھ مخصوص ہوں لیکن ان میں احداثِ سیرت کو لغوی و ادبی مادے کی ضمن میں ذکر کر دیا ہو، جیسا کہ ”المعارف“ ابن قتیبہ کی اور ”الکامل فی اللغة والادب“ امام مبرد کی اور ”العقد الفرید“ ابن عبد ربہ کی اور ”الاغانی“ امام اصفہانی کی اور ان جیسے دیگر کتب وغیرہ۔

یہ تقسیم بلاشبہ کتب سیرت کے مختلف پہلوؤں کے ذریعے سے ایک وسیع تصور میں پیش کرتی ہے جن سے علمائے امت کی سیرت کے ساتھ مختلف علمی تخصصات کے ذریعے سے اہتمام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔^(۱)

۴-۱ اصلی حیثیت

اس اعتبار سے مصادرِ سیرت دو قسم پر ہیں: مصادرِ اصلیہ اور مصادرِ غیر اصلیہ۔ اور مصادرِ اصلیہ سے مراد وہ مصادر ہیں جن سے سیرت طیبہ نقل کی جاتی ہیں، اور مصادرِ غیر اصلیہ سے مراد وہ مصادر ہیں جن کا سارا مواد مصادرِ اصلیہ سے نقل کیا گیا ہے اور ان کو ہم عام اصطلاح میں مراجع سے تعبیر کرتے ہیں۔

مصادرِ اصلیہ سے مراد بلاشبہ کتب سیرت ہیں جیسا کہ مغازی ابن اسحاق، مغازی واقدی، طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری وغیرہ، مصادر میں کتب حدیث بھی شامل ہیں خاص کر ان میں جو دلائل و شمائل و خصائص نبوی کے مباحث ہیں۔

مندرجہ بالا تقسیم کا یہ فائدہ ہے کہ اس سے ہمیں اصلی کتب سیرت یعنی مصادر اور ثانوی کتب سیرت یعنی مراجع میں فرق کا پتہ چلتا ہے جس کے نتیجے میں ہم مطالعہ سیرت اور تحقیق و تمحیص کے دوران مصادرِ اصلیہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

لیکن باعتبار دیگر مندرجہ بالا شرط کی وجہ سے تمام مصادرِ اصلیہ کو ایک ہی درجہ میں شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض کے اسانید و متون میں بڑا فرق پایا جاتا ہے جن کی بدولت بعض تو قبول کیے جاتے ہیں جبکہ بعض مسترد کیے جاتے ہیں، جیسا کہ یہ بات علامہ ابن قیم، امام ذہبی اور علامہ ابن کثیر کی کتب سیرت سے صاف واضح ہے۔

اس صورت میں ہم مصادرِ سیرت کو مصادرِ اصلیہ حدیثیہ اور مصادرِ اصلیہ تاریخیہ میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

اور مندرجہ بالا تقسیم کے اسبابِ اختیاری درج ذیل ہیں:

۱- مصادر السیرۃ النبویۃ و تقویہا، ڈاکٹر، فاروق حمادہ، دار القلم، دمشق، (سن)، ص ۳۵-۳۷

۱- سیرتِ نبوی کا اگر دقیق معنی مراد ہو، تو اس سے مراد کتبِ مؤرخین میں ولادتِ نبی سے لے کر وفاتِ نبی تک کا زمانہ مراد ہے اور اس کی مثال ابن اسحاق جیسے سابقہ مؤرخین ہیں جنہوں نے اپنی تصنیفات میں اس اسلوب کو اپنایا ہے لیکن ان کا منہج محدثین کے منہج کی طرح نہیں ہے کیونکہ محدثین سند اور متن میں آپ اپنی اعلیٰ کمیزات کی وجہ مؤرخین سے ممتاز ہے۔

۲- اس لیے میری توجہ کا اصل مرکز مصادرِ اصلیہ ہیں کیونکہ موضوعِ مذکور میں ان کی مثال ستونوں جیسی ہے اور جو کتابیں بعد میں لکھی گئیں وہ ان ہی سے لی گئی ہیں کیونکہ اصل کتاب پر جو حکم لگتا ہے وہ فرع پر بھی لگ جاتا ہے اگر اصل کتاب قوی اور مستند ہو تو فرع بھی قوی اور مستند ہوگی، اور اسی طرح جو اصول سیرت کتبِ حدیث میں مشہور و متفق علیہ ہو تو اس طرح اصول کے ہمیں کتبِ تاریخ میں بھی ضرورت ہے۔
مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں اصلی مصادرِ سیرت کی دو قسمیں ہیں:

۱- مصادرِ تاریخیہ ۲- مصادرِ حدیثیہ

پہلی قسم: مصادرِ اصلیہ تاریخیہ

مصادرِ اصلیہ تاریخیہ سے مراد وہ مصادر ہیں کہ جس میں واقعاتِ سیرت سالوں مہینوں اور دنوں کی ترتیب سے لکھی گئی ہو۔ اور وہ مصادر اصلیہ کہ جن پر بعد میں لکھی گئی تمام مؤلفات کا دار و مدار ہیں وہ چار مآخذ-مغازی ابن اسحاق، مغازی واقدی، طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری ہیں۔^(۱)

دوسری قسم: مصادرِ اصلیہ حدیثیہ

محدثین کرام نے تدوینِ حدیث کی طرح تدوینِ سیرت کا بھی بہت اہتمام کیا لیکن ان کا طرزِ تدوین علمی اعتبار سے دوسرے مؤرخین و اہل سیر سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے ان کے کتبِ سیرت کو کتبِ سیرت کی فہرست میں اول مقام حاصل ہے۔

اور مصادرِ سیرت حدیثیہ کو تاریخی ترتیب سے ذیل میں لکھی جاتی ہیں:

۱- موطا امام مالک

۲- مصنف عبد الرزاق

۳- مصنف ابن ابی شیبہ

۴- مسند احمد بن حنبل

۵- صحیح بخاری

۱- البدایۃ والنہایۃ، أبو الفداء، إسماعیل بن عمر، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۶م، ۳/۵۸۰

۶- صحیح مسلم

۷- سنن ابی داؤد

۸- سنن ابن ماجہ

۹- سنن ترمذی

۱۰- سنن نسائی

۱۱- مسند بزار

۱۲- مسند ابی یعلیٰ

۱۳- صحیح ابن حبان

۱۴- معجم طبرانی

۱۵- مستدرک حاکم

۱۶- سنن کبریٰ للبیہقی

۱۷- شرح السنۃ للبعوی^(۱)

مندرجہ بالا تاریخی و حدیثی دونوں قسم کے مصادر سیرت طیبہ کے اصلی مصادر ہیں لیکن ان کے علاوہ چند تکمیلی مصادر بھی ہیں جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱- معرفۃ الصحابة لابن نعیم اصفہانی

۲- الاستیعاب لابن عبد البر

۳- اُسد الغابة لابن اثیر

۴- الدرر فی اختصار المغازی والسير لابن عبد البر

۵- الکامل فی التاریخ لابن کثیر

۶- السیرۃ النبویۃ للذہبی

۷- زاد المعاد لابن القیم

مصادرِ تاریخ

امم سابقہ کے حالات جاننے کے لیے ہم مصادرِ تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو جو کتابیں ان معلومات پر اکثر و بیشتر مشتمل ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ قرآن پاک

قرآن میں متعدد آیات مبارکہ انبیاء سابقہ اور اہم سابقہ کے حالات اور ان کی دینی و دنیاوی اعمال اور ان پر مرتب انجام کے بارے میں کہیں قدرے تفصیلی اور کہیں اختصار سے کام لے کر بیان کرتا ہے جیسا کہ قصہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام، قوم عاد و ثمود، عاد و لوط، ابراہیم و ہود آپ ﷺ اور مشرکین مکہ و دیگر اقوام یہود و نصاریٰ وغیرہ۔

۲۔ سنت رسول ﷺ

سنت رسول ﷺ بھی قرآن پاک کی طرح اسلامی تاریخ کا ایک بنیادی مصدر سمجھا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے دور کے تمام معاملات و حالات چاہے مسلمانوں کے متعلق تھے یا غیر مسلموں کے، تمام تر تفصیلات کتب سنت میں موجود ہیں، اس بارے میں صحاح، سنن، معاجم، مسانید، مصنفات، سنن، مستدرکات اور کتب شامل و دلائل وغیرہ دیگر ذخائر سنت سے اس ضمن میں استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ کتب آثارِ قدیمہ

آثارِ قدیمہ سے مراد پرانے زمانے کی باقیات اور نشانیاں ہیں کہ جن کو ہم شہروں کے بلے، قلعے، مکانات، عمارتوں کے کتبے، پتھروں کی تصویریں، پہاڑوں پر لکھائی، پرانے زمانے کے کرنسی، اور برتن وغیرہ کی شکل میں مشاہدہ کر سکتے ہیں جس سے ہمارے ذہن میں پرانی اقوام کا ایک تصویر بیٹھ جاتی ہے اور اس علم کے بنیادی کتب سے اس بارے میں معلومات حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

۴۔ کتب ادب

آپ ﷺ نے اپنا بچپن عربوں کے رواج کے مطابق دیہات میں گزارا جہاں اصلی اور فصیح عربی کا رواج تھا۔ آپ ﷺ کی مبارک زبان پر جو امثال، استعارے اور محاورات استعمال ہوتے ہیں انہیں ادب جاہلی کے ذریعہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اصل عربی کو زندہ رکھنے کے لیے ادب جاہلی سے استفادہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

۵۔ کتب مؤرخین

تاریخ پر لکھی گئی کتب تو ہزاروں کے حساب سے ہیں لہذا تاریخی معلومات حاصل کرنے کے لیے ذیل میں مذکور چند ایک معتبر امہات الکتاب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے، وہ کتب یہ ہیں:

ابن جریر طبری کی "تاریخ الرسل والملوک"، ابن کثیر کی "البدایة والنہایة"، طبقات ابن سعد، "الکامل لابن اثیر اور اسی طرح دیگر کتب تاریخ۔ تاہم ان کتب تاریخ سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے

۶۔ کسی ملک کی سرکاری دستاویزات

خاص ملک کے سرکاری دستاویزات پر دن، مہینہ اور سالِ اجرا ضرور لکھی ہوئی ملتی ہے، جس کے ذریعے سے ہم کسی خاص واقعہ کی بابت معلومات ان دستاویزات سے باسانی حاصل کر سکتے ہیں۔

۷۔ روزنامے، ہفتہ وار اخبار اور سالے

مروجہ روزنامے، اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹی وی چینلز ہمیں خاص وقت پر رونما ہونے والے واقعوں کے بارے ان کی تاریخ مہیا کرتے ہیں۔

۸۔ مختلف مناسبتوں سے منعقد شدہ جلسوں و جلوسوں میں تقاریر

بعض کتب اور شخصی معلومات ہمیں گزشتہ وقت پر منعقد ہونے والے جلسوں اور تقریروں کے بارے میں تاریخی خبر دیتے ہیں۔

۹۔ کسی خاص آدمی کی ذاتی، دینی یا دنیوی مجالس

لوگوں کی ذاتی ڈائریاں ان کے وفات کے بعد ان کی حالات زندگی پر خاطر خواہ تاریخی معلومات دے سکتی ہیں۔

۱۰۔ کتب جغرافیہ

تاریخ کا جغرافیہ کے ساتھ بھی بہت گہرہ تعلق ہے۔ اگر جنوبی ایشیا کا جغرافیہ بیان نہ کیا جائے تو کسی کام سے آپ کا جانا اور وہاں کام کرنا بالکل سمجھ میں نہیں آسکتا۔ جغرافیہ کے بغیر بہت سے امور کا سمجھنا اور سمجھانا بہت مشکل ہو جاتا ہے، مثلاً جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ سعودی عرب پاکستان کے کس سمت میں ہے؟ تب تک یہ سمجھنا ممکن نہیں کہ آپ کسی ملک یا جگہ میں کام کر سکتے ہیں تاہم اقوام اپنی تاریخ سے پہچانی جاتی ہے اور ملکوں کے جغرافیائی حدود وقت کے ساتھ ساتھ بدل جاتی ہے۔ اس بات کو سمجھانے کے لیے روس کی مثال دی جاسکتی ہے پہلے یہ ایک ملک تھا لیکن آج کل ہمیں وہی روس بارہ حصوں میں تقسیم دکھائی دیتا ہے، تو پرانے روس کا جغرافیہ الگ ہے اور موجودہ روس کا الگ ہے اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے روس کی جغرافیائی موضوع پر مختلف ادوار میں لکھی جانی والی کتابوں سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

۱۱۔ قبائلی قصوں پر مشتمل کتابیں

اس موضوع کے تحت قبائل عرب وغیرہ پر بھی کتب لکھی جا چکی ہیں۔ جس سے ہمیں گزشتہ اقوام کی حالات زندگی کے بارے میں مفید اور اہم تاریخی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔

۱۲۔ سفر ناموں پر مشتمل کتابیں

لوگوں نے ڈائریوں کی طرز پر اپنے سفر نامے بھی مرتب کیے ہیں جیسا کہ ابن بطوطہ کا سفر نامہ اور ایسا ہی حکیم سعید شہید وغیرہ کے سفر نامے۔ راقم الحروف نے حکیم سعید کے کئی ایک سفر نامے پڑھے بھی ہیں جو تاریخی طور پر انتہائی سبق آموز ہیں۔

۱۳۔ کتب طبقات

کتب طبقات بھی تاریخی معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے جن سے مختلف شعبوں میں کام کرنے والوں کے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ ان کا مرتبہ و مقام اپنے اپنے شعبہ میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ کتب حسبہ

کتب حسبہ^(۱) بھی مختلف ادوار میں لوگوں کو ان کے اعمال پر مرتب جزا و سزا کے بارے میں اہم تاریخی معلومات کا ایک اہم وسیلہ ہیں جن کی جھلکیاں ہم خلفائے راشدین اور آج کل نبی کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔

۱۵۔ کتب فقہ^(۲) کتب فقہ بھی لوگوں کے سابقہ ادوار میں مختلف معاملات میں دینی مسائل کا سامنا اور علماء امت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں وقت کے تقاضے کے مطابق ان کا نکال لایا گیا حل پر مشتمل ہوتی ہیں۔

بحث کا تجزیہ

اس بحث میں مصادر سیرت و تاریخ کے عنوان سے سیرت نگاری کے اصول ذکر کیے ہیں، تاکہ ایک محقق پڑھتے وقت اور مؤلف تالیف کے دوران دھوکہ نہ کھائے۔

۱۔ فقہاء کے نزدیک حسبہ سے مراد تارکِ امر کو امتثالِ بالامر جبکہ فعلِ نبی کے مرتکب کو ترکِ نہی کا حکم دینا ہوتا ہے۔

(کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، محمد بن علی، التھانوی، باب حرف الالف، ۱/۱۰۸)

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: مصادر التاریخ الاسلامی و مناجیح البحث فیہ، دکتورۃ سیدۃ، اسماعیل کاشف، دار الراشد العربی،

اس بحث میں مصادر سیرت کو چار اعتبار سے تقسیم کیا ہے، پہلی تقسیم سند کے اعتبار سے دوسری تقسیم صحت سند کے اعتبار سے تیسری تقسیم موضوع کے اعتبار سے اور چوتھی تقسیم مصادر اصلیه اور مصادر ثانویه، مزید وضاحت کرتے ہوئے مصادر اصلیه کی تقسیم اور مختلف کتب سے ان کی مثالیں ذکر کر دی ہیں تاکہ مختلف واقعات اور انکی حیثیت واضح ہو۔ اور اسے پتہ ہو کہ جو کچھ وہ پڑھ رہا ہے یا لکھ رہا ہے وہ اصول سیرت نگاری کے مطابق ہے یا نہیں۔ اور اس طرح جو مسند مرسل یا دیگر حکم لگایا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا کسی روایت کا صرف مسند ہونا کافی ہے۔ یا اس کے بعد بھی روایت میں ضعف کسی وجہ سے ہو سکتا ہے۔

موضوع کے اعتبار سے تقسیم اس سے پہلی نظر میں یہ جانا جاسکتا ہے کہ کتاب میں مؤلف نے کس چیز کا احاطہ کیا ہے۔ خاص کر تحقیقی کام کرنے والے حضرات اپنا وقت بچا سکتے ہیں۔ اور اپنی مطلوبہ کتب تک جلدی رسائی پاسکتے ہیں۔ اس کے ساتھ مصادر کی مصادر اصلیه اور غیر اصلیه کے عنوان سے کی گئی ہے اس سے ایک علمی بحث سے فائدہ ہو گا کہ پتہ ہو کہ پڑھی جانے والی کتاب کس درجہ کی ہے اور اس میں دیئے گئے حوالے کی حیثیت کیا ہے۔

فصل سوم

سیرت و تاریخ کے مآخذ اور روایت و درایت کے بنیادی اصول

مبحث اول:	واقعات سیرت پر تحقیق کے بنیادی لوازم
مبحث دوم:	تاریخ کے بنیادی مآخذ
مبحث سوم:	اصول روایت
مبحث چہارم:	اصول درایت

مبحث اول: واقعات سیرت پر تحقیق کے بنیادی لوازم

آپ ﷺ کی اسوۂ حسنہ میں زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والوں کے لیے رہنما اصول پائے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت جتنی جامع اور مستند ہے اتنی کسی اور انسان بلکہ پیغمبر کی سیرت بھی جامع نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کے تمام اصول اپنی ثقاہت اور اسناد میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت کے اہم اصول درج ذیل ہیں۔

پہلا: قرآن پاک

قرآن مجید ”سیرت رسول“ کا ایک بنیادی مآخذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سیرت میں رسول ﷺ پر عمل اور اس کی ضرورت و اہمیت کو بہت ہی مؤثر انداز سے بیان کیا ہے۔ اور اپنے پیغمبر ﷺ کی سیرت و کردار کو مومنوں کے لیے ایک اعلیٰ مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ پیغمبر کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔ کیوں کہ آپ ﷺ محض حامل قرآن نہ تھے بلکہ سرِ اُپا قرآن تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کے اخلاق پر روشنی ڈالیں تو آپؐ نے جواب دیا۔ قرآن پاک کا مطالعہ کرو قرآن پاک آپ ﷺ کے اخلاق کی ہی تفسیر ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾^(۱)

بلاشبہ تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے۔

قرآن مجید آپ ﷺ کے اخلاق کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾^(۲)

اور یقیناً تو ایک بڑے خلق پر ہے۔

ڈاکٹر انور محمود خالد لکھتے ہیں:

”قرآن“ سیرت رسول ﷺ کا بنیادی مآخذ ہے۔ اس الہامی کتاب کی ۱۱۴ سورتوں میں حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کے ضروری اجزاء جستہ جستہ مذکور ہیں۔ آپ ﷺ کی ابتدائی زندگی، یتیمی، غربت، جوانی میں مالی فراغت، تلاش حق، بعثت و نزول وحی، دعوت و تبلیغ، کفار کی مخالفت، اسلام کا فروغ، معراج، ہجرت حبشہ، ہجرت

۱ - الاحزاب: ۳۳/۳۱

۲ - القلم: ۶۸/۴

مدینہ، تحویل قبلہ، مشہور غزوات (بدر، احد، احزاب، حنین، تبوک اور فتح مکہ)، خاندانی زندگی، اخلاق و عادات اور سیرت و کردار کے بارے میں مستند معلومات کا سرچشمہ یہی کتاب ہے۔^(۱)

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور صرف قرآن ہی باقی رہ جائے تب بھی آپ ﷺ کی سیرت و حیات کے براہین مٹ نہیں سکتے۔
مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں:

”اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور صرف قرآن ہی باقی رہے تب بھی آپ ﷺ کی شخصیت مقدسہ اور آپ ﷺ کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے، کیوں کہ یہ صرف قرآن ہے جو ہمیشہ دنیا کو بتلاتا رہے گا کہ اس کے لانے والا کون تھا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اور اس کے خویش و یگانہ کیسے تھے؟ قوم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیائے اس کے ساتھ کیا کیا۔ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے؟ اور راتیں کیسے کٹی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات و حوادث پیش آئے؟

پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کا کیا حال تھا اور جب واپس نظر و داع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکی تھی۔“^(۲)

قرآن مجید میں جہاں سابقہ انبیاء و رسل کی سیرت کے چند پہلوؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہاں نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کو بھی ایک منفرد انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ، ان کی خانگی و اجتماعی زندگی اور عہد نبوی کے احوال پر مبنی اہم معلومات کو بیان کیا ہے۔ یہ معلومات قرآن مجید میں جگہ جگہ بکھری ہوئی ہیں۔ یہ معلومات انتہائی معتبر ہیں کیوں کہ قرآن مجید سے زیادہ مستند اور معتبر کوئی ماخذ نہیں۔ یہ بات تو غیر مسلم بھی ماننے پر مجبور ہیں۔
ڈاکٹر انور محمود خالد کہتے ہیں:

”قرآن کی اس خصوصیت میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ محمد ﷺ کی سیرت اور ابتدائی اسلامی تاریخ معلوم کرنے کے لیے اس میں بنیادی باتیں موجود ہیں اور محمد ﷺ کی زندگی کے تمام تحقیق طلب امور اس کے ذریعہ صحت کے ساتھ جانچے جاسکتے ہیں کہ چنانچہ ہمیں محمد ﷺ کے مذہبی خیالات، ان کے اجتماعی افعال اور ان کی نجی زندگی کے متعلق

۱ - اردو نثر میں سیرت رسول، انور محمود خالد، ڈاکٹر، اقبال اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۴۵

۲ - رسول رحمت، ابوالکلام آزاد، مولانا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۱۹-۲۰

تمام مواد قرآن میں مکمل طور پر مل جاتے ہیں اور محمد ﷺ کی سیرت اور ان کا کردار معلوم کرنے کے لیے ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں سب کچھ صاف صاف نظر آتا ہے۔“^(۱)

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر وہ تمام جھوٹے الزامات بھی درج ہیں، جو کفار مکہ آنحضرت ﷺ پر عائد کرتے تھے، وہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) مجنون، گمراہ، مفتری، جادوگر کا بن اور شاعر قرار دے کر لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے۔^(۲) قرآن کریم نے ان الزامات کے بڑے منطقی اور مدلل جواب دے کر نبی کریم ﷺ کے حقیقی اوصاف کی طرف توجہ دلائی ہے^(۳) کفار مکہ کی طرف سے آپ ﷺ سے معجزات طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کی طرف سے جواب دیا ہے۔^(۴) اور سوائے شق القمر کے کسی اور معجزے کو آنحضرت سے منسوب نہیں کیا۔^(۵) بعض مفسرین کے نزدیک شق القمر بھی معجزہ نہیں بلکہ قیامت کی ایک نشانی ہے، البتہ قرآن کریم آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے آپ ﷺ کے شرح صدر کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔^(۶) سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن کریم آپ کو ایک بشر بنا کر پیش کرتا ہے لیکن اس تخصیص کے ساتھ کہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔^(۷) اسی طرح وہ آپ ﷺ کی غیب دانی کی بھی پرزور لفظوں میں تردید کرتا ہے^(۸)۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معمولی یا شدید عتاب کا مظاہرہ کیا گیا ہے، یا آپ ﷺ کی غلطی پر عفو و درگزر سے کام لینے کی اطلاع دی گئی ہے جیسا کہ جنگ بدر کے موقع پر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے پر^(۹) غزوہ تبوک میں شرکت سے چند صحابہؓ کا رہ جانے پر اور کسی بات کو اختراع کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی صورت میں شہ رگ کاٹ دینے کی دھمکی دی گئی ہے^(۱۰) وغیرہ

۱- اردو نشر میں سیرت رسول، انور محمود خالہ، ڈاکٹر، ص ۲۹

۲- سورۃ سباء: ۳۴/۳۶، ۵۰ اور سورۃ الصافات: ۳۷/۳۶، ۱۵

۳- سورۃ الطور: ۵۲/۲۹

۴- سورۃ الاعراف: ۷/۲۰۳

۵- سورۃ القمر: ۵۴/۱-۳

۶- سورۃ الم نشرح: ۹۴/۸-۱

۷- سورۃ الکہف: ۱۸/۱۱۰

۸- سورۃ الانعام: ۶/۵۰

۹- سورۃ الاعراف کے متفرق آیات

۱۰- سورۃ العنکبوت: ۸۰/۱-۱۶

دوسرا: تفسیر قرآن

قرآن پاک چونکہ ایک اجمالی کتاب ہے جس میں بہت سارے احکامات تفصیل طلب ہیں جو تفسیر کے بغیر عملی طور پر نہیں قائم کیے جاسکتے لہذا اس لیے قرآن پاک کے بعد سیرت کا دوسرا ماخذ تفسیر ماثور قرار دیا جا چکا ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ سے منقول تفسیری روایات کو سیرت نگاروں نے سیرت کا ماخذ قرار دیا ہے کیوں کہ اس کا تعلق آپ ﷺ کی تفسیر آیات قرآنیہ سے ہیں اور آپ ﷺ کا قول بھی حدیث کی طرح سیرت کا موضوع ہے اگرچہ دور نبوی ﷺ میں تفسیر قرآن حدیث نبوی ﷺ کا حصہ ہوا کرتا تھا جو تدوین حدیث کے بعد ایک الگ علم کی حیثیت میں ابھر آیا۔

اگر تفسیر سے استفادہ نہ لیا جائے تو سیرت طیبہ ﷺ کے بہت سے پہلو تشنہ رہ سکتے ہیں لہذا چند ایک آیات کو ذیل میں بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ مثلاً سورۃ انفال کی آیت:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُفْخِرَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾^(۱)

کسی نبی کے لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اللہ آخرت چاہتا ہے۔

اس مطلق آیت سے بات سمجھ میں نہیں آتی کہ زندہ کو ہی قیدی بنایا جاتا ہے لہذا نبی ﷺ کی ذات پر اس سے الزام آتا ہے؟ اس آیت کا مفہوم اس کی تفسیر اور شان نزول سے واضح ہوتا ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ کے قیدیوں کو جو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا وہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا گویا سیرت طیبہ ﷺ کی تکمیل تفسیر سے ہوئی ہے، مثلاً تفصیلات کے لیے دیکھئے، آیات مبارکہ۔^(۲)

(۲)۔ اسی طرح سورۃ نساء کی آیت:

﴿وَلَا جُنَادِلَ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ﴾^(۳)

کہ آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے نہ لڑے۔

یہاں قرآن مجید کے الفاظ سے بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ بھلا ایک نبی ایسا کام کیسے کر سکتا ہے کہ خیانت کرنے والوں کی طرف سے لڑے لیکن یہ بات تفسیر سے واضح ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظاہری شہادت کی بنیاد پر

۱۔ سورۃ انفال: ۸/۶۷

۲۔ تفسیر ابن کثیر، محمد بن کثیر، پارہ ۱۰، آیت ۶۷، ترجمہ: مولانا، محمد جونا گڑھی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۶ء، ۱۰/۳۲۹-۳۳۰

۳۔ سورۃ النساء: ۴/۱۰۷

ایک یہودی کو چور سمجھ لیا تھا، لہذا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ صحیح فیصلہ کریں فریقِ ثانی غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔^(۱)

۳۔ اسی طرح سورہ احزاب کی آیت:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا۔ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾^(۲)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تمہاری مراد زندگی دنیا اور زینتِ دنیا ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دو، اور اگر تمہاری مراد اللہ اور رسول اللہ اور آخرت کا گھر ہے تو یقین مانو کہ تم میں سے نیک کام کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں۔

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ ازواجِ مطہرات جنہوں نے اپنی خوشی سے آپ ﷺ کو قبول کر لیا تھا انہیں اختیار کیوں دیا جا رہا ہے آپ ﷺ کو بطورِ زوج قبول کرنے اور نہ کرنے میں۔ سیرت کا یہ پہلو تفسیر ہی سے واضح ہو سکتا ہے۔ جہاں مفسرین نے شانِ نزول کے ضمن میں تمام تر تفصیلات مہیا کی ہیں۔^(۳)

یہی صورت حال قرآن مجید کے کئی آیات میں درپیش ہوتا ہے جس کی تفصیلات اور صحیح رہنمائی مفسرین عظام نے مہیا کی ہے مثلاً مزید تفصیل کے لیے دیکھئے آیات مبارکہ:

سورۃ یونس کی آیت نمبر: ۹۴

سورۃ الشعراء کی آیت نمبر: ۳

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر: ۳۷

سورۃ الانعام کی آیت نمبر: ۱۳۲

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر: ۱۸۷

سورۃ المجادلۃ کی آیت نمبر: ۸

اور سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۵۲ کی ہے، یہی وجہ ہے کہ تفسیر کو بھی سیرت کا ایک مستقل حصہ قرار دیا گیا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر، ۵/ ۷۷۰

۲۔ سورۃ الاحزاب: ۳۳/ ۲۸-۲۹

۳۔ تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر، ۲/ ۷۶۷

تیسرا: حدیث رسول ﷺ

سیرت نگاری کے اصولوں میں سے ایک اہم اور مستند ماخذ خیرہ حدیث ہے کیوں کہ حدیث کا تعلق بذاتِ خود آپ ﷺ سے ہے جو سیرت کا اصل مجموع ہے تبھی تو سیرت طیبہ زمانہ قدیم سے تمام کتب حدیث کا ایک مستقل حصہ بننا چلا آیا ہے ابتدائے اسلام میں تفسیر، حدیث اور سیرت ایک ہی حلقہ درس کے اسباق تھے لیکن بعد میں مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ جدا جدا فنون کی حیثیت سے مدون ہوتے گئے۔ جو قرآن مجید کے بنسبت زیادہ واضح اور تفصیلی ماخذ سیرت ہے۔^(۱)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سنت و حدیث رسول ﷺ کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر کاربند رہنے کی تلقین فرمائی ہے اشد ربانی ہے۔

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾^(۲)

سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔
دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾^(۳)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا۔
ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا﴾^(۴)

جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔
اس لحاظ سے حدیث رسول ﷺ کے گراں قدر مصادر ہمارے پاس محفوظ ہیں صحاح ستہ اور دیگر کتب کی صورت میں۔

۱- السيرة النبوية في ضوء القرآن والسنة، الدكتور، محمد بن محمد، البوشبة، ۱۹۸۸ء، دار القلم دمشق، ص ۷۷

۲- سورة الحشر: ۵۹/۷

۳- سورة الاحزاب: ۳۳/۳۶

۴- سورة النساء: ۸۰/۴

چوتھا: شاملِ نبوی ﷺ

سیرت طیبہ کا حدیث کی طرح شاملِ نبوی سے بھی بہت گہرا تعلق ہے۔ کیوں کہ حدیث عام ہے جو آپ ﷺ کا قول و فعل اور تقریر و عادات و آداب سب کو شامل ہے جبکہ شامل خاص ہے اس میں قول و فعل و تقریر کے علاوہ صرف آپ ﷺ کا حلیہ مبارک، عادات و خصائل، عام معمولات زندگی، لباس، نشست و برخاست، قد، رنگ، بال، جسم کے نشیب و فراز، خورد و نوش، مرغوبات و مکروہات، غرض آپ ﷺ کی تمام بشری احوال کی تفصیلات جمع کی جاتی ہیں۔

شامل کا مطالعہ کرنے سے آپ ﷺ کی جسمانی کیفیت پوری تفصیل کے ساتھ اس طرح نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے گویا نبی کریم ﷺ آپ کے سامنے تشریف فرما ہیں، جس حد تک شامل میں جزئیات کی تصویر کشی کی جاتی ہے اس کی مثال دوسرے اصول و مصادرِ سیرت میں نہیں ملتی اور اس ضمن میں شاملِ محمدیہ، نبویہ وغیرہ کہ ناموں سے ہمارے پاس ایک وسیع سرمایہ موجود ہے یہی اس ماخذ کی امتیازی خصوصیت ہے^(۱)

پانچواں: مغازی و سرایا

ابن حجر لکھتے ہیں کہ: لفظ سیر سیرت کی جمع ہے اور اسکا اطلاق جہاد کے ابواب پر ہوتا ہے، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ان حالات سے ماخوذ ہوتے ہیں جو غزوات میں پیش آئے^(۲)۔

مغازی سے مراد رسول اللہ ﷺ کا بہ نفسِ نفیس یا اپنے لشکر کے ذریعے کفار کا قصد کرنا خواہ یہ قصد ان کے شہروں پر حملے کا ہو یا جہاں وہ مقابلے کے لیے میدان میں اترے ہو۔ بعد میں مغازی کے معنی میں وسعت پائی گئی اور مغازی کا اطلاق صرف غزوات پر نہیں رہا بلکہ مکمل سیرت پر بھی کیا جانے لگا۔ اور اس میدان میں بھی ہمارے پاس ایک عظیم اور ضخیم تراش موجود ہے کتب حدیث میں اندر سیر و مغازی کے نام سے ایک تفصیلی تذکرہ ہے^(۳)

چھٹا: معاہدات، مکاتیب، فتاویٰ و طبِ نبوی

سیرت طیبہ کے پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو معاہدات و مکتوبات کا پہلو ہے۔ دوسرے آپ ﷺ کے فیصلے و فتاویٰ ہیں۔ تیسرے طب و حفظانِ صحت کے حوالہ سے آپ ﷺ کی ہدایات ہیں۔ یہ موضوعات درجہ ذیل اقسام پر مشتمل ہیں۔

۱- اردو نثر میں سیرت رسول، ڈاکٹر انور محمود، خالد، ص ۱۷۳-۱۷۴

۲- فتح الباری، ابن حجر، العسقلانی، کتاب الجہاد والسیر، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء، ۶/۳

۳- ایضاً: ۶/۲۷۹

- ۱- نئے معاہدے یا پرانے معاہدوں کی تجدید^(۱)
- ۲- تبلیغی نقطہ نظر سے لکھے گئے خطوط^(۲)
- ۳- سرکاری نمائندوں کو ارسال کیے گئے خطوط، احکامات و ہدایات^(۳)
- ۴- اجرائے دستاویزات برائے اموال ملکیت اراضی واجناس وغیرہ^(۴)
- ۵- مخصوص افراد کے لیے ہدایات جیسے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر^(۵)
- ۶- جوابی خطوط۔
- ۷- مسلمانوں یا غیر مسلموں کی جانب سے آپ ﷺ کو حکم بنایا جانا اور اس کی روشنی میں فیصلوں کا اجرائے عمل میں آنا جسے فتاویٰ کا عنوان دیا گیا ہے۔
- ۸- مسلمانوں کا آپ ﷺ سے کوئی مسئلہ دریافت کرنا اور آپ ﷺ کا جواب عنایت فرمانا۔
- ۹- آپ ﷺ کی بیماری میں اپنا علاج کرنا۔ یا اپنی بیماری کے لیے دوائی تجویز کرنا^(۶)
- ان معاہدات، مکاتیب اور طب نبوی ﷺ کے احوال سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے زندگی کے متنوع معاملات و مسائل کو نبھایا۔ اور ان مسائل سے سیرت نبوی ﷺ پر مختلف جہات سے روشنی پڑتی ہے۔ اور یوں سیرت کے کئی ایک گوشے واضح ہو جاتے ہیں۔

ساتواں: دلائل النبوة والمعجزات ہیں

دلائل النبوة کا مطلب یہ ہے کہ ایسے دلائل جو نبی علیہ السلام کی نبوت کی صداقت و اثبات کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیے جاتے ہیں۔ اور معجزات وہ دلائل ہوتے ہیں کہ جن کے جواب دینے سے مخالفین عاجز آجائیں ان دونوں کو بھی علم سیرت کا بہت بڑا ذخیرہ سمجھا جاتا ہے۔

- ۱- صحیح السیر، ابوالبرکات، عبدالرؤف، دانا پوری، ص ۱۲
- ۲- سیاسی وثیقہ جات، ڈاکٹر حمید اللہ، ترجمہ: ابوبکی امام خاں نوشہروی، مجلس ترقی ادب، لاہور، (سن)، ص ۱۵
- ۳- ایضاً
- ۴- تدوین سیر و مغازی، مولانا، قاضی اطہر مبارک پوری، دار النوادر، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۳-۱۵۴؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: رسول اللہ کی حکمرانی و جانشینی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ترجمہ: خالد پرویز، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲-۱۳
- ۵- خطبہ حجۃ الوداع، سید فضل الرحمن، (سن)، ۱۹۹۵ء، ۱۵، ۴۲
- ۶- آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن، میاں، محمد جمیل، ابوہریرہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۶ء، پانچویں اشاعت، ص ۴۸

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر نے اپنی کتاب ”سیرت النبی کے مصادر و مراجع“ میں دلائل النبوة کے حوالے سے اہم ترین کتابوں کی ایک فہرست ذکر کی ہے جن میں سے ابو نعیم اصفہانی کی کتاب ”دلائل النبوة“ کو نہایت ہی معتبر اور مستند کتابوں میں شمار کیا ہے اور ایسا ہی امام جلال الدین سیوطی کی کتاب ”الخصائص الکبریٰ“ کو بھی بہت سراہا ہے^(۱)۔

آٹھواں: قصص الانبیاء والمرسلین

تمام سابقہ انبیاء کرامؑ و رسل عظامؑ کی دعوت توحید، رسالت، و معاد پر مبنی ہوا کرتی تھی اور اسی نسبت سے رسول اللہ ﷺ نے وقتاً فوقتاً اپنے منصبی بھائیوں کے حالات و واقعات بھی بیان فرمائے۔ آپ ﷺ کی ہر بات سیرت کا موضوع ہے لہذا اسی نسبت سے قصص انبیاء بھی سیرت کا ماخذ ہیں۔ قرآن مجید نے بھی انسانی دل و دماغ میں توحید و رسالت کے مضامین کو اتارنے کے لیے جو وسائل و ذرائع اختیار کیے ہیں ان میں قصص و حکایات کو مرکزی اہمیت حاصل رہی ہے۔ دینی حلقوں میں قصے کہانیوں سے متعلق جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، اور جس طرح تحقیر کی نگاہ سے اس فن کو دیکھا جاتا ہے اس میں واعظوں اور مصلحوں کے طرز عمل کا بڑا عمل دخل ہیں اور وہ اسکی اہمیت اور افادیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ اگر کسی ثقہ و سنجیدہ مجلس میں جہاں لوگ اپنی اصلاح کے لیے بیٹھے ہوں، کوئی قصہ بیان کرنے لگے تو لوگ اس کو بے محل سمجھیں گے کہ یہاں تو خدا اور رسول کی باتیں ہونی چاہئیں، اعتقادات و ایمانیات کی باتیں ہونی چاہئیں۔ یہ قصہ کہانی کہاں سے شروع کر دیا۔ لیکن قرآن کریم نے قصص و واقعات کو بہت بڑی اہمیت دے رکھی ہے۔ آپ دیکھیں کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے واقعات اور قصے اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر ذکر کیے ہیں یہاں تک کہ ایک پوری سورت حضرت یوسفؑ سے متعلق ہے۔ اور یہ پوری سورت ان ہی کے قصص مبارکہ پر مبنی ہے۔ لہذا یہ قصص بھی سیرت کا اہم ماخذ ہے^(۲)۔

سیرت نبوی ﷺ کے اس ماخذ سے آپ ﷺ کے زندگی میں واقع معجزات سے سیرت کے کئی پہلو ہمارے سامنے کھل جاتے ہیں۔

نواں: آثار صحابہ و صحابیات

جو عمل نبی کریم ﷺ سے منقول ہو اسے آثار نبوی کہا جاتا ہے، اسی طرح جب یہ لفظ مطلقاً استعمال ہو تو بھی یہی مطلب ہوتا ہے لیکن جو عمل صحابہ اور صحابیات سے منقول ہو اسے آثار صحابہ کہتے ہیں۔ صحابہؓ کو حضور ﷺ سے ایک شعوری اور جذباتی لگاؤ تھا، وہ آپ ﷺ کو دیکھتے رہتے لیکن ان کی آنکھیں کبھی تھکاوٹ محسوس نہ کرتیں۔ وہ آپ ﷺ

۱- سیرت نبوی ﷺ کے مصادر و مراجع، ڈاکٹر عبدالرؤف، ظفر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۲-۲۳

۲- مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: تعمیر حیات، ہفت روزہ، وحید الدین خان، گوڈورڈکس، لکھنؤ، ۱۹۹۹ء، ص ۶

کو سنتے رہتے لیکن کبھی اکتاہٹ محسوس نہ کرتے۔ اور ہر ایک عمل میں حتیٰ الوسع آپ ﷺ کی اتباع کی کوشش کرتے۔ اسی لیے محدثین کے نزدیک عمل صحابہ بھی حدیث کی تعریف میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب سیاسی وثیقہ جات میں صحابہ کرام کے آثار کو جمع کر دیا ہے^(۱)۔

دسواں: علم رجال حدیث نبوی ﷺ

اس علم کا موضوع احوال رواۃ حدیث ہے جن کا براہ راست تعلق ذاتِ نبی ﷺ کے ساتھ ہے اور آپ ﷺ علم سیرت کا موضوع ہے اسی نسبت سے علم رجال سیرت کا ماخذ ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کے صحابہ کرام تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار حاضرین مجلس تھے جو اس موقع پر حاضر نہیں تھے ان کی تعداد حاضرین سے کئی گنا زیادہ تھی، ماہرین حدیث کے مطابق جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کی ہے، ایک لاکھ سے زائد ہے۔ دنیا کی کسی شخصیت کے حالات کے اتنے سارے عینی شاہدین تو کیا اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ملے گا۔^(۲) ان حضرات کے ذریعے جب یہ تمام سرمایہ سیرت و حدیث تحریر ہو گیا تو ان تمام راویوں کے احوال کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا، اسی تحریر شدہ ذخیرہ علم کا نام علم رجال اور ایسی کتابوں کا نام کتب رجال ہے۔ بقول جرمن اسکالر ڈاکٹر اسپرنگر: ”کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو سکتا ہے“^(۳)۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: سیرت نبوی کے واقعات بعد میں قلم بند ہوئے، ابتدا میں سب زبانی روایتوں کی شکل میں محفوظ ہوتا گیا۔ مصنفین کا ماخذ سابقہ کوئی کتاب نہیں تھی۔ اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو درپیش ہوتا ہے تو وہ مدتوں بعد قلم بند کیے جاتے ہیں، عام طور پر تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی غلط افواہیں قلم بند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات منتخب کر لیے جاتے ہیں جو قرآن اور قیاسات کے تقریباً مطابق ہو سکتے ہیں، کچھ وقت کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتی ہے، یورپ کی تمام تاریخی تصنیفات اسی اصول پر مبنی ہے۔ لیکن مسلمانوں نے جس عرق ریزی سے اس میدان میں مباحث کو زیر بحث لایا ہے ان میں سیرت کا ایک معتد بہ حصہ پایا جاتا ہے۔

۱- مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: سیاسی وثیقہ جات، ڈاکٹر حمید اللہ، ترجمہ: ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، مجلس ترقی ادب، لاہور

۲- رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، دار الاشاعت، کراچی، ص ۲۴

۳- اردو نثر میں سیرت رسول، ڈاکٹر انور محمود، خالد، بحوالہ الاصابۃ انگریزی مقدمہ، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۳ء، ص ۵۴-۵۵

گیارواں: تاریخ

سیرت طیبہ بھی ایک حیثیت میں تاریخ ہے، اس لیے کہ تاریخ کے دائرہ میں سوانح بھی داخل ہوتے ہیں۔ جو کتابیں اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے مرتب کی گئی ہیں ان میں سے اکثر کا ابتدائی یا درمیانی حصہ سیرت طیبہ پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصول سیرت میں سے ایک اصول تاریخ کو بھی قرار دیا گیا۔ ابن جریر طبری کی ”تاریخ الرسل والملوک“ ہو یا ابن کثیر کی ”البدایہ والنہایہ“ وغیرہ، ان میں کچھ اجزاء سیرت پر ہوتے ہیں۔

مثلاً طبقات ابن سعد کی ابتدائی دو جلدیں سیرت پر ہے۔ اور اسی طرح دیگر کتب تاریخ ہیں۔ لہذا ان کتب تاریخ سے سیرت سید المرسلین کے ضمن میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے^(۱)۔

بارہواں: علم تاریخ حریمین

آپ ﷺ کی مبارک زندگی مکہ و مدینہ و حریمین میں گزری ہے، اس کے مقابلہ میں بیت المقدس سے تعلق مختصر عرصہ کے لیے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تینوں مقامات کے حوالے سے جو بھی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اس وقت تک نامکمل رہتی ہیں، جب تک آپ ﷺ کا ذکر نہ آئے کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی تاریخ قدیم ترین ہیں۔ آپ ﷺ کے حوالے سے جب بھی سیرت نگاری کی جائیگی کعبہ کا ذکر ضرور آئے گا، اور سیرت نگار جب تک اس موضوع پر لکھی گئی کتب سے استفادہ نہیں کرے گا نہ وہ کعبہ کی تعمیر بیان کر سکتا ہے نہ اس کی ارتقائے عبادت کے اسلوب نہ زائرین کی روایات نہ زمزم کا ذکر، نہ حجر اسود کی آمد نہ عرب قبائل کے سالانہ میلے نہ ان کی قدیم تہذیبی و تمدنی روایات وغیرہ۔ تاریخ حریمین پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن میں سے چند ایک اہم کتب کی یہاں ذکر فائدے سے خالی نہیں ہوگا۔

۱- اخبار المدینہ، محمد بن الحسن بن زبالہ^(۲)

۲- اخبار المدینہ، زبیر بن بکار

۳- تاریخ ارض القرآن، مولانا سید سلیمان ندوی

۴- تاریخ مکہ مکرمہ، صفی الرحمن المبارکفوری

۵- تاریخ مکہ المکرمہ، محمد عبدالمعبود

۱- دیکھئے مزید تفصیل کے لیے: مسلمان مؤرخین کا اسلوب، ص ۱۰

۲- کشف الظنون، حاجی، خلیفہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/۲۹

- ۵- تاریخ مدینہ منورہ، صفی الرحمن المبارکفوری
 ۶- تاریخ مکہ المکرمہ، قدیم و حدیث، محمد الیاس عبدالغنی
 ۷- تاریخ مدینہ، حضرت الشیخ الحدیث الدہلوی
 ۸- مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات، امتیاز احمد ماسٹر آف فلاسفی (لندن)
 ۹- تاریخ خانہ کعبہ، محمد طاہر^(۱)

مذکورہ بالا کتب میں بعض تو دار بعثت نبوی ﷺ (مکہ مکرمہ) جبکہ بعض دوسرے دار ہجرت نبوی ﷺ (مدینہ منورہ) کی تاریخوں پر مشتمل ہیں جو کہ دونوں طرح کی کتب تاریخ اپنے عنوانات سے بالکل عیاں ہیں۔

تیرہواں: علم جغرافیہ

سیرت کا علم جغرافیہ کے ساتھ بھی بہت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اگر کعبہ کا جغرافیہ بیان نہ کیا جائے تو کعبہ میں آپ ﷺ کی آمد اور وہاں حجر اسود کی تنصیب کا واقعہ بالکل سمجھ میں نہیں آسکتا۔ جغرافیہ کے بغیر بہت سے امور کا سمجھنا اور سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے مثلاً جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ آپ ﷺ کا مکان ابو جہل کے مکان سے کس سمت میں تھا تب تک یہ سمجھنا ممکن نہیں کہ آپ ﷺ کو گھر سے نکلنے پر ابو جہل ایذا رسانی کیسے کیا کرتا تھا؟ ہجرت کے وقت آپ کے مکان کا گھیر او کس طرح کیا گیا تھا؟ ہجرت کے وقت آپ ﷺ نے کون سا راستہ اختیار کیا؟ مسجد نبوی ﷺ کے ارد گرد ازواج مطہرات کے مکانات کس ترتیب سے تھے؟ کن صحابہؓ کے مکانات ارد گرد تھے؟ آپ ﷺ نے مسجد نبوی کے ارد گرد تمام مکانات کی کھڑکیاں بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ سوائے ایک کھڑکی کے، آخر یہ کیوں؟ مسجد نبوی اور مسجد حرام کی تعمیر اور توسیع کب کتنی بار اور کس نے کی؟ کس سمت میں ہوئی، کتنی وسعت دی گئی، کس کس کے مکانات اس میں شامل ہوئے؟ قدیم حرم، مکہ، مدینہ کے حدود کیا تھیں؟ حبشہ کی سرزمین کہاں اور کتنے فاصلے پر تھی۔

یہ تمام کڑیاں صرف اور صرف علم جغرافیہ کے ایک نقشہ، ایک چارٹ ایک اطلس ہی سے واضح ہو سکتی ہے، گھنٹوں کا لیکچر بھی ان پہلوؤں پر طالب علم کے ذہن کو نہیں صاف کر سکتا ہے، جبکہ صرف ایک چارٹ و خاکہ کی مدد سے چند منٹ میں سیرت کے ان پہلوؤں کو نکھارا اور سمجھایا جاسکتا ہے۔

اور مدینہ کی جغرافیہ کے بارے میں ایک بہت ہی اہم کتاب علامہ عبد الغنیؒ نے ”بیوت الصحابة حول المسجد النبوی“ کے نام کے ساتھ مرتب کی ہے جن سے استفادہ لیا جاسکتا ہے^(۱)۔

چودہواں: علم الانساب

کسی انسان کی سیرت بیان کرتے وقت اس کا نسب نامہ ذکر نہ کرنے سے تذکرہ ادھورہ رہ جاتا ہے کیونکہ اقوام عالم خاص کر عربوں کے ہاں نسب بہت اہمیت کا حامل ہوا کرتا تھا، انسان تو انسان عرب اونٹ، گھوڑے اور دیگر حیوانات تک کے حسب و نسب کا خیال رکھتے تھے، اسی بنیاد پر انسانوں، قوموں، قبیلوں سے سلوک و معاملات طے کیا کرتے تھے، تاریخ کی اسی نوع کو سمجھے بغیر اس معاشرہ کو جس میں ہمارے پیغمبر ﷺ مبعوث ہوئے سمجھنا ممکن ہی نہیں اور معاشرہ و تہذیب و تمدن حسب و نسب کی اہمیت کو سمجھے بغیر نبی کریم ﷺ کی معاشرتی مشکلات کو سمجھنا اور آپ ﷺ کا ان مشکلات سے نبرد آزما ہونے کو سمجھنا ہمارے لیے ممکن ہی نہیں ہے، گویا علم الانساب کے بغیر سیرت طیبہ کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ کیونکہ انساب کا سیرت طیبہ سے گہرا تعلق ہے اس لیے کہ عرب معاشرہ میں صاحب نسب ہونا انتہائی اہمیت کا حامل تھا، ابوجہل وغیرہ نے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا، آپ کے حسب و نسب کا نہ کر سکا اور یہی وہ حیثیت ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر اس کا فائدہ بھی اٹھالیا، سیرت طیبہ کو اس علم کی اہمیت کا اندازہ لگائے بغیر سمجھنا انتہائی مشکل ہے^(۲)۔

پندرہواں: علم اصول حدیث

سیرت طیبہ اور حدیث مبارکہ دونوں کا موضوع آپ ﷺ کی ذات ہے، اور دونوں علموں کا مقصد آپ ﷺ کی تعلیمات امت تک پہنچانا ہے، حدیث کے لیے جو اصول ہیں وہی سیرت طیبہ کے لیے ہونے چاہئے، حدیث کا اصول حدیث سے جتنا قریبی و گہرا تعلق ہے، اتنا ہی سیرت طیبہ کا اصول حدیث سے تعلق ہے کیوں کہ دونوں کا مقصد آپ ﷺ سے منسوب صحیح اور مستند بات کو درایت کی روشنی میں امت تک پہنچانا ہوتا ہے^(۳)۔

۱- بیوت الصحابة حول المسجد النبوی، محمد الیاس، عبد الغنی، مرکز طیبہ للطباعة، المدینة المنورة، ۱۹۹۸ء، دوسری اشاعت،

۴۶-۴۲/۱۴

۲- طبقات ابن سعد، محمد ابن سعد، ترجمہ: علامہ عبد اللہ العمادی، نفیس اکیڈمی، لاہور، ۱/۳۰-۴۰

۳- تہذیب التہذیب، ابن حجر، عسقلانی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۴ء، ۹/۳۴۵: تدریب الراوی، عبد الرحمن جلال الدین،

السیوطی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/۵

سولہواں: علم النسخ والمنسوخ

آپ ﷺ جب تک بقید حیات تھے اسلامی احکامات کے نزول کا سلسلہ جاری و ساری تھا اور آخری لمحات تک یہ امکان موجود تھا کہ سابقہ حکم کو بالکل ختم کر دیا جائے یا اس مطلق حکم کو مشروط کر دیا جائے اور یہ امکان وحی جلی (قرآن پاک) اور وحی خفی (سنت رسول ﷺ) دونوں میں یکساں موجود تھا لیکن جب آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو یہ امکان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی عہد میں نسخ و منسوخ کا علم بہت اہمیت کا حامل تھا۔ اور اب بھی ایک سیرت نگار کے لیے اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے^(۱)۔

ستر ہواں: حکمت و علم نفسیات

سیرت نگاری کا مقصد واقعات سیرت کو صرف کتب میں جمع کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان سے مراد نبی مکرم ﷺ کے ہر سنت مبارکہ سے انکی حکمت طیبہ کو معلوم کر کے قاری کو پیش کرنا ہوتا ہے اور ایسا ہی آپ ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے انکے علم نفسیات کا اسلوب و منہج کو امت کے سامنے اجاگر کرنا ہوتا ہے جو انہوں نے مخاطب کا لحاظ کر کے اپنے معاملات طے کیے تھے جیسا کہ ایک صحابی آپ ﷺ سے کسی ایسے عمل کے بارے میں پوچھتا ہے جو اسے جنت لے جائے تو آپ ﷺ اسے غصہ پی جانے کا کہتا ہے جب کہ کسی دوسرے موقع پر اسی سوال کو ایک اور شخص دہراتا ہے تو آپ ﷺ اسے مال خرچ کرنے کا کہتا ہے لہذا اس میں ایک امتی کے لیے آپ ﷺ کے کامل پیروی کرنے کے لیے ایک بہت بڑا سبق ہے تاکہ ان کی تعلیمات پر قدم بقدم چل کر دعوت کے میدان میں مخاطب کی مزاج کو مد نظر رکھ کر دعوت دی جائے تاکہ ان پر ہماری دینی دعوت کا سونے کا اثر ہو سکے^(۲)۔

اٹھارواں: کتب مذاہب مقدسہ

قرآن مجید نے دیگر انبیاء اور ان کی کتب سے استفادہ کرنے سے ہمیں اس وقت تک روکا نہیں جب تک وہ کسی حکم میں معارض قرآن نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ قرونِ ثلاثہ اور ان کے بعد بھی بعض افراد مشرف بہ سلام ہونے کے بعد ان کتب مقدسہ سے استفادہ لیتے رہیں۔ جیسا کہ عبد اللہ بن سلام^(۳) جو کہ ایک یہودی عالم تھے اپنی آسمانی کتاب میں موجود

۱- کتاب ناسخ الحدیث، عمر بن احمد، ابن شاہین البغدادی، تحقیق: دکتورۃ کریمہ بنت علی، دار الکتب، العلمیۃ، بیروت، ص ۳۸

۲- دشمنان خدا کی نفسیات، ڈاکٹر محمد، حمید اللہ، ماہنامہ البلاغ کراچی، دسمبر ۱۹۶۸ء، ۱۰/۱۷

۳- عبد اللہ ابن سلام ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ منورہ میں رہائش پزیر تھا اور یہودی قبیلہ بنو قینقاع سے تعلق رکھنے والا ایک یہودی زاہد و عابد عالم دین تھا جو نبی ﷺ کی آمدن قبا کے موقع پر مشرف باسلام ہونے کا شرف حاصل کر کے پوری عمر دعوت و جہاد میں گزار دی اور مدینہ ہی میں وفات پائے۔ (الاعلام، خیر الدین بن محمود، الزرکلی، دار العلم للملایین، بیروت، الطبعة الخامسة عشر، ۲۰۰۲ م، ۴/۹۰)

ہمارے پیغمبر ﷺ کی علاماتِ نبوت دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں انبیاء سابقین کی روایات کتب سیر و مغازی بھی موجود تھے۔ حضرت دانیالؑ^(۱) کی طرف منسوب کتاب اسفار دانیالؑ بھی ان کے پاس موجود تھی جنہیں انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بھی دکھایا تھا۔ اسی طرح حضرت کعب احبارؓ^(۲) جو ایک یہودی عالم تھے آپ سے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے حوالہ سے قدیم روایات منقول ہیں، اور اسی طرح حدیث ذی الکفلؑ^(۳) بھی آپ سے منقول ہیں، وفاتِ موسیٰ علیہ السلام پر یہ آپ کی کتاب ہیں۔

وہب بن منبہؓ^(۴) ایک تابعی ہے، جو قصص الانبیاء کے ماہر سمجھے جاتے تھے، اور بنی اسرائیل کی تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے۔ کتاب الملوک اور قصص الانبیاء آپ کی علمی یادگاریں ہیں، مزید برآں کتاب المزامیر کے نام سے آپ نے زبور کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ خود آپ نے ایک دفعہ تورات کی عبارت پیش کر کے یہودیوں کو قائل کرنے کی کوشش بھی کی اور عبد اللہ بن سلامؓ نے اس کی تائید بھی کی۔^(۵)

۱- حضرت دانیال علیہ السلام انبیاء میں سے تھے اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے اس کے نام سے اہل کتاب کے ہاں ایک صحیفہ بھی پایا جاتا ہے اگرچہ یہ صحیفہ اپنی تعلیمات کی وجہ سے دوسری صحائف سے ممتاز ہے لیکن پھر بھی شہادتِ قرآنی کی وجہ سے تحریف شدہ ہے۔ (المحبر، محمد بن حبیب، أبو جعفر البغدادی، تحقیق: رابلیزہ لیختن شتیر، دار الآفاق الجدیدة، بیروت، (س ن)، ۱/۳۹۰)

۲- حضرت کعب بن منبہؓ الحمری جو کہ ایک مشہور تابعی ہے جس کی کنیت ابواسحاق تھی ایک ماہر عالم اسرائیلیات و مفسر قرآن تھے خاص کر قصص انبیاء میں صحابہ کرامؓ کا بھی مرجع رہا ہے۔ اور وہ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ جیسے القدر صحابہؓ کے شاگرد رہے ہیں۔ (التحفة اللطیفة فی تاریخ المدینة الشریفہ، محمد بن عبد الرحمن، السخاوی، الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳م، الطبعة الاولى، ۲/۳۹۶)

۳- حضرت ذوالکفل اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے۔ ان کا اصل نام ثعلبی کے مطابق بشر بن ایوب علیہ السلام (عرائس، ص ۹۴) اور جراری، عوید یا بن اوریم تھا۔ نسخ النوارین نے عوید یا ہوا لکھا ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ اس کے معنی ”عبد اللہ“ کے ہیں۔ آپ کا لقب ذوالکفل تھا۔ آپ شام اور روم پر مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کو غصہ کبھی نہیں آیا تھا۔ اور آپ بے مثل مہمان نواز تھے۔ آپ مقدمات کے فیصلے بھی کیا کرتے تھے۔ (تاریخ الطبری، محمد بن جریر، الطبری، دار التراث، بیروت، ۱۳۸۷ھ، الطبعة الثانية، ۲/۹۹)

۴- وہب بن منبہؓ ایک مشہور تابعی، راوی اسرائیلیات اور زبور شریف کے مترجم تھے اور آپ علیہ الرحمۃ کا تعلق یمن کے ایک علاقے سے تھا آپ ۶۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۲۵ء یا ۷۳۷ء کو بنابر اختلاف مؤرخین وفات پائے تھے۔ (مشاہیر علماء الأمصار، محمد بن حبان، الدارمی، تحقیق: مرزوق علی ابراہیم، دار الوفاء، المنصورة، ۱۹۹۱م، الطبعة الاولى، ۱/۱۹۸)

۵- تاریخ التراث العربی، (تاریخ علوم اسلامیہ)، محمد فواد سزگین، ترجمہ: شیخ نذیر حسین، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲

اس بابت قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے بھی تائید ملتی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اہل کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾^(۱)

آپ ﷺ کے سچے نبی ہونے کو یہ اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جتنی اچھی طرح اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔

انیسواں: علم ادب جاہلی

آپ ﷺ نے اپنا بچپن عربوں کے رواج کے مطابق دیہات (قبیلہ بنو سعد) میں گزارا تھا جہاں اصلی اور فصیح عربی بولنے کا رواج تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے کلام میں جو امثال استعارے محاورات استعمال فرمائے ہیں انہیں ادب جاہلی کے ذریعہ ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اصل عربی کو زندہ رکھنے کے لیے ادب جاہلی یعنی عہد جاہلیت کے اشعار وغیرہ سے استفادہ کرنے کا حکم دیا تھا۔^(۲) دوسرا یہ کہ اس ادب کے ذریعہ عہد نبوی ﷺ کا پس منظر، عہد نبوی ﷺ کی مشکلات، عربوں کے رسم و رواج کو سمجھ کر قرآن کریم اور سیرت طیبہ کو سمجھنے میں آسانی ہو سکتی ہے^(۳)

بیسواں: مخضرمی و اسلامی ادب

آپ ﷺ جس قوم میں پیدا ہوئے، وہ ادب، فصاحت و بلاغت میں بے نظیر تھی اور اشعار سے ان کی بے پناہ محبت تھی۔ جاہلیت کے ”المعلقات السبع“ جو اس دور میں بہت مشہور تھی لوگ عام طور پر اسے اپنے اشعارِ ہجو و فخر اور غزلوں میں استعمال کیا کرتے تھے۔ اس شہرتِ شاعری کی بنا پر لوگوں نے آپ ﷺ کو ابتدائے بعثت میں شاعر کے نام سے پکارنا شروع کیا جس کی تردید قرآن پاک نے کی۔ قرآن مجید نے ان کے قول کو نقل کیا ہے:

﴿أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ﴾^(۴)

کیا وہ کہتے ہیں یہ شاعر ہے، ہم منتظر ہیں اس پر گردشِ زمانہ کے۔

قرآن مجید نے ان کی ان باتوں کی تردید فرمائی بلکہ اس قسم کی شاعری کی مذمت بھی کی جو بے ہودہ اور لالیعنی ہو۔

﴿وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۚ أَلَمْ تَرَى أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ﴾^(۵)

اور شاعروں کی بات پر بے راہِ رَو لوگ چلتے ہیں۔ تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سرمارتے پھرتے ہیں۔

۳- سورة البقرہ: ۱۴۶/۲

۲- تاریخ الادب العربی، الدکتور، شوقی ضیف، دار المعارف، مصر، ۱۹۹۵م، الطبعة الأولى، ۱/۱۴۴

۳- اصح السیر، عبدالرؤف دانا پوری، ص ۳۱؛ مصادر السیرۃ النبویة و تقویہا، ڈاکٹر فاروق، حمادہ، دار الثقافتہ مغرب، ص ۹۳

۴- سورة الطور: ۵۲/۳۰

۵- سورة الشعراء: ۲۶/۲۲۳-۲۲۵

اور پھر یہ صاف تردید فرمادی کہ یہ کلام مجید شاعروں کا نہیں رب العالمین کا کلام ہے جو ایک امین فرشتہ جبرائیلؑ نے لایا ہے۔

﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ﴾^(۱)

اور یہ کہا ہوا شاعر کا کلام نہیں ہے۔

بلکہ یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ﴾^(۲)

ہم نے نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ شاعری نبی کے شایانِ شان ہے یہ قرآن کریم نصیحت ہے، عقلمندوں کے لیے۔

رسول اللہ ﷺ بھی اسی معاشرے کے ایک فرد تھے۔ اچھے کلام کو پسند کرتے تھے، خواہ وہ

شاعر ہوں۔ بلکہ آپ ﷺ کے کلام میں خود بڑا اثر تھا۔

محمد ابن سیرین کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے تین شاعر تھے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ^(۳) حضرت کعب بن مالکؓ^(۴) اور حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ، ان میں سے حضرت

۱- سورة الحاقة: ۶۹/۴۱

۲- سورة الیسین: ۳۶/۶۹

۳- حضرت حسان بن ثابتؓ (وفات: ۵۵ھ بمطابق ۶۷۷ء) ایک صحابی رسول تھے۔ نام حسان تھا جبکہ ابو الولید کنیت تھی۔ شاعر اور شاعر رسول اللہ القاب تھے۔ قبیلہ بنو خزرج میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اور آخر عمر میں اسلام لائے۔ ضعف قلب کے باعث کسی غزوہ میں شامل نہ ہوئے اور ہمیشہ جان کے بجائے زبان سے جہاد کیا۔ آپ قریش کے اسلام دشمن شعراء کی ہجو کا مسکت جواب دیتے تھے۔ رسول ﷺ کی وفات پر حضرت حسانؓ نے بڑے پُر درد مرثیے لکھے۔ شاعری کے لحاظ سے جاہلیت کے بہترین شاعر تھے۔ کفار کی ہجو اور مسلمانوں کی شان میں بے شمار اشعار کہے ہیں۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں وفات پائی۔ (الاعلام، خیر الدین بن محمود بن محمد بن علی بن فارس، الزرکلی، دار العلم للملایین، ۲۰۰۲ء، الطبعة الخامسة عشر، ۱۷۵/۲)

۴- حضرت کعب بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ آپؓ کی کنیت ابو بشر یا ابو عبد الرحمن تھا۔ آپؓ کا لقب شاعر اسلام تھا یہ اپنی اشعار کی وجہ سے کفار کو لڑائی سے ڈراتے تھے اور آپؓ شرکاء عقبہ میں سے تھے اور وہی آپؓ کے ہاتھ پر شرف بیعت حاصل کیا تھا۔ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے لیکن غزوہ احد اور اس کے بعد والے غزوات ماسوائے تبوک کے سب میں شریک ہو چکے تھے اور یہ ان تین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہے ہیں جو کہ سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک سے رہ چکے تھے جس کی پاداش میں تمام صحابہؓ نے ان کے ساتھ سوشل بائیکاٹ کیا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول فرمایا اور ان کی ایمان کی گواہی دی۔ (الاعلام، ۲۲۸/۵)

کعب دشمن کو لڑائی سے ڈراتے تھے، حضرت حسانؓ نسب پر تبصرہ کرتے اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ^(۱) دشمن کو کفر سے عار دلاتے تھے^(۲)۔ روایات میں منقول ہے کہ آپ ﷺ حضرت حسانؓ کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں منبر رکھوا دیتے اور وہ اس پر کھڑے ہو کر ان کفار کی ہجو کرتے، آپ ﷺ نے فرمایا جب تک حضرت حسانؓ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں، روح القدس یعنی (جبرائیلؑ) ان کے ساتھ ہیں^(۳)۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت حسانؓ کو مسجد نبوی ﷺ میں اشعار پڑھتے ہوئے سنا تو ان سے باز پرس کی۔ اس پر حضرت حسانؓ نے کہا "میں ان کی موجودگی میں بھی اشعار پڑھا کرتا تھا۔ جو آپؐ سے بہتر تھے"^(۴)۔

ایک سوال: علم لغت

سیرت نگار کو نبی کریم ﷺ کی مادری زبان عربی اور لغت فصحاء کا علم ہونا چاہیے، عہد نبوی ﷺ کے لسانی اختلافات اور مستعملہ الفاظ کا بھی علم ہونا چاہیے اور ان علوم سے سیرت نگاری میں مدد لینی چاہیے تاکہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے ہر جملے کا پس منظر کو صحیح طور سے سمجھ سکے۔ آپ ﷺ فصیح اللسان تھے اس فصاحت کو بغیر لغت و تحقیق کے سمجھنا مشکل ہے۔

۱- جنگ موتہ کے تیسرے قائد سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ انصار میں سے تھے۔ آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے متعدد مرتبہ اپنی عدم موجودگی میں آپ کو اہل مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ آپ دور جاہلیت میں اہل عرب کے چوٹی کے شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کی شاعری دین اسلام کے لیے وقف ہو گئی۔ حضور ﷺ کو آپ کے شعر بہت پسند تھے اور آپ کئی مرتبہ ان اشعار کو گنگنا کرتے تھے۔ (فوات الوفيات، محمد بن شاکر، الملقب بصلاح الدین، تحقیق: إحسان عباس، دار صادر، بیروت، ۱۹۷۳ء، الطبعة الأولى، ۱/۳۷۶)

۲- سيرة ابن هشام مع الروض الانف، محمد، ابن هشام، دار الفكر بیروت، ۱۴/۲

۳- ایضا: ۲/۲۳۳

۴- سيرة ابن هشام مع الروض الانف، محمد، ابن هشام، ۱۶۰/۲

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ عربی ادب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ ایک دفعہ خوارج کے سردار نافع بن الازرق^(۱) نے عبداللہ ابن عباسؓ سے تقریباً دو سو مشکل الفاظ کے معانی پوچھے آپؓ نے ان تمام الفاظ کی تشریح و تعبیر جاہلی شاعری کے شواہد کی بنیاد پر سامنے رکھی، لہذا علم لغت سیرت کے لیے ایک معاون اصول ہو سکتی ہے^(۲)۔

بائیسواں: علم قراءت و لہجات عرب

عرب کے مختلف قبائل جن کی مشترکہ زبان عربی تھی، لیکن وہ اپنے اپنے لہجے میں عربی بولتے تھے اور ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ استعمال کرتے تھے۔ ابتدائے اسلام میں انہیں اپنے اپنے لہجے میں قرآن کریم کی تلاوت کی اجازت تھی، کیونکہ لہجہ کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی تھی، لیکن بعد میں قرآن کریم لکھنے کے لیے معیار صرف و نحو و لہجہ لغت قریش مقرر کیا گیا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا تعلق اسی سے تھا اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر لہجوں میں بھی تلاوت کی اجازت دے دی گئی^(۳)۔

تیسواں: علم آثار قدیمہ

سیرت نگار کو آثار قدیمہ کا بھی علم ہونا چاہیے اس لیے کہ عہد حاضر میں قدیم کتبات، آبادیاں اور ان کے آثار، سکے، استعمال کی اشیاء وغیرہ تاریخ کی تدوین میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت کا وہ حصہ جس میں آپ ﷺ کی خیبر میں آمد، قلعوں کے فتح ہونے، ایک موقع پر دوران سفر آپ ﷺ کا ایک وادی سے تیزی سے گزرنا اور صحابہؓ کو یہ بتانا کہ یہاں وہ قوم تھی جس پر عذاب نازل ہوا

۱- نافع بن الازرق حنظلی تیمی رؤسائے خوارج میں سے ایک شیریں رئیس تھے۔ ابو راشد ان کی کنیت تھی۔ فرقہ ازارقہ کی نسبت آپ کی طرف کی جاتی ہے۔ اس فرقے کے لوگ اس وقت بھی بڑے کثرت سے تھے جس وقت دوسرے فرقہ خوارج نہ ہونے کے برابر تھے اور اس فرقے نے سب سے پہلے یزید کے دور حکومت کی آخری ایام میں حکومت کے خلاف علم بغاوت اٹھائی تھی۔ شروع شروع میں یہ عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھیوں میں سے تھے جو آپؓ کی طرف مسائل تفسیریہ میں رجوع کیا کرتے تھے لیکن بعد میں ان پر سرکشی غالب آگئی اور حضرت عباسؓ سے بھی دست باگربان ہو گئے اور انہوں نے تقریباً دو سو مسائل تفسیریہ جن کا تعلق کلام عرب سے تھا بطور امتحان ابن عباسؓ کے سامنے پیش کیا لیکن آپؓ نے ان کو ان کے تمام سوالات کے جوابات بڑے فصاحت سے دیئے اور ان کو شرمندگی کے ساتھ واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ (الاعلام، زرکلی، ۷/ ۳۵۱)

۲- تاریخ علوم اسلامیہ، محمد فواد سزگین، ۱/ ۴۱

۳- فن قرات کا ارتقاء، محمد سعود عالم، قاسمی، ماہنامہ الاشرف کراچی، فروری ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۴

تھا۔ آپ ﷺ نے تھوڑی دیر کے لیے بھی اس جگہ ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا، یہ جگہ کون سی تھی، یہاں کون سی قوموں کے آثار موجود تھے، یہ علم ہمیں علم آثار قدیمہ سے حاصل ہوتا ہے۔

قصص الانبیاء میں انبیاء کے نزول کا محل وقوع، آبادی، قدامت، بودوباش زیر بحث آتے ہیں۔ اس علم کی مدد سے نہایت اہم معلومات حاصل ہو سکتے ہیں، اور اس لحاظ سے یہ علم سیرت طیبہ کے سمجھنے میں معاون ہے^(۱)۔

چوبیسواں: اسلامی معلومات عامہ کا علم

سیرت نبوی ﷺ پر لکھنے والے کی معلومات عامہ بہتر ہونی چاہیے اور سیرت نبوی ﷺ کے مآخذ کے طور پر ایسے کتابوں سے استفادہ کرنا چاہیے جن میں عام اسلامی معلومات کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہو، یہ معلومات مختلف شکلوں میں ہمارے پاس موجود ہیں، جیسے ابن قتیبہؒ ۲۱۳ھ کی ”المعارف“ میں آدمؑ سے لے کر عہد نبوی ﷺ کے بعد تک کے اہم معلومات جزئیات کی شکل میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح المجرلابی جعفر محمد حبیب ابن امیہ الهاشمی البغدادی (۲۴۵ھ) کی ایک ضخیم کتاب ہے اور اس میں عہد نبوی ﷺ خلفاء راشدینؓ اور انکی اولادوں حتیٰ کہ اولادوں کی ماؤں تک کا نسب ہے، کہ کس کی ماں کو دقیلے سے تھی، کس کی ایرانی اور کس کی عربی تھی۔ مواخات کس کی کس کے ساتھ ہوئی، عرب کے موسم کیسے تھے کون کون مختون (ختنہ کے ساتھ) پیدا ہوا جیسی عجیب، وغریب جزئی معلومات جمع کر دی گئی ہیں، اسی طرح عبدالحی کتانی کی ”التراتب الاداریۃ“ دو جلدوں میں معلومات واستخراج مسائل کے حوالہ سے سیرت النبی ﷺ کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔

پچیسواں: علم التقویم والتوقیت

سیرت طیبہ ﷺ کے حوالہ سے ہمیں جن واقعات کا علم ہوتا ہے ان میں سے بیشتر واقعات کے وقوع پر متعدد واقعات ملتے ہیں، حتیٰ کہ آپ ﷺ کب پیدا ہوئے؟ اور کب وفات ہوئی؟ اسی پر دس سے زیادہ آراء ہیں۔

اسلام سے پہلے اہل مدینہ یہودی قبائل کی عبرانی تقویم (کلینڈر) کی طرز پر خالص قمری کے بجائے قمریہ شمسی تقویم (کلینڈر) استعمال کرتے تھے۔ جسے آپ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر ہمیشہ کے لیے منسوخ فرمایا اور قمری تقویم (کلینڈر) کو جاری رکھا، جس کا آغاز ہجرت نبوی ﷺ سے ہوتا ہے، یہی وجہ ہے اسے ہجری تقویم (کلینڈر) کہا جاتا ہے۔

سیرت نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم تقویم (کلینڈر) سے آگاہ ہو، عیسوی و ہجری تاریخوں میں مطابقت و تحويل کر سکے۔ مسلمانوں میں ہجری تقویم (کلینڈر) کی جگہ شمسی تقویم کا رواج ہے۔ حالانکہ ہجری تقویم (کلینڈر) اصل اور فطرت کے مطابق ہے، اس لیے کہ بقیہ تمام تقویمیں (کلینڈرز) ظن و تخمین کی بنیاد پر بنی ہوئی ہیں۔^(۱)

بحث کا تجزیہ

راقم الحروف نے اپنی اس بحث میں پچیس (۲۵) مآخذ ذکر کیے ہیں۔ کہیں تفصیل اور کہیں چیدہ چیدہ مثالوں سے سیرت کے ساتھ تعلق قائم کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ سیرت میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ اور اس میں سیرت کیسے بیان کی گئی ہے۔

اس بحث میں سیرت کے بنیادی مآخذ کو ذکر کیا گیا ہے۔ کہ رسول کریمؐ کی زندگی پر تحقیق کرنے والا آپؐ کی سیرت کو کیسے پڑھ سکتا ہے؟۔ بالفاظ دیگر سیرت نگاری یا سیرت نبویؐ سمجھنے کے لیے کن کن مآخذ کی انسان کو ضرورت پڑھ سکتی ہے؟۔

امید کی جاسکتی ہے کہ محقق اس بحث سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان مآخذ کی طرف مراجعت کرے گا۔

۱- مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: تقویم تاریخ، عبدالقدوس، ہاشمی، مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی، (سن)؛ جوہر تقویم،

ضیاء الدین، لاہوری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۴ء، پہلی اشاعت

مبحث دوم: تاریخ کے بنیادی مآخذ

اللہ تعالیٰ نے جب اس دنیا کی تخلیق فرمائی تو اس کے ہر ہر ذرے سے اپنی قدرت کے جلوے ظاہر فرمائے ہیں۔ ہزار ہا سال سے اپنے قدرت کے چھپے ہوئے خزانوں کو ظاہر کر رہا ہے۔ روئے زمین پر انواع و اقسام کے مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، جن میں انسان کو علم کی وجہ سے وہ فضیلت بخشی ہے، جس کی بنیاد پر وہ مسجود الملائکہ ٹھہرا ہوا ہے۔ علم ہی کا کمال ہے کہ انسان مدارج ترقی طے کر رہا ہے، اور اس کی بنیاد پر اقوام عالم میں عزت و عروج حاصل کر رہا ہے۔ من جملہ ان علوم میں سے تاریخ بھی ایک ایسا ذریعہ علم ہے کہ جن کے ذریعے سے ہم اہم سابقہ کی حالات پر نظر ڈال کر ان کے اچھے اور برے حالات جان کر استفادہ کر سکتے ہیں۔ لہذا یہ جاننے کے بعد ہم اپنی زندگی میں ان کی کامیابی کے راز اپنا کر اور ناکامیوں کے اسباب و علل جان کر ان سے بچ سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم اس عظیم علم کے بنیادی اصول و مبادی سطور ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس غرض سے تاریخ کے اصول کو عموماً تین بڑے اقسام میں بالاختصار بیان کیا جاسکتا ہے، جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ آثار مکتوبہ

آثار مکتوبہ سے مراد تمام مکتوبات ہیں۔ جیسا کہ کتب، ذاتی ڈائریاں، دفتری کاغذات، رسیدیں، قضایا، ڈاکو منٹس اور دوسرے آڈیو ویڈیو ریکارڈز وغیرہ مراد ہیں۔

۲۔ آثار مرویہ

آثار مرویہ سے مراد نسل در نسل زبانی روایت کردہ باتیں ہیں جن کو ہم حکایات، منظوم کلام، افسانے، ضرب الامثال وغیرہ سے موسوم کرتے ہیں۔

۳۔ آثار قدیمہ

آثار قدیمہ سے مراد پرانے زمانے کی نشانیاں ہیں جن کو ہم شہروں کے باقیات، قلعے، مکانات، عمارتوں کے کتبے، پتھروں کی تصویریں، پرانے زمانے کے کرنسی، اور برتن وغیرہ کی شکل میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ بہر حال ان تینوں طرح کے اصول سے فائدہ اٹھانا اور پھر ان کی بنیاد پر تاریخ مرتب کرنا کوئی آسان کام نہیں، البتہ اس علم کو اعلیٰ درجہ کی ذہانت، محنت، ہمت، شوق اور بصیرت درکار ہوتی ہے جن کے بغیر یہ سب کچھ کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی ان قوموں کے مخصوص تہواروں پر رسم و رواج مخصوص عادات و خصائل، مخصوص وضع قطع اور جغرافیائی حالات بھی بہت بڑا مواد مؤرخ کے لیے میسر کر دیتے ہیں۔^(۱)

بنیادی طور پر تاریخی معلومات کو اکٹھا کرنے کے بعد ان کی جانچ پڑتال کے لیے ایک مؤرخ کو چار بنیادی اعتبارات سے تحقیق کرنی چاہیے لہذا تفصیل کے لیے کسی بھی انسائیکلو پیڈیا کے مندرجات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں^(۱)۔

تاریخی تحقیق کے مراحل

تاریخی تحقیق کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، جس کے بعد اصل مقصد اور ہدف کا حصول ممکن ہوتا ہے، بنیادی طور پر اس فن کے ماہرین ان مراحل کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱. مآخذ کی تحقیق

۲. داخلی تحقیق

۳. خارجی تحقیق

۴. تاریخی وجوہات کا تجزیہ

ذیل میں ان مراحل کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔

۱۔ مآخذ کی تحقیق

اس تحقیق میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ تاریخی معلومات کا مآخذ کیا ہے اور وہ کس حد تک قابل اعتماد ہے؟ یہ معلومات محض سنی سنائی ہیں یا ان کے لیے ٹھوس ثبوت موجود ہیں؟ کیا ان معلومات کا مآخذ ایک ہی شخص ہے یا متعدد افراد ہیں؟ اگر متعدد ہیں تو ان کے درمیان کوئی باہمی تعلق تو نہیں؟ کیا معلومات کے یہ مآخذ تعصب پر تو نہیں۔^(۲) اگر بہت سے مآخذ سے متفقہ طور پر ایک ہی بات سامنے آرہی ہو، تو یہ مان لیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ علم حدیث کی اصطلاح میں اسے ”تواتر“ کہا جاتا ہے۔ جیسے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ یا سانحہ کربلا کا وقوع پذیر ہونا بے شمار مآخذ سے ثابت ہے۔ اگر مختلف افراد اس واقعے کے بارے میں متضاد باتیں پیش کر رہے ہوں تو تاریخی تحقیق کے ماہر کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ کس شخص کی بات درست ہے؟ ان مختلف روایات میں کسی روایت کو ترجیح دینے کے اصول درج ذیل ہیں:

➤ اگر ایک شخص واقعہ کا عینی شاہد ہے اور دوسرے نے کسی اور سے سن کر بات بیان کی ہے، تو عینی شاہد کی بات کو ترجیح دی جائے گی۔ مثلاً ایک شخص جنگ جمل میں شریک تھا، اس کا بیان اس شخص کی نسبت کہیں زیادہ اہمیت رکھے گا جو سو سال بعد پیدا ہوا۔

۱۔ Wikipedia.Article:Historical Method en.wikipedia.org/wiki/Historical

. method.ac.02June 2020

۲۔ اصول تحقیق، عبد الحمید عباسی، ڈاکٹر، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، دوسری اشاعت، ص ۱۳۳-۱۳۶

◀ اگر ایک شخص واقعے سے متعلق کسی قسم کا تعصب رکھتا ہے اور دوسرا تعصب نہیں رکھتا، تو ترجیح غیر متعصب کے قول کو حاصل ہوگی۔ جیسے کسی جنگ میں فریقین کے فوجیوں کی نسبت آزاد مبصرین اور صحافیوں کی بات کو ترجیح دی جاتی ہے۔

◀ اگر ایک شخص کی بات کی تصدیق دوسرے آزاد ذرائع سے بھی ہو سکتی ہے یا ہو جاتی ہے، تو اس کی بات کو زیادہ اہمیت حاصل ہوگی۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص اپنے بیان میں محض منفرد ہے اور اس کے بیان کی تصدیق دوسرے آزاد ذرائع سے نہیں ہوتی، تو اس کی بات کی اہمیت کم ہوگی۔ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ تصدیق کرنے والے ذرائع کا آزاد ہونا ضروری ہے۔ مثلاً اگر ایک واقعے کو پانچ افراد (ا، ب، ج، د، ہ) بیان کرتے ہیں۔ ان میں تین افراد (ا، ب، ج) کا بیان ملتا جلتا ہے جبکہ دو افراد (د، ہ) کا بیان ان سے مختلف ہے مگر وہ آپس میں متفق ہیں۔ اب محض اس وجہ سے پہلے تین افراد کے بیان کو ترجیح حاصل نہ ہوگی کہ وہ اکثریت میں ہیں۔ یہ دیکھا جائے گا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کوئی تعلق تو نہیں رکھتے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ تینوں ایک ہی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں؟ یا ب، ج دونوں کہیں الف کے شاگرد تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر ان کی گواہی کو تین نہیں بلکہ ایک فرد کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔^(۱)

◀ اگر ایک فریق کی بات کی تصدیق دیگر ثبوتوں جیسے (ٹنگر پرنٹس، ڈی این اے) یا اسی نوعیت کی کسی اور چیز سے ہوتی ہے، تو اس کی بات قابل ترجیح ہوگی۔

◀ اگر کسی ایک فریق کی بات کو ترجیح دینا ممکن نہ ہو، تو پھر مورخ اپنی عقل استعمال کرتے ہوئے تحقیق کے دیگر طریقے اختیار کرے گا جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔^(۲)

داخلی تحقیق

جو تاریخی روایت مل رہی ہے، اس کے متن کا تجزیہ کر کے دیکھا جاتا ہے کہ وہ کس حد تک قابل اعتماد ہے۔ چونکہ یہ تحقیق متن کے اندرونی تجزیے سے متعلق ہوتی ہے، اس وجہ سے اسے داخلی تحقیق کہا جاتا ہے۔ اس میں درج ذیل ٹیسٹ کیے جاتے ہیں:

◀ معلومات پر مبنی جو رپورٹ ہے، کیا اس کے اندر کوئی اندرونی تضاد موجود ہے؟

۱ - Bernheim(1889) and Langlois & Seignobos(1898).Wikipedia.Article:Historical

:Method.http://en.wikipedia.org/wiki/Historical_method.ac.02June 2020

تحقیق کا فن، ڈاکٹر گیان چند، ایس ٹی پرنٹرز، گوالمنڈی، راولپنڈی، ص ۱۲-۱۹

۲ - اسلامی اصول تحقیق، محمد باقر خان، ص ۱۳-۱۳۸

- ◀ جو شخص رپورٹ دے رہا ہے، کیا وہ عینی شاہد ہے یا اس نے کسی اور سے سن کر یہ معلومات لکھی ہیں؟ اگر یہ زبانی روایت ہے تو پھر کیا اس کی سند مکمل ہے یا نامکمل؟ کیا یہ تمام کے تمام راوی قابل اعتماد ہیں یا نہیں؟
- ◀ اس شخص نے واقعے کی رپورٹ کب اور کہاں بیان کی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ واقعے کی رپورٹ پچاس سال بعد بیان کر رہا ہے جب اس کے دیگر عینی شاہدین دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں؟
- ◀ اس شخص نے وہ رپورٹ کن اشخاص کے سامنے بیان کی ہے؟ کیا وہ ان پر اثر انداز ہونا چاہتا تھا یا پھر محض معلومات کی منتقلی ہی اس کا مقصد تھا؟
- ◀ جو بیان وہ دے رہا ہے، کیا وہ عقلاً ممکن ہے؟ جیسے آج کل کا کوئی شخص اگر یہ دعویٰ کرے کہ اس کے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے اور کوئی حدیث بیان کرے تو یہ عقلاً محال ہے۔
- ◀ جس واقعے کے بارے میں وہ شخص بیان دے رہا ہے، کیا اسے سمجھنے کے لیے کسی خصوصی مہارت کی ضرورت ہے؟ جیسے کسی تاریخی شخصیت کی بیماری کو کوئی طبیب ہی صحیح طور پر بیان کر سکتا ہے۔^(۱)

خارجی تحقیق

- اس قسم کی تحقیق میں تاریخی معلومات کے متن سے ہٹ کر دیگر بیرونی ذرائع سے ان معلومات کی تحقیق کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے خارجی تحقیق کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ تصدیق شامل ہوتا ہے:
- ◀ معلومات کو کب بیان کیا گیا؟ کیا انہیں اصل واقعے کے فوراً بعد بیان کیا گیا یا کافی عرصہ بعد؟
- ◀ معلومات کہاں مرتب کی گئیں؟ کہیں معلومات کسی ایسے علاقے میں مرتب تو نہیں کی گئیں جو اس واقعے سے متعلق کسی متعصب فریق کا گڑھ تھا؟
- ◀ معلومات کس شخص نے مرتب کیں؟ کہیں وہ کسی متعصب گروہ سے تعلق تو نہیں رکھتا تھا؟
- ◀ معلومات کیا براہ راست ماخذ سے حاصل کی گئی ہیں یا پھر کسی ثانوی ماخذ سے؟ اگر یہ ثانوی ماخذ سے حاصل کی گئی ہیں تو اس کا درجہ کیا ہے؟
- ◀ کیا معلومات اپنی اصل حالت میں ہیں یا اس میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟
- ◀ کیا لوگ طویل عرصے تک ان معلومات کو اسی طرح سے مانتے آئے ہیں یا کسی دور میں ان کا انکار بھی کیا گیا ہے؟

۱۔ A GUIDE TO HISTORICAL METHOD BY R.J SHAFER (WWW AbeBooks.co.uk)؛ اسلامی اصول تحقیق، محمد باقر خان، ص ۱۳۷-۱۳۸

﴿ کیا ان معلومات کا تاریخی تجزیہ کرنے کی پہلے بھی کوشش کی گئی ہے یا انہیں بغیر تحقیق کے محض عقیدت مندی یا تعصب میں بس مان لینے کا رجحان رہا ہے؟

﴿ دیگر قرائن و آثار سے ان معلومات کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں؟^(۱)

ان میں سے پہلے چار اصولوں کو بالائی تحقیق اور بقیہ دو کو زیریں تحقیق کا نام دیا جاتا ہے۔

تاریخی اسباب و علل کی تحقیق

اس طریقہ کار میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ زیر تحقیق تاریخی معلومات دیگر تاریخی معلومات اور حالات سے مطابقت رکھتی ہیں یا نہیں۔ تاریخ میں واقعات کا ایک تسلسل ہوتا ہے جس میں اسباب اور علل کی ایک زنجیر رونما ہو رہی ہوتی ہے۔ اگر ایک واقعہ اس زنجیر میں سرے سے فٹ ہی نہ بیٹھتا ہو تو اس کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ زیر تحقیق واقعے کے اسباب اور وجوہات تلاش کی جاتی ہیں، پھر ان کے نتائج پر غور کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی واقعہ غیر متوقع ہو، تو اس سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کی جاتی ہیں تاکہ کسی نتیجے پر پہنچا جاسکے۔ ابن خلدون چونکہ علم التاریخ کے بانی ہیں، اس وجہ سے انہوں نے بھی اس معیار کو بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:

خبروں کی تحقیق معاشرے کی طبیعت کو سمجھنے پر موقوف ہے اور تحقیق کا یہ طریقہ انتہائی قابل اعتماد اور اچھا ہے۔ اس سے سچی اور جھوٹی خبروں میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ اگرچہ خبروں کی سچائی، راویوں کی دیانت داری سے بھی معلوم ہو جاتی ہے لیکن اس دیانت داری کی حیثیت ثانوی ہے جبکہ معاشرے کے طبعی حالات سے تحقیق کا درجہ مقدم ہے۔ راویوں کی دیانت داری کی تحقیق تو تب کی جائے گی جب خبر میں سچائی کا امکان ہو۔ جب خبر ہی ناممکن اور بعید از عقل ہو تو پھر جرح و تعدیل کا کیا فائدہ ہے۔ بعض عقل مند لوگوں نے خبر کے سلسلے میں ایک طریقہ یہ نکالا ہے کہ الفاظ سے ناممکن معانی لے لیے جائیں، یا پھر عقل سے خارج ہو کر اس واقعے کی کوئی تاویل کی جائے۔ شرعی اخبار و آثار میں راویوں کی جانچ پڑتال ضروری ہے تاکہ کم از کم ان کی سچائی کا غالب گمان تو ہو۔^(۲)

کیا یہ تحقیق ہر تاریخی واقعہ سے متعلق کی جاتی ہے؟

اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر تاریخی واقعے سے متعلق اتنی معلومات دستیاب نہیں ہوتی کہ جس پر اوپر بیان کردہ مکمل طریقہ کار کا اطلاق کیا جاسکے۔ عام تاریخی واقعات کے بارے میں اگر کوئی اختلاف

۱ - اسلامی اصول تحقیق، محمد باقر خان، ص ۱۳۸-۱۴۱

۲ - مقدمۃ ابن خلدون، عبد الرحمن، ابن خلدون، تحقیق: خلیل شحادة، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۸م، الطبعة الثانية، ۱/۴۶-۴۷

سامنے نہ آئے تو انہیں زیادہ تحقیق کے بغیر قبول کر لیا جاتا ہے۔ تفصیلی تحقیق عام طور پر ان واقعات کی ہوتی ہے جن سے کوئی بڑا علمی، سیاسی یا مذہبی اختلاف پیدا ہو رہا ہو۔ چھوٹے موٹے واقعات کی صورت میں ایسا نہیں ہوتا۔ جیسے کسی سفر کے دوران کسی بادشاہ نے کہاں پڑاؤ ڈالا؟ اس نے کسی شخص کو کیا انعام دیا؟ بادشاہ کی شادی کس خاتون سے ہوئی؟ اس قسم کے عام معاملات میں زیادہ تحقیق نہیں کی جاتی ہے لیکن اہم تاریخی واقعات، جن کے بارے میں کوئی بڑا اختلاف موجود ہو، اس کے بارے میں یہ تحقیقات کی جاتی ہیں۔ جیسے کوئی بڑی جنگ کیوں ہوئی؟ اس کے اسباب کیا تھے؟ اس کے نتائج کیا نکلے؟ وغیرہ وغیرہ۔^(۱)

لہذا تاریخی معلومات کو مرتب کرنے کے لیے عموماً ایک مؤرخ کو تقریباً چار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے:

(۱) واقعہ کا رونما ہونا اور عینی شہادتیں۔ (۲) واقعہ کی تفصیلات کو نوٹ کرنا۔ (۳) اس کا تجزیہ کر کے اس کی ایک مکمل تصویر بنانا۔ (۴) مختلف واقعات کی تصاویر کو ملے کر تاریخ مرتب کرنا۔^(۲)

بحث کا تجزیہ

اس بحث میں تاریخ کے بنیادی اصول، مآخذ ان کے اقسام اور انہیں جانچنے کا طریقہ کار بیان کیا ہے۔ اور بتایا کہ تاریخ کے تین بڑے اصول آثار مکتوبہ، آثار مرویہ اور آثار قدیمہ ہیں، اب ان کی تحقیق کی ضرورت پڑے گی تو ان کی تحقیق چار اعتبارات سے کرنا ہوگی۔ مآخذ کی تحقیق، داخلی تحقیق، خارجی تحقیق اور تاریخی وجوہات کا تجزیہ۔

اس سے پتہ چلے گا کہ کس طرح تاریخی واقعہ کو جانچا جائے، اور کن اصولوں کی بنیاد پر قبول یا رد کیا جائے۔ اور یہ اصول کہاں کہاں اپنائے جائیں، اور کن واقعات میں اصولوں سے صرف نظر کیا جائے۔ اور مثالوں سے تاریخ کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ اسے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد ہی تاریخی واقعات پر بات کرنے اور بحث کرنے کا قابل ہوا جاسکتا ہے۔ اور اس بات کو واضح کیا کہ، اصول و ضوابط جاننے بغیر تاریخ پر گفتگو کرنا زیادہ مفید نہیں ہے۔

۱- تفصیل کے لیے دیکھئے: کتابۃ التاریخ الاسلامی، ڈاکٹر محمد بن صالح سلی، دار ابن جوزی، سعودی عربیہ، ۱۴۲۹ھ،

پہلی اشاعت، ص ۸۹-۹۷

۲- اردو میں اصول تحقیق، سلطانی بخش، ڈاکٹر، اردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۲ء، دوسری اشاعت، ص ۲۴

مبحث سوم: روایت کے اصول و ضوابط

روایت کا لغوی معنی

لفظ روایت روی یروی سے مصدر ہے جس کا معنی سیراب کرنا^(۱)۔

روی یروی بروزن رضی رضی کا معنی ہے سیراب ہونا۔ تروی (بروزن تفعیل) اور ارتوی (بروزن افتعال) کا بھی

یہی معنی ہے۔ روی (بروزن تفعیل) اور اروی (بروزن افعال) کا معنی ہے سیراب کرنا^(۲)۔

ریان بھی اسی سے ہے اس کا معنی ہے سیراب اور یہ عطشان (پیا سا) کی ضد ہے^(۳)۔

سعدی ابو حنیبل نے روایت کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"رواية الشعر ونحوه: حمله ونقله"^(۴)۔

محمد قلعجی نے روایت کا یہ معنی بیان کیا ہے:

"الرواية: بكسر الراء مص روی الحديث: نقله"^(۵)۔

لفظ روایت دوسرے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسا کہ: خبر، کہانی، افواہ، بیان، کلام منقول، حدیث، لمبی کہانی،

ناول وغیرہ^(۶)۔

محمد ابن منظور (۷۱۱ھ)، لسان العرب، میں بیان کرتے ہیں:

روی (بروزن تفعیل) اور اروی (بروزن افعال) کا معنی ہے سیراب کرنا^(۷)۔

-
- ۱- المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، حسن بن محمد، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، ۱/۲۷۶
 - ۲- القاموس المحیط، محمد بن یعقوب، فیروز آبادی تحقیق: محمد نعیم العرقسوسی، مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة الثامنة، ۲۰۰۵م، ۱/۱۹۰-۱۹۱
 - ۳- مختار الصحاح، زین الدین الرازی، زین الدین، محمد بن ابی بکر، الرازی، تحقیق: یوسف الشیخ محمد، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۹۹۹م، الطبعة الخامسة، ص ۱۳۲
 - ۴- القاموس الفقهی، سعدی ابوجیب، دار الفکر، دمشق، ۱۹۸۸ء، دوسری اشاعت، ص ۱۵۶
 - ۵- معجم لفظ الفقہاء، محمد رواں قلعجی و دیگر، دار النفائس، بیروت، ۱۹۸۸ء، دوسری اشاعت، ص ۲۲
 - ۶- القاموس الوحید، وحید الزمان قاسمی، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۶۸۹
 - ۷- لسان العرب، محمد بن منظور افریقی، دار صادر، بیروت، (سن) پہلی اشاعت، ۱/۹۰

مذکورہ بالا تمام معنی میں اگر غور کیا جائے تو ایک معنی مشترک نظر آتا ہے اور وہ ہے۔ "انتقال الشيء" یعنی کسی بھی چیز کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ اسی لیے یہ لفظ روایت حدیث کے لیے استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کے ذریعے ایک شخص علم و ہدایت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا ہے۔

اصطلاحی معنی

عبد اللہ بن یوسف الجریج علم روایت کی تعریف کرتے ہیں:

"ما اضيف الى النبي ﷺ او من دونه من صحابي او تابعي من جهة العناية بنقل ذلك وضبطه وتحريه الفاظه" (۱)

روایت کا مطلب یہ ہے کہ جو بات یا تو نبی پاک ﷺ کی طرف منسوب ہو اور یا اس کے علاوہ کسی صحابی یا تابعی کی طرف کہ اس نے اس بات کو یا تو نقل کیا ہو اور یا اس کو یاد یا تحریر کیا ہو۔

حمزہ عبد اللہ الملباری کے مطابق درج ذیل علوم پر مشتمل علم، علم الروایۃ کہلاتا ہے۔

"طريق تحمل الحديث وكتابة الحديث وضبط الكتاب ورواية الحديث وشروطها ومعرفة آداب المحدث ومعرفة آداب طالب الحديث ومعرفة علو الاسناد ونزوله." (۲)

یعنی اس سے مراد وہ طریق ہے جو تحمل حدیث، کتابت حدیث، کتابت کی صورت میں ضبط، روایت حدیث اور اس کی شرائط حدیث اور طالب الحدیث کے آداب کی معرفت اور اسناد کے علوم پر قائم ہے۔

امام سیوطی ابن الاکفانی (۷۴۹ھ) سے نقل کرتے ہیں:

"علم الحديث الخاص بالرواية علم يشتمل على اقوال النبي ﷺ وافعاله وروايتها وضبطها وتحريه الفاظها" (۳)

روایت کے ساتھ خاص علم، علم حدیث سے مراد وہ علم ہے جو نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال اور ان کی روایت اور ان کے ضبط و کتابت پر مشتمل ہو۔

ڈاکٹر نور الدین عتر لکھتے ہیں:

۱- تحریر علوم الحدیث، عبد اللہ بن یوسف، الجریج، مؤسسة الريان، بیروت، ۲۰۰۳ء، پہلی اشاعت، ۲۳/۱

۲- علوم الحدیث فی ضوء تطبيقات المحدثین النقاد، حمزہ عبد اللہ الملباری، ص ۱۱

۳- تدرب الراوی، جلال الدین، السیوطی، تحقیق: أبو قتیبة، نظر محمد الفاریابی، دار طبعة، الرياض، ۲۵-۲۶

"فالمختار ان نقول في تعريف علم الحديث رواية: هو علم يشتمل على اقوال

النبي ﷺ وافعاله وتقريراته وصفاته وروايتها وضبطها وتحرير الفاظها"^(۱)

علم روایت حدیث کی پسندیدہ تعریف ہم ان الفاظ میں کر سکتے ہیں کہ "یہ ایسا علم ہے جو نبی کریم ﷺ کے اقوال، وافعال، تقریرات، صفات اور اس کی روایت اور اس کے ضبط و کتابت الفاظ پر مشتمل ہے۔"

علم روایت حدیث میں نبی کریم ﷺ کے منقول اقوال، افعال اور احوال کے بارے میں بحث کی جاتی ہے بالفاظ دیگر یہ علم منقولات کے بارے میں ہے نقل کے بارے میں نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب ہمارے پاس کوئی حدیث نبوی ﷺ آتی ہیں تو یقیناً ہم اس کے بارے میں یہ بحث کرتے ہیں کہ آیا یہ قول ہے، فعل ہے یا حال ہے؟ اور آیا یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے یا نہیں؟ یہی علم روایت حدیث ہے۔

اس علم کا موضوع ذات نبوی ﷺ اور اس ذات سے صادر ہونے والے اقوال، افعال اور احوال کے بارے میں بحث کرنا ہے۔

آپ ﷺ کے افعال میں اقرار بھی شامل ہے اسے بھی فعل ہی شمار کیا جاتا ہے اور رہی بات احوال کی تو اس سے مراد آپ ﷺ کی صفات ہیں جیسے قد، رنگ، غصہ، خوشی اور اس جیسے دیگر اشیاء وغیرہ۔

روایت کی جامع تعریف

روایت کی جامع تعریف بظاہر یہ محسوس ہوتی ہے:

"رسول اللہ ﷺ کے تمام افعال، اقوال اور تقریرات کو ضبط صدر و کتابت میں لانے کے بعد، صحابہؓ کی وہ روایت جس میں ہر پہلے والا شخص ہر بعد میں آنے والے شخص کو علوم و اسرار نبوت سے فیض یاب کرتا ہے، اسے (روایت) کہتے ہیں۔"

خلاصہ کلام

مذکورہ بالا تمام تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ لغوی اعتبار سے روایت نقل و انتقال کا نام ہے جب کہ اصطلاحی طور پر روایت سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال، احوال اور تقریرات وغیرہ کو بذریعہ صدر اور بذریعہ کتابت آگے منتقل کرنا۔

قرآن مجید نے روایت کی تحقیق کا اصول خود بیان کیا ہے۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۶ میں صاف حکم دیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾^(۱)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو دانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

روایت کے چند اہم اصول و ضوابط

علمائے جرح و حدیث نے روایت کو پرکھنے کے لیے اصول وضع کیے ہیں جو ذیل میں موضوع کے مناسبت سے چند ایک اہم اصول اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں:

روایت کا پہلا اصول: عدالتِ راوی

اصطلاحِ محدثین میں عدالت کا مفہوم یہ ہے کہ راوی مسلمان، بالغ اور عاقل ہو، اسبابِ فسق سے محفوظ، اسلامی آداب و اخلاق کا پابند اور ان کے برخلاف امور سے اجتناب کرنے والا ہو^(۲)۔

دوسرا اصول: ضبطِ راوی

محدثین کرام کی اصطلاح میں ضبط یہ ہے کہ راوی حدیث کو سننے، اس کے معانی خوب سمجھے اور اسے اس طرح حفظ کر لے کہ اسے کسی قسم کا کوئی شک باقی نہ رہے اور حدیث سننے سے آگے بیان کرنے تک اس کی یہی کیفیت رہے^(۳)۔

تیسرا اصول: اتصالِ سند

وہ سلسلہ رواۃ، جس میں کوئی راوی ساقط نہ ہو اور ہر راوی نے اپنے شیخ سے سماع کیا ہو، تو ایسی سند کو متصل^(۴) کہتے ہیں^(۵)۔

۱- سورة الحجرات: ۶/۴۹

۲- تیسرے مصطلح الحدیث، الدكتور محمود الطحان، مکتبۃ المعارف، الریاض، (س ن)، ص ۱۳۲

۳- علوم الحدیث و مصطلحہ، صبحی صالح، دار العلم، بیروت، ۱۹۸۴ء، ص ۱۶۵

۴- متصل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں پورے راوی مذکور ہوں۔ (خیر الاصول، خیر محمد جالندھری، مولانا، اصح المطابع

کراچی، (س ن)، ص ۶)

۵- نزہۃ النظر، أحمد بن علی بن حجر، العسقلانی، تحقیق: عبد اللہ بن ضیف اللہ، الرحلی، مطبعة سفیر، الریاض، الطبعة الأولى، ص ۱۹۶

چوتھا اصول: سند میں شذوذ کا نہ ہونا

اصطلاح محدثین میں شذوذ یہ ہے کہ ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے^(۱)۔

پانچواں اصول: سند میں علت کا نہ ہونا

اصطلاح محدثین میں اس سے مراد وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایسا مخفی سبب ہو جو اس کی صحت پر اثر انداز ہو سکتا ہو، حالانکہ بظاہر وہ صحیح و سالم نظر آتی ہو، ایسی روایت کو معلول کہا جاتا ہے۔^(۲)

تاریخ روایت

اسلام وہ دین ہے، جس نے اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر معاملے میں یقینی حد تک تحقیق و تدقیق سے کام لینے کا پابند بنایا ہے۔ خاص کر جس بات کا تعلق دینی معاملات سے ہوں ان کا بطور خصوصی تحقیق و تثبت کا حکم دیا ہے۔ پھر اس بنیاد پر علم روایت اور نقل حدیث کے معاملے میں ہمارا دین مزید حساسیت کا متقاضی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہمارے دین کی دو اہم بنیادیں قرآن و سنت اور سیرت نبوی ہے۔ اس لحاظ سے ان اساسی ارکان کلام اللہ اور سنت نبوی میں اس کے بنیادیں موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾^(۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ شارع اور مطاع ہے ان کی ہر بات دین اسلام میں سند کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے آپ ﷺ نے اپنے ارشادات کو دوسروں تک منتقل ہونے کے لیے حساس بنا دیا ہے، تاکہ دوسروں تک یہ ارشادات مکمل دیانتداری سے منتقل ہو سکیں۔ اور ایسے فرد کے لیے بڑی خوش خبری سنائی ہے جو آپ ﷺ کے تعلیمات کو ایمانداری کے ساتھ دوسروں تک پہنچاتا ہے:

۱- نزہۃ النظر، أحمد بن علی بن حجر، العسقلانی، تحقیق: عبد اللہ بن ضیف اللہ، الرحلی، مطبعة سفیر، الرياض، الطبعة الأولى، ص ۵۶

۲- ایضاً: ص ۸۵

۳- سورة الحجرات: ۴۹ / ۶

﴿نُصِّرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَ، قَرَّبَ مُبَلِّغٍ أَوْحَىٰ مِنْ سَامِعٍ﴾^(۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور وہ جوں کی توں دوسروں تک پہنچا دی، بسا اوقات جسے بات پہنچائی جاتی ہے وہ پہنچانے والے سے بڑھ کر محفوظ کر لیتا ہے۔

اس سلسلے میں ہر قسم کی سستی اور تساہل کو ناقابل برداشت قرار دیا ہے، بلکہ ہر اس شخص کے لیے سخت وعید سنائی ہے جو غیر ذمہ داری کا ثبوت دے کر آپ ﷺ کے ارشادات کو غلط روایت کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ﴿۲﴾

صحابہ کرام اللہ اور رسول ﷺ کا فرمان بجالاتے ہوئے، احادیث اور احکام شرعیہ کو قبول کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے۔ خصوصاً جب حدیث پہنچانے والے کے بارے میں شبہ ہوتا تھا۔ اس بنیاد پر احادیث قبول کر لینے یا مسترد کر دینے کے لیے ایک نئے موضوع کی بنیاد پڑی جسے اسناد کہا جاتا ہے۔ اس کی اسلام میں کس قدر اہمیت ہے، تابعی ابن سیرین کا قول اس بارے میں اہمیت کا حامل ہے:

”إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ“^(۳)

بلاشبہ یہ علم دین ہے تو تم لوگوں کو دیکھنا چاہئے کہ تم اپنے دین کو کس سے لے رہے ہو۔

شروع میں لوگ اسناد کے متعلق نہیں پوچھا کرتے تھے لیکن جب فتنوں کا دور آیا تو لوگ حدیث کی روایت کرنے والے سے کہتے کہ جن واسطوں سے تم یہ حدیث بیان کر رہے ہو پہلے ان کا نام بتاؤ۔ پھر یہ دیکھا جاتا کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والے راسخ العقیدہ ہیں، تو ان کی روایت کو قبول کر لی جاتی، اگر واسطوں کا تعلق غیر معتبر شخص یا باطل فرقوں سے ہو تا تو ان کی روایت رد کی جاتی۔^(۴)

علمائے اس دائرے کو زیادہ وسیع کر دیا جس کے نتیجے میں حدیث کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھنے والے علوم پر بحث کا آغاز ہو چکا۔ علم حدیث ایک علم کا نام نہیں رہا بلکہ متعدد علوم کا نام بن گیا۔ ان علوم کی ضرورت اس لیے پیدا ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت خواہ وہ قولی حدیث ہو یا عملی نمونہ یا تقریر و توثیق کے قبیل سے، اپنی اصل صحت کے لحاظ سے منظر عام پر آجائے اور اس میں ہر ممکن طریقے سے خطا و ضعف کا احتمال نہ رہنے دیا جائے۔ حفاظت حدیث کا یہ فریضہ (بشمول کتابت حدیث کے) ابتدائی چاروں صدیوں میں متواتر اور پوری تندہی کے ساتھ ادا کیا جاتا رہا ہے لیکن پھر بھی

۱- سنن الترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ الترمذی، ۵/۳۴

۲- صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب العلم، باب اِثْمُ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر، دار

طوق النجاة، طبع اول، ۱۴۲۲ھ، حدیث نمبر: ۱۰۷/۳۳

۳- صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص ۱۴

۴- الوسیط فی علوم و مصطلح الحدیث، محمد بن محمد، أبو شہبہ، دار الفکر العربی، مصر، (س ن)، ۱/۴۷

اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ اس عرصے میں روایت کردہ یا تدوین شدہ تمام احادیث کو معتبر اور قابل اعتماد تسلیم کر لیا گیا تھا۔^(۱)

حفاظتِ حدیث کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اسے ہر قسم و اشتباہ سے پاک کر دیا جائے۔ لہذا اس تناظر میں جب تدوین حدیث کا کام انجام پارہا تھا، محدثین ایک منظم فن اور قابل اعتماد علم کو بھی فروغ دے رہے تھے۔ جس میں کسی روایت کی جانچ پڑتال، چھان پھٹک کی جاتی تھی۔ اس تناظر میں صحیح و غلط کی تصدیق کے لیے علم الجرح والتعدیل، معرفۃ الصحابہ، علم تاریخ الرواۃ، معرفۃ الاسماء والالقب، علم تاویل مشکل الحدیث، معرفۃ النسخ والمسنوخ، معرفۃ غریب الحدیث، معرفۃ الموضوعات، علم مصطلح الحدیث اور معرفۃ علل الحدیث جیسے اہم اور ضروری علوم کی بنیاد پڑ گئی۔^(۲)

کسی روایت اور حدیث کو قابل اعتماد ٹھہرانے سے قبل محدثین مذکورہ علوم کو مد نظر رکھ کر ہر طرح سے روایت کو پرکھ لیتے تھے، جس نے آنے والے تمام اہل علم کے لیے آسانی پیدا کر دی ہے۔

دنیا بھر کی تاریخ اور تاریخی تنقید محدثین کرام کے اس بے شمار انواع پر مشتمل وضع کردہ منفرد نظام کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس نظام کی مختلف شاخوں کا تعارف اور ان پر لکھی گئی کتب کا محض ایک خلاصہ پیش کرنا بھی یہاں ہمارے لیے پوری طرح ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ بات بلا خوف و تردید کی جاسکتی ہے کہ علم حدیث سے متعلقہ ان شاخوں اور انواع پر سینکڑوں کتب تحریر کی جا چکی ہیں۔

اپنی بات کی صداقت کے لیے دورِ نبوی ﷺ، دورِ خلفاء راشدینؓ، دیگر صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل کے ادوار سے روایتی تحقیق و تمحیص کے چند مثالوں کے ساتھ ذیل میں مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔^(۳)

روایت سیرت کا ارتقا

پڑھ لکھے صحابہ کرامؓ آیاتِ قرآنیہ کی طرح آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر حدیث مبارک کو یاد رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کو قلم بند کرنے کا خوب اہتمام کیا کرتے تھے جبکہ کتابت میں مہارت نہ رکھنے والے صحابہ کرامؓ صرف آپ ﷺ کے بابرکت الفاظ کی روایت کیا کرتے تھے۔

-
- ۱ - تاریخ تحفظ سنت اور خدمات محدثین، ڈاکٹر اقبال بسکوی، مکتبۃ اشاعت السنۃ، یوپی، انڈیا، ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۷-۱۲۹
 - ۲ - تاریخ حدیث و محدثین، محمد ابو زہرہ، ترجمہ: غلام احمد حریری، مکتبۃ رحمانیہ، لاہور، (س ن)، ص ۵۹۲-۶۰۴
 - ۳ - تدوین قرآن حدیث اور تاریخ، سید اطہر بن جعفر، کاظمی، زاویہ تحقیق و تنقیہ علمی ٹرسٹ، کراچی، ۲۰۰۸ء، ص ۳۴-۳۸

اس لیے زبانی روایت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے مجموعہ ہائے احادیث بھی لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔ ان نسخہ جات میں سے ایک مشہور نسخہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی ”صحیفہ صادقہ“^(۱) ہے، جو عصر حاضر کے منکرین حدیث پر کاری ضرب اور امت مسلمہ کی تائید کے لیے ایک مستند دلیل ہے۔ اور ایسا ہی کتب حدیث میں حضرت انسؓ کا مجموعہ حدیث بھی قابل ذکر ہے، جس کے متعلق وہ خود فرماتے ہیں کہ یہ کتاب انہوں نے تصحیح کے لیے آپ ﷺ پر بھی پیش کی تھی۔^(۲) اس کے علاوہ ایک اور صحیفہ حدیث جو ہمام بن منبہ نے اپنے استاذ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، برلن کی لائبریری سے ڈاکٹر حمید اللہ نے دریافت کر کے ایڈٹ کیا ہے۔^(۳) جس پر ایک خوبصورت مقدمہ چڑھا کر مستشرقین کی اس بات کو رد کر دیا ہے کہ احادیث کا ذریعہ ناقابل اعتبار ہے۔

منکرین حدیث کا خیال ہے کہ احادیث کی تدوین آپ ﷺ کی رحلت کے کئی سو سال بعد ہوئی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگوں کو آپ ﷺ کی احادیث نسل در نسل کئی سو تک بغیر کتابت کے یاد رہی ہوں۔^(۴)

ہمارے پاس اس بات کے ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ احادیث نبویہ کا ذخیرہ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عہد ہی میں مدون ہو چکا تھا۔ جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل سطور میں کیا جاتا ہے۔

عہد رسالت میں روایت حدیث کا اہتمام

آپ ﷺ نے نئے اسلام لانے والے صحابہ کرامؓ سے اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کے یہی فرامین اور دین اسلام کا پیغام اپنے متعلقین اور اہل علاقہ کو پہنچانے کا اہتمام کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے اپنے ارشادات کو لکھنے کی اجازت بھی دی تھی اور بعض اوقات خود بھی بوقت ضرورت اہم باتوں کو تحریر کرنے کا حکم بھی دیا کرتے تھے۔ لہذا ذیل میں آپ ﷺ کے حکم پر لکھی گئی تحریروں کے ساتھ ساتھ خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ سے منسوب تحریروں کا ذکر کرنا مناسب سمجھا جا رہا ہے۔

تحریری احادیث

عہد رسالت کی یہ تحریری روایات دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ جو حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے لکھوائی تھی، اور دوسری وہ جو بعد از ہجرت لکھوائی گئی تھیں۔

۱ - مسند الإمام الدارمی، أبو محمد، عبداللہ بن عبد الرحمن الدارمی، ۲۰۱۵م، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۲۰۱۳ء، الطبعة

الأولی، باب من رخص فی کتابتہ العلم، ۱/۱۸۸

۲ - ایضاً: ۱/۱۹۷

۳ - الصحیفۃ الصحیحۃ (صحیفہ ہمام بن منبہ)، ترجمہ: حافظ عبداللہ شمیم، انصار السنۃ پبلیکیشنز، لاہور، (سن)، ص ۲۳

۴ - تاریخ حدیث، ڈاکٹر غلام جیلانی، برق، ادارہ مطبوعات سلیمانی لاہور، ۲۰۰۹ء، چوتھی اشاعت، ص ۲۱

ہجرت سے ماقبل کی تحریریں

اس ضمن میں دو روایتیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) جب حضور ﷺ ہجرت کی نیت سے مدینے کی طرف نکل گئے اور ابھی مکہ مکرمہ کے قریب ہی تھے، کہ سراقہ بن جعشم نے حصولِ انعام کے لیے آپ ﷺ کا تعاقب کیا اور جیسا ہی آپ ﷺ کے قریب ہوتے گئے تو زمین میں اپنے گھوڑے سمیت دھنس گئے۔ اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے سراقہ نے آپ ﷺ سے نہ صرف معافی مانگ لی بلکہ پروانہ امن بھی لکھوا ڈالا۔ تو یہ آپ ﷺ کی ہجرت سے پہلے کی دستاویز ہے جس کا صلہ سراقہ بن جعشم کو خلافتِ عمرؓ میں کنگن کی صورت میں مل گیا۔^(۱)

(۲) آپ ﷺ نے ہجرت سے پہلے تمیم داری کو بھی فلسطین کے شہر خلیل کی جاگیر داری کا ایک پروانہ اپنے ہاتھ سے مرحمت فرمایا تھا۔^(۲)

بعد از ہجرت کی تحریریں

اس ضمن میں کتب حدیث و تاریخ میں بہت سے واقعات ملتے ہیں جن میں سے کچھ روایات میں نے اس بحث میں بطور اشتہاد پیش کی ہیں:

- (۱) جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے ۵۲ دفعات پر مشتمل ایک دستور نافذ فرمایا۔ جس میں مہاجرین، انصار، یہود اور دیگر سکانِ مدینہ کے حقوق کی تفصیلات درج تھیں۔
- (۲) آپ ﷺ نے صفر ۲ ہجری میں بنو حمزہ سے ایک تحریری معاہدہ فرمایا تھا۔
- (۳) پانچ ہجری کو آپ ﷺ نے بنو فزارہ اور بنو غطفان سے ایک تحریری معاہدہ فرمایا تھا۔
- (۴) چھٹے سال آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ تحریر فرمایا تھا۔
- (۵) آپ ﷺ نے ۷ ہجری کو ہرقل، نجاشی، مقوقس، خسرو پرویز اور دوسرے سلاطین و اربابِ ممالک کو دعوتی خطوط ارسال فرمائے۔^(۳)

- (۶) آپ ﷺ نے ۹ ہجری کو رئیسِ دومۃ الجندل کے ساتھ تحریری معاہدہ کیا تھا۔
- (۷) آپ ﷺ نے بلال بن حارث مزنی کو بعض معادن کے بارے میں ایک تحریر مرحمت فرمایا تھا۔

۱- الوثائق السياسية للعهد النبوی والخلافة الراشدة، محمد حمید اللہ، دار النفائس، بیروت، (سن) الطبعة السادسة، ص ۶۵

۲- ایضاً: ص ۱۳۰

۳- ایضاً: ص ۱۳۵-۱۶۵

(۸) آپ ﷺ نے ایک مہم کے سربراہ کو ایک تحریر مرحمت فرما کر ایک خاص جگہ پہنچ کر کھولنے کی ہدایت بھی کر دی تھی۔^(۱)

(۹) آپ ﷺ نے مسائل زکوٰۃ کے بارے میں ایک کتابچہ تیار کروایا تھا جو آپ ﷺ کی تلوار مبارک کے ساتھ لٹکتا رہتا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی نقول مدینے کے عاملین کو بھیجنے کا ارادہ بھی فرمایا تھا لیکن اپنے اس ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے اس دارِ فانی کو خیر باد کہہ دیا۔^(۲)

(۱۰) ہجرت کے کچھ عرصہ بعد آپ ﷺ نے مسلمانانِ مدینہ کو گننے اور ان کے نام لکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ تو صحابہ کرامؓ نے اس حکم کی تعمیل میں پندرہ سو مسلمانوں کے نام تحریر فرمادیے۔^(۳)

(۱۱) غزوہٴ خندق کے موقع پر ابوسفیان نے آپ ﷺ کو مسلمانوں کا صفایا کرنے اور مدینے پر چڑھائی کا اطلاع دیتے ہوئے ایک خط لکھا تھا۔ جوابی مراسلہ میں آپ ﷺ نے ابوسفیان کا یہ خیال محض ایک خوش فہمی قرار دیکر رد فرمادیا۔^(۴)

(۱۲) ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب ”الوثائق السياسية“ میں ۳۸۶ مراسلے، ہدایت نامے، معاہدے اور مختلف خطبے ذکر کیے ہیں۔ جن میں سے ۲۹۱ کا تعلق آپ ﷺ سے ہے۔ آپ ﷺ کی پہلی تحریر ۴۷۷ دفعات پر مشتمل ایک معاہدہ ہے جو میثاقِ مدینہ کی صورت میں سکانِ مدینہ یہود، انصار اور آپ ﷺ کے مابین ہوا تھا۔^(۵)

(۱۳) خطبہ فتح مکہ ابو شاہ یمنی کی درخواست پر آپ ﷺ کے حکم سے ان کے لیے تحریر کیا گیا۔^(۶)

(۱۴) ایک انصاری صحابی کی ضعفِ حافظہ کی شکایت پر آپ ﷺ نے انہیں احادیث لکھنے کا مشورہ دیا۔^(۷)

(۱۵) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ آپ ﷺ کے اقوال لکھ لیا کرتا تھا، اور ایک موقع پر آپ ﷺ نے

ان کو تحریر کرنے کی باقاعدہ اجازت بھی مرحمت فرمادی۔^(۸)

۱- کتابت و تدوین حدیث، ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی، ص ۴۹

۲- سنن الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الترمذی، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، مطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، ۱۹۷۵م، الطبعة

الثانية، ۳/۶۲۱

۳- صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاة، باب العلم، ج ۶، ص ۳۰۶، ص ۷۳

۴- الوثائق السياسية للعهد النبوی والخلافة الراشدة، محمد حمید اللہ، ص ۷۲

۵- ایضاً: ص ۵۹-۶۵

۶- صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، باب العلم، حدیث نمبر: ۱۱۲/۳۳

۷- سنن الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الترمذی، تحقیق: بشار عواد معروف، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸م ابواب العلم، باب ما جاء فی

الرخصة فیہ، ۴/۳۳

۸- تذکرة الحفاظ، ذہبی، ۱/۳۹

(۱۶) حضرت ابو رافعؓ کو آپ ﷺ نے آٹھ ہجری کو آزاد کروایا اور ساتھ احادیث لکھنے کی اجازت بھی فرمائی تھی۔^(۱)

(۱۷) حضرت انسؓ اپنے شاگردوں کو اپنا وہ نوشتہ دکھایا کرتا تھا جسے انہوں نے نبی مکرم ﷺ سے سننے کے بعد اسے قلم بند کر کے آپ ﷺ سے تصدیق بھی کروا چکے تھے اور ان کے شاگرد حضرت ابان بن عثمانؓ اس تحریر سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔^(۲)

(۱۸) آپ ﷺ نے وائل بن حجر کو ایک صحیفہ عطا کیا تھا جس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، سود اور شراب کے بارے میں احکام و مسائل درج تھے۔^(۳)

(۱۹) آپ ﷺ نے عمرو بن حزمؓ کو یمن کا عامل مقرر کرنے کے بعد ایک ہدایت نامہ تحریری شکل میں عنایت فرمایا۔^(۴)

(۲۰) آپ ﷺ نے اہل بحرین کو ایک تحریر لکھی تھی جس میں زرعی پیداوار سے متعلق عشر کے مسائل قلم بند تھے لیکن وہ وفات سے پہلے بھیجی جاسکی جب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت انسؓ کو بحرین کا عامل مقرر کیا تو اس کے ذریعے وہی تحریر بھیج دی۔^(۵)

(۲۱) آپ ﷺ نے اپنی وفات سے ایک مہینہ قبل قبیلہ جہینہ کو ایک تحریر بھیجی تھی جن میں ان کو مردار جانوروں کی کھالیں استعمال کرنے سے روکا تھا۔^(۶)

آپ ﷺ کے دور میں حضرات صحابہ کرامؓ کے حدیثی مجموعے

اس ضمن میں صحابہ کرامؓ کے پانچ تحریریں بطور استدلال پیش کی جاسکتی ہیں۔

(۱) حضرت ابو بکرؓ نے ۵۰۰ احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ لکھا تھا جسے انہوں نے کمی و بیشی کے خوف سے ضائع

کر دیا۔^(۷)

۱ - کتابت و تدوین حدیث، ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی، مکتبہ سید احمد شہید، لاہور، (سن)، ص ۱۱۶-۱۱۷

۲ - الکفایہ، خطیب بغدادی، ص ۹۵-۹۶

۳ - الاصابۃ، ۱/۵۲

۴ - الوثائق السياسية للعہد النبوی والخلافة الراشدة، محمد حمید اللہ، ص ۲۱۰

۵ - السنن الکبریٰ، ۴/۸۸

۶ - کتابت و تدوین حدیث، ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی، ص ۴۸-۴۹

۷ - تذکرۃ الحفاظ، الذہبی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۸م، الطبعة الأولى، ۱/۲۱

(۲) حضرت سمرۃ بن جندبؓ نے بھی احادیث نبویؐ کو ایک کتابچے میں تحریر کیا تھا جس کو حسن بصری نے روایت کیا ہیں۔^(۱)

(۳) جابر بن عبد اللہ کی طرف ایک صحیفہ امام ترمذیؒ نے بھی منسوب کیا ہے۔^(۲)

(۴) حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا، جس میں اونٹوں کی زکوٰۃ، جراحات، حدودِ حرم اور معاہدات کے متعلق ہدایات قلم بند تھیں۔^(۳)

عہدِ صحابہ میں روایتِ حدیث

جس وقت آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے دین کا یہ دوسرا حصہ کچھ تو مذکورہ بالا کتابی شکل میں صحابہ کرامؓ کے پاس موجود تھا، لیکن اس کی تعداد بہت محدود تھی، یہ زیادہ تر صحابہ کرامؓ کے سینوں میں محفوظ تھا جن کے دل و دماغ کی تربیت دنیا کے سب سے بڑے معلم اعظم ﷺ کی صحبت طیبہ میں ہوئی تھی، اور جن واقعات کے تجربے و مشاہدہ کا موقعہ صحبتِ نبوت میں ان کو ملا تھا، ان ہی کا تذکرہ دوسروں سے وہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے وفات کے وقت صحابہ و صحابیات کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ بتائی گئی ہے۔^(۴) اس سے انداز لگایا جاسکتا ہے، کہ آپ ﷺ کے فرامین کا چرچا لوگوں میں کس قدر مشتہر ہو چکا ہو گا۔ جو کسی طرح مخفی نہیں رہ سکتا۔

عہدِ ابو بکر صدیقؓ میں روایتِ حدیث

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ۵۰۰ احادیث مبارکہ کا ایک ذخیرہ کتابی شکل میں محفوظ کر رکھا تھا لیکن بعد میں اس خطرے کی احساس کی وجہ سے جلانا پڑا کہ کہیں اس میں کوئی کمی بیشی نہ نقل کی گئی ہو کیونکہ انہوں نے ان تمام احادیث کی براہِ راست آپ ﷺ سے سماعت نہیں فرمائی تھی بلکہ بعض احادیث دوسرے لوگوں سے سنانے پر مبنی تھیں۔

آپؓ نے اپنے دورِ حکومت میں حدیث نبویؐ پر گواہی لینے کی سب سے پہلے بنیاد رکھی تھی وہ ایسا کہ آپؓ کے پاس ایک دادی کے میراث کا مسئلہ آیا۔ آپؓ کے علم میں اس قسم کا مسئلہ پیش نہیں آیا تھا، تو آپؓ نے صحابہ کرامؓ سے اس

۱ - تہذیب التہذیب، ابن حجر، ۴/۲۳۶

۲ - تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، ۱/۱۱۶

۳ - اس صحیفہ کا تذکرہ صحیح بخاری میں نو مقامات پر ملتی ہے۔ صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، حدیث نمبر: ۱۱۱۱، ۳۳/۱

۴ - غذاء الالباب فی شرح منظومة الآداب، شمس الدین، أبو العون محمد بن أحمد السفارینی، مؤسسة قرطبة، مصر، ۱۹۹۳ م، الطبعة الثانية،

بارے میں نبی اکرم ﷺ کے کسی عملی فیصلے کا استفسار کیا۔ تو حضرت مغیرہؓ آئے اور دادی کو میراث دینے کا نبوی فیصلہ بتا دیا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس گواہی پر دوسری شہادت مانگ لی تو حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت مغیرہ کی تصدیق فرمائی، جس کے بعد ابو بکر صدیقؓ نے دادی کو میراث میں چھٹا حصہ عطا کیا۔^(۱)

اس کے علاوہ بھی حضرت ابو بکرؓ کا یہ ہمیشہ معمول رہا کہ جب کسی معاملے میں ان کو نبی کریم ﷺ کے کسی حدیث کا علم نہ ہوتا تو آپؓ صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں آپ ﷺ کے کسی حدیث کے بارے میں تحقیق کیا کرتے۔

عہد عمرؓ میں روایت حدیث

حضرت عمرؓ آپ ﷺ کی طرف غلط بات منسوب ہونے کی ڈر سے حدیث بیان کرنے میں ہمیشہ احتیاط کا دامن کبھی چھوٹنے نہیں دیتے۔ عدل و انصاف، سیاست و حکومت اور دوسرے معاملات میں حضرت عمرؓ کے بے لاگ فیصلوں کا جیسے لوگ اب تک ذکر کرتے ہیں ہم حضرت عمرؓ کا وہی رعب اثر حدیث کی تاریخ میں بھی دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ کے حلقہ درس میں جب طلبہ آیا کرتے تو آپؓ انہیں خطاب کر کے کہا کرتے:

”لو ادرکنا وایاکم عمر لا وجعنا ضرباً“^(۲)

اگر پالیتے ہمیں اور تمہیں عمرؓ تو مار کر دکھ پہنچاتے۔

اور اس حوالے سے حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

”لو كنت احدث في زمان عمر مثل ما احدثكم لضربي بمخففتہ“^(۳)

اگر میں عمرؓ کے زمانے میں اسی طرح تم سے حدیثیں بیان کرتا ہوں تو حضرت عمرؓ اپنے کوڑے سے مجھے مارتے۔

یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اندیشہ تھا اور انہوں نے اس بات سے حضرت عمرؓ کا حدیث کے بارے میں انتہائی محتاط ہونے کی طرف اشارہ کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن روایتوں کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کر کے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ حدیثوں کے روایت کے سخت مخالف تھے یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ صحاح میں حضرت عمرؓ کی مرویات کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہیں۔

اور آپؓ کے مرویات ۱۶۳۰ تک بتائی جاتی ہیں۔^(۴)

۱- تذکرۃ الحفاظ، الذہبی، ۱/۲۰

۲- الحدیث والمحدثون، محمد، أبو زہرہ رحمہ اللہ، دار الفکر العربی، دار الفکر العربی القاہرہ، ۸، ۱۳، ص ۳۲۶

۳- ایضاً: ص ۶۸

۴- تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی، المیزان ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور، ۲۰۰۵، ص ۳۳۸-۳۴۱

روایت حدیث عہد عثمانی میں

حضرت عثمانؓ کا دور علمی خدمات کے لحاظ سے ایک عظیم دور سمجھا جاتا ہے اور آپؓ کے خدمات میں سے سب سے بڑی خدمت تدوین قرآن ہے۔ حضرت عثمانؓ کا تدوین حدیث کی تاریخ میں کوئی خاص ذکر نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپؓ کو احادیث رسول ﷺ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، بلکہ اس کی وجہ وہ خود اپنی ایک روایت کردہ حدیث میں بیان کیا ہے:

”حدثنا إسحق بن عيسى حدثنا عبد الرحمن بن أبي الزناد ح وسريج وحسين قالا: حدثنا ابن أبي الزناد عن أبيه عن عامر بن سعد، قال حسين: ابن أبي وقاص، قال: سمعت عثمان بن عفان يقول: ما يمنعني أن أحدث عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أن لا أكون أوعى أصحابه عنه، أوعى صحابته عنه ولكني أشهد لسمعته يقول من قال على ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار.“^(۱)

رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے بیان کرنے میں مجھے یہ چیز نہیں روکتی کہ دوسرے صحابیوں سے حدیثوں کے یاد رکھنے میں کچھ کم ہوں مگر بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی، جو میں نے نہ کہی ہو تو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنا لے۔

حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کو آپ ﷺ کی کافی حدیثیں یاد تھیں لیکن ان کی عمومی اشاعت سے آپؓ اس لیے پرہیز کرتے تھے کہ بحیثیت خلیفہ آپؓ جو بھی حدیث بیان کریں گے، ہر طرح کے لوگ آپؓ سے سنی ہوئی روایت کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں دلیری کریں گے۔^(۲)

عہد مرتضوی میں روایت حدیث

حضرت علیؓ کی عام عادت تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات اگر آپؓ کے سامنے بیان کی جاتی تو آپؓ اسے قسم دیتے۔^(۳) شاید اس کی ایک وجہ عہد عثمانی کے وہ فتنے اور فساد بھی ہوں جو مسلمانوں میں پھوٹ پڑے تھے، یوں بھی اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا، نہ صرف مقبوضہ علاقاجات کا بلکہ مختلف اقوام اور طبقات

۱- مسند الإمام أحمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل، تحقيق: شعيب الأرنؤوط و دیگر، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۲۰۰۱ء،

الطبعة الأولى، ص ۵۱۲

۲- تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی، المیزان ناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۱

۳- تذکرۃ الحفاظ، الذہبی، ص ۲۵

کے لوگ مسلمان ہو کر اسلام میں فوج در فوج شریک ہوتے چلے گئے۔ اسی طرح اسلام میں نئے داخل ہونے والے تمام لوگوں کا ایمان و اسلام کی وہ حالت نہیں تھی جو صحابہ کرامؓ کی تھی۔

لہذا اس وجہ سے حضرت علیؓ اکثر اپنے منبر سے اس بات کا اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”لا تكذبوا عليّ، فإنه من يكذب عليّ يلج النار“^(۱)۔

میری طرف جھوٹی بات ہر گز نہ منسوب کیا کرو جو میری طرف منسوب کر کے جھوٹی بات بیان کرے گا وہ آگ میں جھونکا جائے گا۔

پہلی اور دوسری صدی کے علماء کی روایت حدیث میں اہم خدمات

ان دونوں صدیوں میں اشاعت حدیث میں جن صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؓ اور ائمہ حدیث و فقہ کے اہم خدمات ہیں ان میں سے مشہور ترین شخصیات کے نام درجہ ذیل سطور میں قلم بند کیے جاتے ہیں:

(۱) سعید بن جبیرؓ، حماد بن ابی سلیمان، سفیان بن عیینہ اور امام ابو حنیفہ: آپ نے کوفہ میں اشاعت حدیث کی خدمات سرانجام دی۔

(۲) خارجہ بن زید بن ثابت، ابن شہاب زہری، ابن یسار، امام مالک، معن بن عیسیٰ: آپ نے مدینہ منورہ میں احادیث نبویہ کی اشاعتی خدمات سرانجام فرمائی تھیں۔

(۳) ہمام بن منبہ اور وہب بن منبہ: آپ نے یمن میں اشاعت حدیث کے لیے ہر ممکن کوشش فرمادی تھی۔

(۴) طاؤس بن کیسان: آپ نے ہمدان کے علاقے میں احادیث نبویہ کو پھیلا یا تھا۔

(۵) محمد بن اسحاق اور قتادہ بن دعامہ: آپ نے بغداد میں احادیث مبارکہ کی اشاعت کے لیے کوشش و سعی کی تھی۔

(۶) حسن بصری اور سفیان ثوری: آپ دونوں نے بصرہ ہی میں احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت کی تھی۔

(۷) حافظ ابن لہیعہ اور ابن جنادہ: ان دونوں نے مصر ہی میں اشاعت حدیث کا کام انجام پایا تھا۔

(۸) ابن جریج نے مکہ، امام اوزاعی نے دمشق، وکیع بن جراح نے نیشاپور اور عبد اللہ بن مبارک نے حرہ کے علاقے میں اشاعت حدیث کی خدمات انجام دی تھیں۔

۱- مسند الإمام أحمد بن حنبل، أبو عبد الله، أحمد بن حنبل، تحقيق: شعيب الأرنؤوط وأور دیگر، إشراف: د- عبد الله بن عبد المحسن

التركي، مؤسسة الرسالة، بيروت، ۲۰۰۱م، الطبعة الأولى، ص ۶۴

اور اس طرح تمام کتب، حدیث، صحاح، معاجم، سنن، مستدرکات، مستخرجات مسانید، مؤطات، طبقات وغیرہ کتب روایت حدیث کی کڑیوں کو باہم ملاتی ہیں۔^(۱)

آج کتب متداولہ کا درس و تدریس اور اشاعت دین کے جو سلسلے جاری و ساری ہیں یہ روایت حدیث کی تسلسل اور جدید شکلیں ہیں۔

بحث کا تجزیہ

اس بحث میں روایت کا لغوی اور اصلاحی معنی بیان کرنے کے ساتھ جامع تعریف ذکر کی، پھر اس روایت کو پرکھنے کے لیے علماء کے مقرر کردہ اصول ذکر کیے۔ عدالت، ضبط راوی، اتصال سند اور روایت میں علت یا شذوذ کا نہ ہونا۔ اور ان اصلاحات کی وضاحت کی، کہ ان اصطلاحات کا علم الحدیث میں کیا معنی و مطلب ہے۔ روایت کی تاریخ بیان کرتے ہوئے قرآن و سنت سے دلائل دیئے کہ راوی کس طرح روایت کرے۔ اور قرآن نے کیا اصول مقررہ کیے ہیں اور کن باتوں کا پابند کیا ہے؟

آخر روایت سیرت کے ارتقا کے عنوان سے نبی ﷺ کی زبان سے نکلنے والی ہر بات کو محفوظ رکھنے کے اہتمام اور طریقہ کار کو بیان کیا، اور بتایا کہ جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث یاد کرتے اور لکھتے تھے وہاں نبیؐ نے بھی احادیث لکھنے کا حکم دیا تھا، مکی دور، مدنی دور اور بعد میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور کے طریقہ کار بیان کیے، اور بطور ثبوت مختلف تحاریر کے حوالے دیئے۔

مبحث چہارم: درایت کے اصول و ضوابط

سیرت نگاروں نے واقعات سیرت کی تحقیق کے لیے کچھ ایسے اصول ذکر نہیں کیے جنہیں اصول درایت سے تعبیر کیا جائے البتہ محدثین کرام نے اس حوالے سے باقاعدہ اصول وضع کیے ہیں وہ اصول درایت کی لغوی و اصطلاحی تعریفات ذکر کرنے کے بعد ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

شریعت (قرآن و سنت) کو چونکہ روایت کرنا اور اسے اگلے زمانوں تک نقل کرنا اور ان کی خبر دینا فرائض نبوت اور فرائض علماء میں سے ہے (کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہے) اس لیے جہاں قرآن و سنت کی روایت کی گئی، وہاں اس کی تحقیق و درایت پر بھی مکمل توجہ دی گئی۔ کیونکہ کوئی بھی خبر یا حتمی ذرائع سے ملتی ہے یا ظنی ذرائع سے۔ حتمی ذرائع سے آنی والی خبر تو بغیر تحقیق کے مقبول ہے، لیکن ظنی ذرائع سے موصول ہونے والی خبر میں سچ و جھوٹ دونوں پہلو لازماً موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ مروی کی تحقیق کرنا ضروری ہے تاکہ سچ میں سے کوئی ایک طرف حتمی اور دوسری طرف قطع ہو جائے۔ چنانچہ محدثین کے ہاں اصول درایت اسی طرح کی خبر کے لیے ہیں۔ حتمی و قطعی ذریعہ سے حاصل ہونے والی خبر کے لیے نہیں۔ مولانا عبدالغنی، عبدالحق کہتے ہیں:

اس بات میں کوئی شک نہیں اور نہ ہی اختلاف کی کوئی گنجائش ہے کہ کسی دینی یا شرعی حکم پر رسول اللہ ﷺ سے مروی حدیث (یعنی سنت) سے استدلال دو باتوں پر موقوف ہے:

۱۔ اس بات کا ثبوت کہ سنت (بحیثیت ذات نبوی ﷺ سے صادر ہونے کے) اصول تشریع میں ایک صحت (سند) اور اصل ہے۔

۲۔ اس کا ثبوت کہ یہ حدیث جو رسول ﷺ سے صادر ہوتی ہے، روایت کے قابل اعتماد طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے مروی ہے^(۱)۔

لغوی معنی

لغت میں درایت کا معنی جاننا اور واقفیت حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ امام جوہری لکھتے ہیں:

(دریتہ ودریت بہ دریا ودریۃ ودرایۃ۔ ای علمت بہ)^(۲)

”یعنی دریتہ درایۃ کا معنی ہے میں نے اسے جانا“۔

۱۔ حجیت سنت، عبدالغنی عبدالحق، ادار تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ص ۳۵

۲۔ الصحاح فی اللغة، اسماعیل بن حماد الجوهری، دار العلم بیروت، (سن) ۱/۲۰۴

اس عبارت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ درایت کا معنی جاننا ہے۔

ابن منظور افریقی (۱۱۷۷ھ) لکھتے ہیں:

”دری الشيء دریا ودریا عن اللحياني ودرية ودرينا ودرية:علمه--- ويقال: دريت الشيء

ادریہ عرضتہ وادریتہ غیری اذا اعلمتہ“ (۲)

امام زبیدی (۱۲۰۵ھ) ذکر کرتے ہیں:

(دریته ودریت به، ادری دریا ودریة بفتحهما ویکسران وحقکی ابن الاعرابی: ما تدری ما دریتها

ای ما تعلم ما علمتها) (۳)

المعجم الوسيط میں ہے:

(دری الشیء دریا و دریاة و دریا نا، علمه)^(۴)

یعنی دری الشیء درایۃ کا معنی ہے کسی چیز کو اچھی طرح جان لینا۔

محمد قلعجی نے نقل کیا ہے:

(الدراية: مص درى بالشىء، علمه) (٥)

اہل علم کی مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ درایت کا لغوی معنی جاننا، معرفت حاصل کرنا اور واقفیت حاصل

کرنا وغیرہ ہے۔ یہ لفظ ان معنوں میں قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ (٦)

اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ:

۱- کتاب العین، خلیل بن احمد الفراهیدی، تحقیق: الدكتور، مهدی الخرمی، دار وکنتة الهلال، بیروت، (سن)، ۸، ۱۵۸

٢- لسان العرب ابن منظور افريقي، ١٢/ ٢٥٣

۳- تاج العربس، الزبیدی، ۱۰/۱۲۶

۴- المعجم الوسيط، إبراهيم مصطفى ودیگر، دارالدعوة، بیروت، (سن)، ۱/ ۲۸۲

۵- معجم لغة الفقهاء، محمد رواں قلعجی، ص ۲۰۷

٦- سورة القدر: ٩٤/٢

اصطلاحی معنی

اصطلاح محدثین میں روایت کا تعلق نقل حدیث سے جبکہ درایت کا تعلق تحقیق متن حدیث سے ہے۔ گویا روایت سے مراد حدیث کی نقل و خبر ہے، جبکہ درایت سے مراد اس کی نسبت رسول ﷺ کی صحت کو جانچنا ہے۔

چنانچہ علامہ تقی امینی کہتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی طرف دین و شریعت سے متعلق جو کچھ منسوب ہو اس کو ”حدیث“ کہتے ہیں۔ اس کی نسبت کی صحت کو جانچنے کے لیے اہل علم نے ایک معیار مقرر کیا ہے، جس کا نام، درایتی معیار ہے^(۱)۔

ڈاکٹر صبحی صالح کہتے ہیں:

”روایت حدیث کا علم ان تمام احادیث کی نقل و روایت پر حاوی ہے جو نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب ہوں، خواہ وہ احادیث قولی ہوں، فعلی ہوں یا تقریری ہوں یا نبی کریم ﷺ کی کسی صفت پر مبنی ہوں۔ قول مختار کے مطابق اس میں اقوال صحابہ بھی شامل ہیں جب کہ درایت حدیث کی تعریف میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: کہ ایسے مباحث و مسائل کا مجموعہ، جس سے راوی اور مروی (حدیث) کا حال قبولیت یا عدم قبولیت کے لحاظ سے معلوم کیا جائے، درایت الحدیث کہلاتا ہے۔“^(۲)

ڈاکٹر سہیل حسن نقل کرتے ہیں:

”درایت حدیث مباحث و مسائل کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جس سے راوی اور مروی (حدیث) کا حال قبولیت یا عدم قبولیت کی حثیت سے جانا جاتا ہے یعنی اس علم میں سند اور متن کے متعلق بحث کی جاتی ہے“^(۳)۔

محدثین نے درایت حدیث کے اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

”علم الحدیث الخاص بالدراية: علم يعرف منه حقيقة الرواية وشروطها وانواعها

واحكامها وحال الرواة وشروطها واصناف المرويات وما يتعلق بها“^(۴)

طاہر بن صالح الدمشقی (۱۳۲۸ھ) کہتے ہیں:

۱۔ حدیث کا درایتی معیار، مولانا، محمد تقی، امینی، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۸۶ء، ص ۱۵

۲۔ بحوالہ تدریب الراوی، مترجم: علوم الحدیث از رفیق چوہدری، ۱۲۶/۲

۳۔ معجم اصطلاحات حدیث، ڈاکٹر سہیل حسن، ص ۱۷۴

۴۔ تدریب الراوی، امام سیوطی، ص ۲۱

”علم دراية الحديث علم يعرف منه انواع الرواية واحكامها وشروطها الرواة واصناف المرويات واستخراج معانيها“^(۱)

درایت حدیث وہ علم ہے جس سے راوی کی شرطیں، روایت کی قسمیں اور اس کے احکام کی معرفت ہوتی ہے۔ نیز مرویات کی قسمیں اور ان کے معانی کے استخراج کا علم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام

ان تمام تعریفات سے مقصود یہ وضاحت ہے کہ محدثین کی جملہ مساعی کا تعلق سند و متن دونوں سے ہے۔ سند کی بحث میں راویوں کے حالات سے اس لیے واقفیت حاصل کی جاتی ہے تاکہ انکے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے بارے میں معلوم کر کے متن پر قبول و رد کا حکم لگایا جائے۔ اس لیے علامہ نور الدین عتر نے درایت حدیث کا موضوع یہ بیان کیا ہے:

”وموضوع هذا العلم الذي يبحثه هو السند والمتن من حيث التوصل الى معرفة المقبول من المردود“^(۲)

درایت کا موضوع روایت کے قبول و رد کے اعتبار سے اس کی سند و متن سے بحث کرنا ہے۔

گویا کہ سند اور متن دو الگ مستقل چیزیں نہیں، بلکہ متن مطلوب اور اس کی تحقیق اس کا ذریعہ ہے۔

محدثین نے اصول حدیث کی کتابوں میں علل الحدیث کے عنوان سے جو ابواب ذکر کیے ہیں اس میں ان مباحث کی تفصیل موجود ہے۔ یعنی متن میں موجود کسی علت کی بناء پر سند (راویوں) کی نئے سرے سے جانچ پر کھ کرنا۔ یہ واضح رہنا چاہیے کہ صرف علت موجود ہونے سے کسی روایت پر حکم نہیں لگایا جاسکتا، جب تک کہ علت کی موجودگی پر سند کی دوبارہ جانچ پر کھ نہ کر لی جائے۔

محدثین کرام سے کوئی ایک بھی ایسی حدیث آج تک نقل نہیں کی جاسکتی جس میں سند سے بحث کیے بغیر محدثین نے متن میں صرف علت کی موجودگی کی بناء پر حدیث پر مردود کا حکم لگایا ہو۔ چنانچہ علل الحدیث کے تحت جو بحثیں کی جاتی ہیں کہ حدیث اگر عقل کے موافق نہ ہو، قرآن کے احکام کے بظاہر مخالف ہو، یا اصول کے مناقض ہو، تو ان علامات کی بنیاد پر راویوں کی جانچ پر کھ دوبارہ کی جاسکتی ہے تاکہ اصل معاملہ سامنے آجائے۔^(۳)

محدثین نے درایت سے مراد حدیث کی جانچ پر کھ (نقد حدیث) لی ہے اور سند متن ہر دو سے متعلقہ مباحث نقد کے نقطہ نگاہ سے واضح کیے ہیں اس حوالے سے جو اقوال نقل کیے جاتے ہیں کہ ”ایک ماہر جو ہری جو ہیرے کی جودت سے

۱- حدیث کا درایتی معیار، توجیہ النظر إلى اصول الاثر، ص ۱۶

۲- منہج النقد فی علوم الحدیث، الدکتور نور الدین عتر، ص ۳۳

۳- سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، ۱/ ۷۴

غلط اور صحیح کا امتیاز کر لیتا ہے ”یا“ ایک ماہر فن سند کے بغیر بھی موضوع اور صحیح حدیث کی پہچان رکھتا ہے۔ تو اس کی حیثیت صرف یہی تک محدود ہے کہ ان کی علامات کی بناء پر سند کی طرف دوبارہ رجوع کیا جائے۔ جس طرح ایک ماہر جج مقدمہ میں اپنے فہم کے مطابق کوئی جھول محسوس کرتے ہوئے گواہوں کے بیانات کا نئے سرے سے جائزہ لے یا مقدمہ کی تفصیل کو دوبارہ غور سے دیکھے (جسے عدلیہ کی اصطلاح میں اپیل یا نظر ثانی کہا جاتا ہے) تاکہ حقیقت تک پہنچا جاسکے۔ اسی طرح متن میں کوئی جھول محسوس کرتے ہوئے دوبارہ سند کی طرف غور کیا جائے۔ اور اگر گواہوں پر انسانی استطاعت کی حد تک جرح کرنے کے باوجود معاملہ جوں کا توں رہے اور جج گواہان کو نظر انداز کر کے صرف اپنے فہم کی بنیاد پر فیصلہ حقائق کی خلاف سنادے تو یہ انصاف نہ ہوگا۔ اس بات سے تو نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

جیسا کہ لعان والے ایک واقعہ میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

”لور جمت احدا بغیر بینة رجمت هذه“^(۱)

اس طرح حدیث کی جانچ پرکھ میں راویوں کی حیثیت بھی گواہان کی ہے۔ اگر ایک ماہر کی نظر متن میں جھول محسوس کرے تو اسے تحقیق کے لیے سند کا دوبارہ جائزہ لینے کا اختیار تو ہے، لیکن صرف اپنی فقہ و فہم کی بناء پر محدثین کی صدیوں کی محنت کو ٹھکانے لگانے کا اختیار نہیں دیا جاسکتا^(۲)۔

درایت کی رائج تعریف

ابجد العلوم میں مولانا صدیق حسن کی درایتی تعریف بظاہر جامع محسوس ہوتی ہے جو کہ سابقہ تعریفات کا نچوڑ نہایت حسن اسلوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ درایت کے اصول و ضوابط

سیرت نگاری ایک جداگانہ فن ہے جو فن حدیث کی طرح روایت و درایت کے اصولوں پر قائم رہنے کا متقاضی ہے۔ اسی لیے سیرت طیبہ کو تحقیقی انداز میں لکھنے والے سیرت نگاروں کو قدیم سیرت نگاروں سے یہ شکایت رہی ہے کہ انہوں نے سیرت نگاری میں روایت کے ساتھ درایت کے اصولوں کی پوری پابندی نہیں کی ہے جس کے نتیجے میں سیرت طیبہ کے لٹریچر میں ایسی کمزور، مشتبہ اور غلط روایات داخل ہو گئیں ہیں جن سے اسلام اور سیرت طیبہ کی پر شکوہ عمارت کو

۱- صحیح بخاری، امام محمد بن اسماعیل بخاری، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاة، بیروت، ۱۴۲۲ھ، الطبعة الأولى، باب قول

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَوْ كُنْتُ رَاجِعًا بَغَيْرِ بَيِّنَةٍ»، ۵۴/۷

۲- صح السیرہ، حکیم عبدالرؤف، ص ۲۲

ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ چنانچہ دور جدید کے بعض سیرت نگاروں نے سیرت نگاری میں اصول درایت کی اہمیت اور اصولوں کی نشاندہی کی ہے۔ ذیل میں اسے اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

درایت کے اصول و ضوابط

- ۱۔ جو روایت صراحت قرآن کے خلاف ہو^(۱)
- ۲۔ جو روایت صراحت سنت متواترہ کے خلاف ہو^(۲)
- ۳۔ جو روایت قرآن و سنت کے عمومی قواعد کے خلاف ہو^(۳)
- ۴۔ جو روایت اجماع امت کے خلاف ہو^(۴)
- ۵۔ روایت کا شاذ ہونا۔^(۵)
- ۶۔ روایت کا کسی ایسے مسئلہ سے متعلق ہونا جو تواتر کا متقاضی ہو^(۶)
- ۷۔ جو روایت عقل صریح کے خلاف ہو۔^(۷)
- ۸۔ جو روایت حکمت و اخلاق کے اصولوں کے خلاف ہو^(۸)
- ۹۔ جو روایت تاریخی حقائق کے خلاف ہو^(۹)
- ۱۰۔ جو روایت حس، مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو^(۱۰)

-
- ۱۔ المنار المنیف، ابن القیم، تحقیق: یحییٰ بن عبد اللہ الثمالی، دار عالم الفوائد، المکرمہ، ۱۴۲۸ھ، پہلی اشاعت، ص ۱۶
 - ۲۔ ایضاً: ص ۵۶؛ السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، الدکتور مصطفی السباعی، المکتب الاسلامی، دار الوراق، بیروت، (س ن)، ص ۱۱۸
 - ۳۔ ایضاً، ص ۱۱۷
 - ۴۔ السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، ص ۱۱۷
 - ۵۔ المنار المنیف، علاء ابن القیم، ص ۵۰
 - ۶۔ ایضاً، ص ۲۲
 - ۷۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ، خطیب بغدادی، تحقیق: أبو عبد اللہ السورقی، إبراہیم حمزہ المدنی، المکتبۃ العلمیۃ، المدینۃ المنورۃ، ص ۱۴۰
 - ۸۔ السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، الدکتور مصطفی السباعی، ص ۱۱۷
 - ۹۔ المنار المنیف، علاء ابن القیم، ص ۱۰۲
 - ۱۰۔ السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، الدکتور مصطفی السباعی، ص ۱۱۷

- ۱۱۔ جو روایت متفقہ قواعد طب کے خلاف ہو۔^(۱)
- ۱۲۔ جو روایت اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و کمال کے خلاف ہو۔^(۲)
- ۱۳۔ جو روایت بذات خود باطل ہو اور اس کا رسول اللہ سے صدور ناممکن ہو۔^(۳)
- ۱۴۔ جس روایت میں معمولی عمل پر بہت بڑے اجر کا ذکر ہو۔^(۴)

درایت کی تاریخ

روایت کی طرح درایت کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے جیسا کہ روایت کی تاریخ میں یہ بات پہلے گزر چکی کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی راوی سے روایت کے گواہان، اور بعض وقت تو راوی کو قسم تک بھی دیے جاتے تھے چنانچہ خلفائے راشدینؓ کا خود سند کا مطالبہ اور ان کے دور میں دوسرے صحابہ کرامؓ سے بھی ان کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، لہذا ہم یہاں دور صحابہ اور علمائے جرح و تعدیل کے دور سے اخذ کردہ درایتی نقد کے چند ایک مثالیں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔

مثال نمبر ۱۔ حضرت عائشہؓ کا نقد حدیث:

عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، وَذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْكَلْبُ، وَالْحِمَارُ، وَالْمَرْأَةُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَدْ شَبَّهْتُمُونَا بِالْحَمِيرِ وَالْكَالِبِ، وَاللَّهِ لَقَدْ «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّي عَلَى السَّرِيرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةً»^(۵)

حضرت عائشہؓ کے سامنے کسی نے یہ حدیث بیان کی کہ نمازی کے سامنے سے اگر کتا، گدھ یا عورت گزر جائے تو ان کی نماز ٹوٹ جاتی ہے تو آپؐ کہنے لگی کہ تم لوگوں نے ہم عورتوں کو گدھوں اور کتوں سے تشبیہ دی، خدا کی قسم میں نے آپؐ کو اس حال میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ میں ان کے سامنے ایسی لیٹی رہتی کہ میں ان کے اور ان کے قبلے کے درمیان آڑ بن جاتی۔

مثال نمبر ۲۔ امام مسلم کا نقد حدیث:

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ ثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عِيسَى ثَنَا ابْنُ هِيعَةَ قَالَ كَتَبَ إِلِي مُوسَى بْنُ عَقْبَةَ يَقُولُ حَدَّثَنِي بَسْرُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فِي

۱۔ السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي، الدكتور مصطفى السباعي، ص ۱۱۷

۲۔ المنار المنيف، علاء ابن القيم، ص ۸۴

۳۔ الكفاية في علم الرواية، خطيب بغدادی تحقیق: أبو عبد الله السورقي، إبراهيم حمدي المدني، المكتبة العلمية - المدينة المنورة، ص ۱۱۹

۴۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۵۔ صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج النیسابوری، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، دار احیاء التراث العربی - بیروت، ۱/۳۶۶

الْمَسْجِدَ قُلْتُ لِابْنِ هُبَيْرَةَ مَسْجِدٌ فِي بَيْتِهِ قَالَ مَسْجِدُ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ مُسْلِمًا يَقُولُ وَهَذِهِ رِوَايَةٌ فَاسِدَةٌ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ فَاحْشَ خَطُوهَا فِي الْمَثْنِ وَالْإِسْنَادِ جَمِيعًا وَابْنُ هُبَيْرَةَ الْمُصَحِّفُ فِي مَتْنِهِ الْمُعَقَّلُ فِي إِسْنَادِهِ وَأَمَّا الْحَدِيثُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَرَ فِي الْمَسْجِدِ بِخُوصَةٍ أَوْ حَصِيرٍ يُصَلِّي فِيهَا وَسَنَدُكَ صَحَّةَ الرِّوَايَةِ فِي ذَلِكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ (١)

امام مسلم نے ابن ہبیرہ کی اس حدیث مذکور کو رد کیا ہے، جس میں انہوں نے آپ ﷺ کے مسجد میں بیٹگی لگوانے کا ذکر ہے۔ اور علت یہ بیان کی ہے کہ اس میں نہ صرف متن و اسناد کی کمزوری پائی جاتی ہے بلکہ ابن ہبیرہ کی اس حدیث میں وہم فاحش بھی پائی جاتی ہے۔ امام مسلم نے اپنے اسناد کے ساتھ بعینہ اسی حدیث کو زید بن ثابت سے باختلاف الفاظ روایت کی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کی مسجد میں کھجور کے شاخوں یا چٹائی سے ایک حجرہ بنانے کا ذکر ہے۔ (۲)

محدثین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے نہ صرف سند و متن کو پرکھنے کا اہتمام کیا ہے بلکہ احادیث رسول کو درایت کے لحاظ سے بھی پرکھا ہے، تاکہ کوئی اسی بات اسلام کی طرف منسوب نہ کی جائے جو کل کسی طرح رد کردی جائے اور اسلام کو مشکوک بنادیا جائے۔ حدیث مذکور اس کا ایک نمونہ ہے۔

مثال نمبر ۳۔ خطیب بغدادی کا نقد مکتوب

۴۴۷ ہجری کا واقعہ ہے کہ بعض یہودیوں نے خیبر کے گورنر قائم باللہ کو ایک خط پیش کیا، جس میں آپ ﷺ کا یہود خیبر سے سقوطِ جزیرہ کا بیان تھا اور انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ یہ خط حضرت علیؓ کا لکھا ہوا ہے۔ جس پر حضرت معاویہؓ، ابوسفیانؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ کے دستخط ثبت تھے۔

خط خطیب بغدادی کو پیش کیا گیا۔ آپ نے خط کو غور سے پڑھا، پھر کہنے لگے کہ خط جھوٹا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو اس کا جھوٹا ہونے کا پتہ کیسے چلا؟ آپ نے جواب دیا کہ خط پر حضرت معاویہ، ابوسفیان کے دستخط ہیں حالانکہ وہ تو غزوہ خیبر کے ایک سال بعد فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔ اس وجہ سے یہ واقعہ غلط ہے۔ اسی طرح اس خط کے جھوٹا ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس پر حضرت سعد بن معاذ کے دستخط ہے جو کہ غزوہ خیبر سے دو سال پہلے غزوہ بنی قریظہ کے دن وفات پا چکے تھے۔ لہذا یہود کے خیبر کا جزیرہ برقرار رکھا گیا۔ (۳)

۱۔ صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج النیسابوری، ص ۱۸۷

۲۔ دیکھئے: التمییز لمسلم، باب ما جاء فی التوقی فی حمل الحدیث، تحقیق: مصطفیٰ الاعظمی، مکتبۃ الکواثر المربع، السعودیہ، طبع سوم،

۱۴۱۰ھ، حدیث نمبر: ۵۵، ص ۱۸۷

۳۔ السنۃ المظہرۃ والتحدیات، نور الدین محمد عزوجل، مجلۃ مرکز بحوث السنۃ والسیرۃ، قطر، ۱۹۸۸م، ص ۱۷۵

یہ اصول درایت کے باب میں ایک اہم نظیر کی حیثیت رکھتا ہے، جس کا اہتمام مسلمانوں نے اپنے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ارشادات میں بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ جو ضروری بھی ہے اور اسلام کا تقاضا بھی۔

اور محدثین عظام نے احادیث مبارک میں خفیہ علل معلوم کرنے اور ان کے اسناد و متون میں غور سے کام لیا جس کے نتیجے میں علم جرح و تعدیل، علم الاسماء والکنی، علم الطبقات، علم الرواة، علم العلل، علم مشکل الحدیث اور علم مختلف الحدیث جیسے علوم نے جنم لیا۔

درایت کے موضوع پر جن علماء نے کام کیا ہے، انہوں نے بڑی عرق ریزی سے یہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کا یہ خدمت ہمارے لیے نہ صرف روشن دماغی کا سبب ہے، بلکہ ساتھ ہی مشعل راہ بھی ہے۔ ان علماء میں سے چند ایک کے نام ذیل ہیں:

سید سلیمان ندوی: عصر حاضر کے علماء میں اس میدان میں سب سے بڑا نام ان کا ہے جنہوں نے سیرۃ النبی جلد نمبر ۳ میں ”اصول روایت و درایت کی روشنی“ میں نقد متون احادیث کر کے جھوٹے رواۃ کی گھڑی ہوئی احادیث پر کئی استنادی اور درایتی تبصرہ کر کے صحیح سیرت طیبہ غیر صحیح سیرت سے الگ کر دیا ہے۔ ایسا ہی سیرت نبوی کے سلسلے میں ان سیرت نگاروں پر بھی رد و جرح کی ہے جنہوں نے سیرت صحیحہ جیسے عنوانات پر اپنی کتابیں ترتیب دی ہیں، لیکن اس میں ہر رطب و یابس کو جمع کر کے امت اسلامیہ کو صحیح سیرت پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

۲۔ ابوالکلام آزاد: ایسی ہی ایک عظیم کتاب ”ولادت نبوی“ کے عنوان سے ابوالکلام آزاد نے بھی لکھی ہے۔ یہ کتاب بھی اس موضوع پر اپنی نوعیت کا ایک عمدہ کام ہے۔ سیرۃ النبی کے بعد اس سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ جو سیرت کی درایتی پہلوؤں کی بابت خوب راہنمائی کر کے قاری کی آنکھیں کھولتی ہے۔

۳۔ حبیب الرحمن کاندھلوی: اس نوع کی ایک تیسری کتاب ”مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت“ حافظ موصوف کی ہے، جو صحیح سیرت طیبہ کے معلومات پر مشتمل ایک اہم مجموعہ ہے۔ بوقت ضرورت اس کتاب کی طرف بھی رجوع کیا جاسکتا ہے۔ راقم الحروف نے پہلے دو کتابوں کی طرح اس سے بھی وقتاً فوقتاً استفادہ کیا ہے۔

اس سلسلے کی کئی ایک اور کتب بھی متداول ہیں، جس سے اس ضمن میں راہنمائی لی جاسکتی ہے، بطور مثال محمد الغزالی کی ”فقہ السیرۃ“، مولانا امین احسن اصلاحی کی ”تدبر حدیث“، اور خطیب بغدادی کی کتاب ”الکفایۃ فی معرفۃ اصول علم الروایۃ“ وغیرہ۔

الغرض مذکور بالا کتب سیرت اسی موضوع کے حوالے سے انتہائی اہم کاوشیں ہیں۔

مبحث کا تجزیہ

اس مبحث میں درایت کا لغوی اور اصطلاحی معنی و مفہوم واضح کرنے کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ علم روایت اور علم درایت دو الگ الگ علوم ہیں۔ دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

علم درایت کے اصول ذکر کیے کہ کب علم درایت کی ضرورت پڑتی ہے اور کن وجوہات کی بنا پر غور و حوض کر کے سقم تلاش کیا جاتا ہے؟ اور بتایا کہ علم درایت سے اگرچہ کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا لیکن علم درایت علم روایت کو تحریک دیتا ہے کہ از سرے نو روایت کو جانچا جائے تاکہ اگر کہیں صرف نظریا چشم پوشی ہوئی ہے تو اسے واضح کیا جائے۔ اگرچہ علم روایت، اگر کسی روایت کو دوبارہ بھی قابل اعتبار قرار دے تو اس حدیث کا من و عن قبول کرنا ضروری ہے۔ لیکن اکثر اوقات علم درایت سے روایت کا سقم سامنے آ جاتا ہے۔ جیسا کہ مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

علم درایت کی تاریخ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے ہی چلا آ رہا ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی اس علم سے احادیث کو پرکھتے تھے اور قبول و رد کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہؓ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے۔

علم درایت اگرچہ متن سے بحث کرتا ہے لیکن اسے تقویت اسی وقت ملے گی جب علم روایت کوئی سقم واضح کرے۔ معاصر علماء جیسے سید سلمان ندوی ابو الکلام آزاد حبیب الرحمان کاندھلوی کی کتابوں کی طرف راہنمائی کی کہ درایت حدیث کے حوالے سے سیرت کی کتابوں میں مذکور واقعات پر تبصرے میں راہنمائی لی جاسکتی ہے۔

فصل چہارم

محدثین و مؤرخین و طبقاتِ سیرت نگاراں

مبحث اول: طبقاتِ محدثین

مبحث دوم: طبقاتِ مؤرخین

مبحث سوم: طبقاتِ سیرت نگاراں

مبحث اول: محدثین کے طبقات

محدثین کے طبقات، دو مختلف حیثیتوں سے بیان کیے جاسکتے ہیں:

اول: قوتِ حفظ اور شیخ کی صحبت کے اعتبار سے

دوم: زمانے اور تاریخ کے اعتبار سے تقسیم

طبقہ کی تعریف

”لفظ طبقہ“ طبق يطبق طبقاً سے مصدر کا صیغہ ہے ابن العربی کے نزدیک طبقہ کا معنی ایک حالت کے بعد دوسری حالت یا ایک منزل کے بعد دوسری منزل۔ سورة الانشقاق کی ایک آیت ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا﴾^(۱) میں اس کا استعمال آیا ہے۔ اصحابِ لغت نے طبقہ کو اسی مادہ میں سے ذکر کر کے اس کے معنی و مفہوم کی وضاحت کی ہے^(۲)۔

چنانچہ جوہری کہتے ہیں: طبق من الناس: ای جماعة، والمطابقة: الموافقة، وطبقات الناس، مراتبهم۔^(۳)

”طبقہ کا لغوی معنی ہے جماعت، اسی سے لفظ مطابقت ماخوذ ہے جس کا معنی ہے موافقت اور طبقات الناس کا مطلب ہے لوگوں کے مراتب۔“

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: الطبق الجماعة من الناس يعدلون جماعة مثلهم^(۴)

”طبقہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو ہم مثل ہو۔“

ابن فارس کہتے ہیں:

”(طبق) الطاء والباء والقاف اصل صحيح واحد، وهو يدل على وضع شيء مبسوط على مثله حدی يغطيه“۔^(۵)

”طبق کا مادہ اصلی طب ق ہے، جو دلالت کرتا ہے کسی اس جیسی مبسوط چیز پر اس طرح رکھنا کہ وہ اس کو ڈھانپ لے۔“

۱- سورة الانشقاق: ۸۴/۱۱

۲- تاج العروس محمد بن زبیدی، دار الہدایہ، کویت، (س ن)، ۵۰/۲۶

۳- الصحاح، اسماعیل بن حماد الجوهري، تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملايين، بيروت، ۱۹۸۷ء، ۴/۱۵۱۱

۴- لسان العرب، ابن منظور الأفریقی، دار صادر، بيروت، الطبعة الأولى، (س ن)، ۲۰۹/۱۰

۵- ابن فارس، ابوالحسين، احمد بن فارس، الرازي، مقاييس اللغة، دار الفكر، دمشق، ۱۹۷۹ء، ۳/۴۳۹، (مادة: طبق)

ابن منظور کہتے ہیں:

"كذلك طبقات الناس كل طبقة طبقت زمانها"۔^(۱)

”اسی طرح لوگوں کے طبقات ہیں کہ ہر طبقہ اپنے زمانے سے مطابقت رکھتا ہے۔“

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

"والطبقة في اللغة عبارة عن القوم المتشابهين"۔^(۲)

”لغت میں طبقہ ایسی قوم سے عبارت ہے جو ایک دوسرے سے متشابہ ہو۔“

حافظ ابن حجر العسقلانی کہتے ہیں:

"والطبقة في اصطلاحهم عبارة عن جماعة اشتركوا في السن و لقاء المشائخ"۔^(۳)

ان مؤرخین کی اصطلاح میں طبقہ ایسی جماعت سے عبارت ہے جو عمر میں اور مشائخ سے ملاقات میں ایک دوسرے کے شریک ہوں۔“

امام سخاوی لکھتے ہیں

"(والطبقة): في اللغة (القوم المتشابهون و في الاصطلاح المشتركون في الاخذ واللقى اما في اعيان الشيوخ او امثالهم و قراءهم فان اتفق الاشتراك في السن كما هو الغالب فذاك والا فالاعتبار باخذ"۔^(۴)

”طبقہ لغت میں متشابہ قوم کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ لوگ ہیں جو اخذ و لقاء میں ایک دوسرے کے شریک ہوں۔ یا تو وہ شیوخ میں شریک ہوں گے یا ان جیسے اور ان کے ہم زمانہ لوگوں میں شریک ہوں گے۔ اگر ان کا اشتراک عمر میں ہو جیسا کہ غالباً ہوتا ہے تو ٹھیک ہے وگرنہ ان کے اخذ کا اعتبار کیا جائے گا۔“

۱ - لسان العرب، ابن منظور، ۱۰/۲۱۱، (مادہ: طبق)

۲ - مقدمة ابن الصلاح، ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، الشحرزوری، دار الكتب العلمية، بيروت، ۲۰۰۲ء، ص ۵۰۰

۳ - نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ابن حجر، ابوالفضل، احمد بن علی، العسقلانی، مطبعہ سفیر، الرياض، ۱۴۲۲ھ، ص ۱۶۹

۴ - الدار الاثریہ، شرح التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر، السخاوی، شمس الدین، محمد بن عبد الرحمن،

امام سیوطی کہتے ہیں:

"(والطبقة) في اللغة (القوم المتشابهون) و في الاصطلاح: قوم تقاربوا في السن والإسناد أو في الإسناد فقط بأن يكون شيوخ هذا هم شيوخ الآخر، أو يقاربوا شيوخه" ^(۱)

”لغت میں طبقہ سے مراد متشابہ قوم ہے۔ اور اصطلاح میں وہ قوم ہے جو عمر میں اور اسناد میں یا صرف اسناد میں ایک دوسرے کے قریب ہوں۔ اس طرح کہ ان کے شيوخ ان کے بھی ہوں یا وہ ان کے شيوخ کے مقارب ہوں۔“
 طبقہ کی یہ سب سے بہترین تعریف ہے وہ اس لیے کہ اس تعریف میں تمام تعریفوں کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کیا گیا ہے۔
 قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ دو افراد ایک ہی استاذ سے حدیث روایت کرتے ہیں تو ان دونوں کو ایک ہی طبقے میں شمار کیا جائے گا۔

مذکورہ تمام تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ طبقات سے مراد ایسے افراد ہیں جو ایک دوسرے کے متشابہ ہوں یعنی ان کی عمریں ایک جیسی ہوں، ان کی اسناد میں مطابقت ہو اور لقاء شيوخ میں موافق ہو، ان کے اساتذہ ایک جیسے ہوں۔ بالفاظ دیگر ہم زمانہ، ہم پلہ، ہم پیشہ، ہم روایت اور ہم عمر کے افراد ایک طبقہ ہے۔

تحدید زمانی

طبقہ کا استعمال محدثین کے یہاں مختلف اعتبار سے کیا گیا ہے اس کے لیے کوئی زمانی تحدید متعین نہیں اور نہ ہی کوئی ضابطہ ہے، محدثین و مؤرخین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کی تحدید کر لی ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے چالیس سال کی مدت کو ایک طبقہ قرار دیا ہے۔ ^(۲)

اسلم بن سہل نے تاریخ واسطہ میں طبقہ کو صدی کے معنی میں استعمال کیا ہے اور جملہ رواۃ کو اپنے دور تک چار قرن میں تقسیم کیا ہے، جبکہ طبقہ کا استعمال ان کے ہاں قرن میں معروف تھا۔ ^(۳)

۱ - تدریب الراوی، السیوطی، جلال الدین، عبد الرحمن بن ابی بکر، دار طیبہ، الریاض، ۲/ ۹۰۹

۲ - البدایۃ والنہایۃ، أبو الفداء، إسماعیل بن عمر، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۶م، (سنن)، ۶/ ۲۵۲

۳ - تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ واسطہ، اسلم بن سہل، الواسطی، تحقیق: کورکیس عواد، مکتبۃ العلوم والحکم - مدینہ من

بعض حضرات مثلاً ابن حبانؒ نے، اس لفظ کو قوم کے معنی میں لیا ہے، اس طرح سے انہوں نے راویوں کو چار طبقوں صحابہ، تابعین، تبع تابعین، تابع اتباع التابعین میں تقسیم کیا ہے۔^(۱) اسی طرح امام حاکم نے بھی تاریخ نیشاپور میں کیا ہے۔^(۲)

جبکہ امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں دس سال کی مدت کو ایک طبقہ قرار دیا ہے۔^(۳) حافظ ابن حبان اور امام حاکم کے قول پر اللہ کے رسول ﷺ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے:

(إِنَّ خَيْرَكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُوهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُوهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُوهُمْ ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ

يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيُخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَنْذِرُونَ وَلَا يُؤْفُونَ وَيُظْهَرُ فِيهِمُ السِّمْنُ)^(۴)

ابن عساکر کہتے ہیں: قرن ایسے زمانہ والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی خاص مسئلہ میں مشترک ہو البتہ اس کی

زمانی تحدید میں حدیث مذکور سے ۲۰ سال تک کا صاف معلوم ہوتا ہے۔^(۵)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: عبد اللہ بن بسر کی روایت میں ہے کہ قرن صدی کو کہتے ہیں اور یہی مشہور بھی ہے۔

بعض کہتے ہیں: چونکہ عام طور سے لوگوں کی عمر ستر سال تک کی ہوتی ہے۔ اس لیے قرن کی متوسط مقدار ستر سال تک کی ہے اور یہی معتدل قول ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں: اس روایت میں قرن نبی ﷺ سے مراد صحابہ کا قرن ہے، اگر اس کا شمار رسول ﷺ کی وفات سے کی جائے تو آخری صحابی کی وفات تک تقریباً سو سال بن جاتے ہیں۔^(۶)

-
- ۱ - الثقات، محمد بن حبان، أبو حاتم، الدارمی، دائرة المعارف العثمانية بحیدر آباد، الهند، ۱۹۷۳ء، الطبعة الأولى، ۱/۳-
 - ۲ - تلخیص تاریخ نیشاپور، أبو عبد اللہ، الحاکم، محمد بن عبد اللہ، النیسابوری المعروف بابن البیج، تلخیص: أحمد بن محمد، المعروف بالخليفة النيسابوري، كتابخانه ابن سینا، طهران، (سن)، ص ۱۷
 - ۳ - تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ الاسلام، الذہبی، تحقیق: الدكتور بشار عواد معروف، دار الغرب الاسلامی، ۲۰۰۳ء، الطبعة الأولى، ۱۹۷/۲
 - ۴ - مختصر صحیح مسلم، عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ، أبو محمد، زکی الدین المنذری، تحقیق: محمد ناصر الدین الألبانی، المكتبة الإسلامية، بیروت، الطبعة السادسة، ۱۹۸۷ء، باب خیر القرون قرنی، ۲/۶۶۴
 - ۵ - تبیین کذب المفتری فیما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري، أبو القاسم، علی بن الحسن، المعروف بابن عساکر، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۴ھ، الطبعة الثانیة، ۱/۱۴۴
 - ۶ - مغنی المرید (الجامع لشرح کتاب التوحید للشیخ محمد بن عبد الوہاب)، عبد المنعم ابراہیم، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الریاض، ۲۰۰۰ء، الطبعة الاولى، ص ۳۱۸۹

اور تابعین کا قرن اگر سو سے شمار کیا جائے تو ۱۷۰-۱۸۰ تک جاتا ہے اور جو ان کے بعد ہیں ان کا دور تقریباً پچاس سال کا ہوتا ہے (یعنی جو ۲۲۰ھ-۲۳۰ھ تک کا دور ہوتا ہے) ^(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرن کی مقدار ہر زمانے میں اہل زمانہ کی عمر کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے جبکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ اتباع تابعین کا آخری دور ۲۲۰ھ تک کا ہے۔

بعض روایتوں میں "ثم الذین یلوہم" تین بار مذکور ہیں جس کی سند حسن ہے۔ اس سے تابع اتباع التابعین کا دور مراد ہو گا جو تقریباً تیسری صدی کے آخری چوتھائی تک پہنچتا ہے۔

محدثین کے طبقات

محدثین کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے، لیکن اس تقسیم میں بھی کوئی اتفاق نہیں، کسی نے جملہ صحابہ کو ایک طبقہ، اسی طرح سے تابعین اور تبع تابعین اور تابع اتباع التابعین میں سے ہر ایک کو ایک ایک طبقہ مان لیا ہے جو سب سے آسان تقسیم معلوم ہوتی ہے۔

کچھ حضرات نے صحابہ کو، اسی طرح سے تابعین و دیگر راویوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

اول: زمانے اور تاریخ کے اعتبار سے طبقات

۱۔ اس اعتبار سے راویان حدیث کے بارہ (۱۲) طبقات مقرر کیے گئے ہیں۔ چنانچہ اسماء و رجال کی کتب میں کسی راوی کا کوئی طبقہ بیان کیا جاتا ہے تو اُس سے مراد یہی تاریخی طبقات ہوتے ہیں۔ ان تاریخی طبقات کو سب سے پہلے حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تقریب التہذیب" میں بیان فرمایا، بعد کے حضرات نے انہی کا اتباع کیا۔ وہ بارہ (۱۲) طبقات یہ ہیں:

- ۱۔ طبقہ صحابہ: اس میں تمام صحابہ داخل ہیں، بلا فرق مراتب۔
- ۲۔ طبقہ کبار تابعین: کبار تابعین، جیسے: سعید بن مسیب وغیرہ۔
- ۳۔ طبقہ وسطیٰ تابعین: جیسے: حسن بصری، ابن سیرین وغیرہ۔
- ۴۔ طبقہ بعد وسطیٰ تابعین: جن کی روایات صحابہؓ سے تو کم مگر کبار تابعین سے زیادہ ہیں۔ جیسے: امام زہری، قتادہ وغیرہ۔

۵۔ طبقہ صغریٰ تابعین: وہ حضرات جنہوں نے ایک یا دو صحابہؓ کی زیارت تو کی ہو لیکن اُن سے روایات نہیں کیں۔ جیسے: سلیمان اعمش وغیرہ۔

۱۔ جرح و تعدیل، ڈاکٹر اقبال احمد، بسکوہری، دار القلم الماس کالونی روڈ، مدینہ کالونی، شاپ نمبر ۲، کوسہ

۶۔ طبقہ اخیر تابعین: وہ حضرات جو کہ پانچویں طبقہ کے معاصر (ہم زمانہ) ہیں لیکن انہوں نے کسی صحابی کی زیارت نہیں کی۔ جیسے: ابن جریج وغیرہ۔ درحقیقت یہ تابعی تو نہیں ہیں لیکن تابعین کے معاصر ہونے کی وجہ سے ان کو تابعین کے طبقات میں شمار کیا گیا ہے^(۱)۔

۷۔ طبقہ کبار تبع تابعین: جیسے: امام مالک، سفیان ثوری وغیرہ۔

۸۔ طبقہ وسطی تبع تابعین: جیسے: اسماعیل بن علیہ، سفیان بن عیینہ وغیرہ۔

۹۔ طبقہ صغریٰ تبع تابعین: جیسے: امام شافعی، امام عبد الرزاق وغیرہ۔

۱۰۔ طبقہ کبار اخیر تبع تابعین: جیسے: امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

۱۱۔ طبقہ وسطی اخیر تبع تابعین: جیسے: امام بخاری، امام ذہلی وغیرہ۔

۱۲۔ طبقہ صغریٰ اخیر تبع تابعین: جیسے: امام ترمذی اور ان کے معاصرین^(۲)۔

اسی مؤخر الذکر طبقے میں صحاح ستہ کے مؤلفین کے اساتذہ بھی شامل ہیں، جن کی وفات متاخر ہے، مثلاً امام نسائی کے شیوخ وغیرہ۔

ان راویوں کی تاریخ وفات کے بارے میں حافظ ابن حجر نے مندرجہ ذیل قاعدہ مرتب کیا ہے:

پہلا اور دوسرا طبقہ: پہلے سو سال کے اندر۔

تیسرے سے لیکر آٹھویں طبقے تک: پہلے سو سال کے بعد اور دو سو سال سے پہلے۔

نویں سے لیکر بارہویں طبقے تک: دو سو سال کے بعد^(۳)۔

ان بارہ طبقات میں سے پہلے دو طبقوں کے بیشتر رواۃ پہلی صدی ہجری کے ہیں۔ پھر تیسرے طبقہ سے آٹھویں طبقہ تک کے بیشتر رواۃ دوسری صدی ہجری کے ہیں۔ اور نویں طبقہ سے لے کر بارہویں طبقہ تک کے رواۃ تیسری صدی ہجری کے ہیں۔

۱۔ تقریب التہذیب، ابن حجر، تحقیق: محمد عوامة، دار الرشید، سوریا، ۱۹۸۶ء، ۱/۱۳۲؛

جرح وتعدیل، ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحاق، بسکوہری، ص ۴۵-۴۹

۲۔ ایضاً: ص ۴۵-۴۹

۳۔ تقریب التہذیب، ابن حجر، العسقلانی، تحقیق: عبد الوہاب عبد اللطیف، دار المعرفۃ، بیروت، جز اول، رمضان ۱۳۸۰ھ، ص

۸۰-۸۲؛ معجم اصطلاحات حدیث، ڈاکٹر سہیل حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پہلی اشاعت، ص ۲۳۶-۲۳۷

ان طبقات کے مقرر کرنے سے اسماء و رجال کے مصنفین کو بہت سہولت ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ کتبِ رجال کے مصنفین کا دستور ہے کہ وہ ہر راوی کے ساتھ اس کے اساتذہ اور شاگردوں کی ایک طویل فہرست نقل کرتے ہیں۔ اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی عبارت یوں ہوتی ہے :

روى فلان عن فلان وفلان ، اور شاگردوں کے تذکرے کے وقت ان کی عبارت یوں ہوتی ہے وغیرہ۔ روى عنه فلان وفلان لیکن جب اسماء و رجال پر مختصر کتب لکھی گئیں تو ان میں اساتذہ اور شاگردوں کی طویل فہرست لکھنے کے بجائے ، صرف تاریخی طبقہ بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس لیے اب راوی کے ساتھ صرف اتنا لکھنا کافی ہو جاتا ہے کہ ثقہ من الثالثہ ، وغیرہ ، یعنی وہ متوسط تابعین میں سے ہیں^(۱)۔

صحابہ کرامؓ کے طبقات کی تعداد کے بارے میں اہل علم میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض اہل علم نے اسلام قبول کرنے کے وقت یا ہجرت کے وقت کے اعتبار سے انہیں طبقات میں تقسیم کیا ہے اور بعض دیگر اہل علم نے اپنے اجتہاد کے مطابق کسی اور بنیاد پر ایسا کیا ہے۔ ابن سعد نے صحابہ کو پانچ طبقات اور حاکم نے بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے^(۲)

طبقات صحابہ باعتبار علم و عمر:

رسول اللہ ﷺ سے پہلے پیدا ہونے والے صحابہ جیسے سیدنا حمزہ و عباسؓ

رسول اللہ ﷺ کے ہم عمر صحابہ جیسے سیدنا ابو بکرؓ، عثمانؓ۔

رسول اللہ ﷺ سے دس پندرہ سال چھوٹے صحابہ جیسے سیدنا عمرؓ۔

رسول اللہ ﷺ سے بیس تیس سال چھوٹے صحابہ جیسے سیدنا علیؓ۔

رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کے آخری حصے میں پیدا ہونے والے صحابہ جیسے سیدنا حسنؓ و حسینؓ اور عبد اللہ

بن زبیرؓ۔

۲: طبقات صحابہ باعتبار قبول اسلام:

سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ جیسے سیدنا ابو بکرؓ، علیؓ، خدیجہؓ اور زید بن حارثہؓ۔

سابقون الاولون یعنی ابتدائی تین سالوں میں اسلام قبول کرنے والے صحابہ جیسے سیدنا عثمانؓ، مقداد بن اسودؓ، بلالؓ۔

ہجرت حبشہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ

باقی مکی دور میں اسلام قبول کرنے والے صحابہ

۱- جرح و تعدیل، ڈاکٹر اقبال، ص ۴۵-۴۹

۲- تفصیل کے لیے دیکھئے: الطبقات الکبریٰ، أبو عبد اللہ، محمد بن سعد، المعروف بابن سعد، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب

العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۰ء، الطبعة الأولى؛ معجم اصطلاحات حدیث، ڈاکٹر سہیل حسن، ص: ۲۳۳/۲۳۴

انصار کے سابقون الاولون جیسے سیدنا سعد بن زرارہؓ اور سعد بن معاذؓ
 ہجرت کے بعد اور جنگ بدر سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ
 جنگ بدر اور جنگ احد سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ
 جنگ احد کے بعد اور صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ
 صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ جیسے سیدنا خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن عاصؓ
 فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے صحابہ جیسے سیدنا سہیل بن عمروؓ، عکرمہ بن ابو جہلؓ، ابوسفیانؓ
 سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ
 آزاد مردوں میں: سیدنا ابو بکر صدیقؓ
 بچوں میں: سیدنا حضرت علیؓ
 خواتین میں: ام المومنین سیدہ خدیجہؓ
 آزاد کردہ غلاموں میں: سیدنا زید بن حارثہؓ
 غلاموں میں: سیدنا بلالؓ بن رباح^(۱)
 سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابہ

سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی سیدنا عامر بن واثلہ اللیثی ہیں جنہوں نے مکہ میں ۱۰۰ھ میں وفات
 پائی۔ اکثر اہل علم کی رائے کے مطابق ان سے پہلے وفات پانے والے آخری صحابی سیدنا انسؓ بن مالک ہیں جنہوں نے ۹۳ھ
 میں بصرہ میں وفات پائی^(۲)

طبقات تابعین

تابعین کے طبقات کی تعداد کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ ہر عالم نے الگ انداز میں انہیں طبقات میں
 تقسیم کیا ہے۔ امام مسلم نے انہیں تین^(۳)، ابن سعد نے چار^(۴) اور امام حاکم نے پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں
 سب سے افضل تابعی انہیں سمجھا جاتا ہے جنہیں عشرہ مبشرہ کے صحابہ سے شرف صحبت حاصل ہو۔^(۵)

- ۱- تفصیل کے لیے دیکھئے: الطبقات الکبریٰ ابن سعد؛ مجمع اصطلاحات حدیث، ڈاکٹر سہیل حسن، ص ۲۳۳-۲۳۴
- ۲- تیسیر مصطلح الحدیث، الدكتور محمود الطحان، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض، (س ن)، ص ۱۰۸
- ۳- تفصیل کے لیے دیکھئے: الطبقات، امام مسلم بن الحجاج، دار الهجرة للنشر والتوزیع، (س ن)، ۱/ ۲۲۷-۳۹۸
- ۴- تفصیل کے لیے دیکھئے: الطبقات الکبریٰ، ابن سعد
- ۵- معرفة علوم الحدیث، امام حاکم، تحقیق: السید معظم حسین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۷۷م، ص ۱۶۱

مخضرمین

مخضرمین، مخضرم کی جمع ہے۔ اس کا مطلب ہے ایسے افراد جو جاہلیت اور پھر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود رہے ہوں لیکن ان کی آپ سے ملاقات نہ ہوئی ہو (لیکن وہ آپ پر ایمان لے آئے ہوں)۔ صحیح نقطہ نظر کے مطابق مخضرمین کو تابعین میں شمار کیا جاتا ہے۔ امام مسلمؒ کی رائے کے مطابق مخضرمین کی تعداد بیس ہے لیکن درست یہ ہے کہ ان کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ ابو عثمان النہدی اور اسود بن یزید کا شمار انہی میں ہوتا ہے۔^(۱)

دوم: قوتِ حفظ اور صحبتِ شیخ کے اعتبار سے طبقات:

اس حیثیت سے راویوں کے پانچ (۵) طبقات ہیں۔

- ۱۔ قوی الضبط، کثیر الملازمہ: جن کا حافظہ بھی قوی ہو اور انہوں نے اپنے استاد (شیخ) کی صحبت بھی زیادہ حاصل کی ہو۔
 - ۲۔ قوی الضبط، قلیل الملازمہ: جن کا حافظہ تو قوی ہو لیکن انہوں نے اپنے شیخ کی صحبت زیادہ حاصل نہ کی ہو۔
 - ۳۔ قلیل الضبط، کثیر الملازمہ: جن کا حافظہ تو کم ہو البتہ انہوں نے اپنے شیخ کی صحبت زیادہ حاصل کی ہو۔
 - ۴۔ قلیل الضبط، قلیل الملازمہ: جن کا حافظہ تو کم ہو ہی، اس کے علاوہ انہوں نے صحبتِ شیخ بھی کم حاصل کی ہو۔
 - ۵۔ ضعفاء ومجاہیل: ضعیف (روایت میں کمزور یا مجروح) اور مجہول (نامعلوم یا غیر موثوق) راوی۔^(۲)
- انہی طبقاتِ خمسہ کے اعتبار سے، صحاح ستہ کا درجہ استناد معین کیا گیا ہے۔
- امام بخاری کا معمول یہ ہے کہ وہ مستقلاً صرف پہلے طبقہ کی روایات لاتے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی استشہاد کے طور پر دوسرے طبقہ کو بھی لے آتے ہیں۔ اس لیے صحت کے اعتبار سے ان کی جامع (صحیح بخاری) سب پر مقدم ہے۔^(۳)
- امام مسلم کا معمول یہ ہے کہ وہ پہلے دو طبقات کو تو بلا تکلف لاتے ہیں، البتہ انہوں نے کہیں کہیں شاذ و نادر بطور استشہاد، تیسرے طبقہ کو بھی لیا ہے۔ اس لیے صحت کے اعتبار سے ان کی کتاب (صحیح مسلم) دوسرے نمبر پر ہے۔^(۴)
- امام نسائی پہلے تین طبقات کو مستقلاً لاتے ہیں، اس لیے ان کی کتاب (سنن نسائی) تیسرے نمبر پر ہے۔^(۵)

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث، عبد الرحمن، ابن الصلاح، تحقیق: عبد اللطیف، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲م، ۱/۲۰۷-۲۰۸

۲۔ صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین، الاستاذ محمد عبدہ، الفلاح، الفیروز پوری، ادارہ علوم اثریہ، لائلپور، (سن)، ص ۹-۱۰

۳۔ شروط الأئمة الستة، محمد بن طاہر، المقدسی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۴ء، ط ۱/ ص ۱۷-۱۸

۴۔ ایضاً: ص ۱۸-۱۹

۵۔ شروط الأئمة الستة، محمد بن طاہر، المقدسی، ص ۲۶-۲۷

امام ابو داؤد نے چونکہ تینوں طبقات کے ساتھ استشہاد کے طور پر چوتھے طبقہ کی روایات بھی لی ہیں، اس لیے اُن کی کتاب (سنن ابی داؤد) چوتھے نمبر پر ہے۔^(۱)

امام ترمذی چوتھے طبقہ کو مستقلاً اور بعض مقامات پر پانچویں طبقہ کو بھی لے آئے ہیں، اس لیے اُن کی کتاب (جامع ترمذی) پانچویں نمبر پر ہے۔^(۲)

امام ابن ماجہ نے چونکہ پانچویں طبقہ کی روایات بلا تکلف اور مستقلاً ذکر کی ہیں، اس لیے اُن کی کتاب (سنن ابن ماجہ) چھٹے نمبر پر ہے۔ ابن ماجہ میں ضعیف اور منکر روایات کا بڑا اجتماع ہے، بلکہ اس میں بعض نے ۲۱ اور بعض نے پچیس ۲۵ بتلائی ہے۔ اس لیے محدثین کے ایک طبقہ نے اسے صحاح میں شامل نہیں کیا، بلکہ اس کی جگہ بعض نے مؤطا امام مالک اور بعض نے مسند دارمی کو رکھا ہے۔ لیکن ابن ماجہ کی حسن ترتیب کی بناء پر جمہور کار جحان اسے صحاح میں شامل کرنے کا رہا ہے۔^(۳)

مبحث کا تجزیہ

اس مبحث میں طبقہ کی لغوی اور اصطلاحی مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مختلف اعتبار سے طبقات کی تقسیم (قوت حفظ اور صحبت شیخ کے اعتبار سے، زمانے اور تاریخ کے اعتبار سے)، تحدید زمانی پر بحث کے بعد بارہ طبقات کا ذکر کیا اور پھر طبقات صحابہ کو باعتبار علم و عمر اور قبول اسلام کے اعتبار سے تقسیم کے کے مزید واضح کیا اور ان کی امثلہ ذکر کی ہیں۔

آخر میں آئمہ صحاح ستہ کے اخذ حدیث کا طریقہ کار اور قبول حدیث کی شروط بیان کر دی گئی ہے، جس سے ان کی وجہ ترجیح اور مراتب واضح ہوتے ہیں۔

۱ - شروط الأئمة الستة، محمد بن طاہر، المقدسی، ص ۱۹-۲۰

۲ - ایضاً: ص ۲۱-۲۲

۳ - ایضاً: ص ۲۲-۲۶

مبحث دوم: طبقات مؤرخین

اسلامی مؤرخین کے طبقات

مؤرخ کی لغوی تعریف:

مؤرخ لغت میں فاعل کا صیغہ ہے جو باب ارن یورخ مورخ سے ہے۔ (من یورخ لاحداث العرب ومعارکهم) (ای العالم بالتاریخ) وہ شخص جو عرب کے واقعات اور جنگوں کے بارے میں تاریخ لکھے یعنی تاریخ کا عالم ہو^(۱)۔

مؤرخ کی اصطلاحی تعریف:

مورخ وہ عالم ہوتا ہے جو تاریخ کو پڑھتا، پڑھاتا اور لکھتا بھی ہو، اور تاریخی امور میں مرجع خلافت ہو جیسا کہ علامہ طبری، ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ ہیں^(۲)۔

شراط مؤرخ

علامہ تاج الدین سبکی "قاعدة فی المؤرخین نافعة جداً" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں کہ اہل تاریخ بعض دفع کچھ لوگوں کو ان کے مقام و مرتبہ سے گرا کر اور کچھ کو اونچا کر کے پیش کرتے ہیں، یہ یا تو تعصب، یا جہل، یا غیر موثوق راوی کے نقل پر اعتماد محض وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے، شاید ہی کسی تاریخ کو آپ اس سے خالی پائیں گے اس بارے میں صحیح و صائب رائے ہمارے نزدیک یہ ہے کہ چند شرائط کے بغیر مؤرخین کی نہ مدح قبول کی جائے اور نہ ہی جرح، وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) مؤرخ صادق ہو۔

(۲) روایت باللفظ پر اعتماد کیا ہو نہ کہ روایت بالمعنی پر۔

(۳) اس کی نقل کردہ روایت مجلس مذاکرہ میں سن کر بعد میں نہ لکھی گئی ہو۔

(۴) جس سے نقل کر رہا ہو اس کے نام کی صراحت کرے۔

(۵) اپنی طرف سے کسی کے حالات بیان نہ کرے۔

(۶) تراجم میں کثرت نقل کو اختیار نہ کرے۔

(۷) مترجم لہ کے علمی اور دینی حالات سے پوری طرح واقف ہو۔

(۸) حسن تعبیر کا مالک ہو اور الفاظ کے مدلولات سے واقف ہو۔

۱- معجم متن اللغة (موسوعة لغوية حديثة)، أحمد رضا، دار مكتبة الحياة، بيروت، ۱۹۶۰ء، ۵/۳۶

۲- المفصل فی فلسفۃ التاریخ، الدكتور، ہاشم یحییٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، (سن)، ص ۳۴-۳۵

(۹) حسن تصور والا ہو یہاں تک کہ مترجم لہ کے تمام حالات اس کے سامنے ہوں، اس کے بارے میں ایسی عبارت لائے جو نہ اسے اس کے حقیقی مقام سے اونچا کرے اور نہ گرا دے۔

(۱۰) خواہش پرستی کا شکار نہ ہو کہ وہ اس کو اپنی محبوب شخصیت کی مدح میں اطناب اور دیگر کے بارے میں تقصیر پر مجبور کرے، یا تو ہوئی سے بالکل پاک ہو یا اس میں ایسا عدل ہو جو اس کے ہوئی کو مغلوب کر کے انصاف پر مجبور کرے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل عربوں کے یہاں تاریخ کے فن میں کوئی چیز نہیں تھی سوائے جاہلیت کی چند خبروں کے جو زبانی روایت کی شکل میں نسل در نسل منتقل ہوتی آئی تھی، اور جو ان کے درمیان عام تھیں۔ مثلاً ان کے آباؤ اجداد کے واقعات اور انساب اور ان سے متعلق مشہور ایسے قصے جن سے ان کی شجاعت، سخاوت اور وفاداری کا اظہار ہوتا تھا یا خانہ کعبہ، زمزم اور قبیلہ جزم کے بارے میں ان تک پہنچنے والی معلومات یا ان خاندانوں کا تذکرہ جنہیں یکے بعد دیگرے قبیلہ قریش کی سرداری حاصل رہی، یا سد مارب کے ٹوٹ جانے کا واقعہ جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں لوگ مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے وغیرہ۔ ان چیزوں کے بارے میں ان کی زبانی روایت تحریری نوشتوں کا متبادل بن گئی تھی لوگ انہیں سنتے یاد رکھتے۔ اور دوسروں کو سناتے تھے^(۱)۔

نبی ﷺ اور آپ کی دعوت کے ظہور سے تاریخ کا ایک نیا سرچشمہ منظر عام پر آیا اور وہ آپ ﷺ کی ولادت، حیات طیبہ اور اس کی سرگرمیوں (اللہ کی راہ میں جہاد، مشرکین اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ ٹکراؤ، توحید کی دعوت اور اس پر زبانی اور مسلح مخالفتوں کے اثرات وغیرہ) سے متعلق صحابہ کرام کے بیانات یہ چیزیں اولاً تاریخ کا، ثانیاً سیرت کا مواد بنیں۔ اس بنا پر ہم آنے والے سطور میں مؤرخین اسلام کو درجہ ذیل ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلی صدی ہجری کے مؤرخین

چونکہ عہد صحابہ پہلی صدی ہجری پر مشتمل ہے، اس وجہ سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کے دور ہی میں کوئی مورخ پیدا ہو تا جو اس دور کے واقعات پر کتابیں لکھتا لیکن مسئلہ یہ ہوا کہ اس دور میں کاغذ کمیاب تھا اور کتابیں لکھ کر پھیلانے کا رواج نہ تھا۔ قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب تھی جو لکھی ہوئی صورت میں موجود تھی۔ احادیث نبویہ کو بعض لوگوں نے اپنے رجسٹروں میں لکھ رکھا تھا اور اس کی حیثیت ذاتی ڈائری کی تھی۔ اس وجہ سے ہمیں پہلی صدی ہجری میں نمایاں مورخ نظر نہیں آتا۔ پہلی صدی میں مؤرخین کی عدم دستیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ تاریخ کا ذوق رکھنے والے مسلمانوں کا زیادہ تر توجہ احادیث نبویہ پر تھا۔ انہیں پڑھنا، پڑھانا، یاد کرنا، اگلی نسلوں تک منتقل کرنا ہی ان کے نزدیک اہم کام تھا۔ تاریخی واقعات کی یاد چونکہ ابھی تازہ تھی، اس وجہ سے انہیں اس کی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ ان سے متعلق روایات کو

کوئی شخص اکٹھا کر کے کتاب لکھے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی صدی ہجری میں یہ روایات بکھری رہیں اور لوگ احادیث کے ساتھ ساتھ انہیں بھی روایت کرتے رہے تاہم بعض ایسی شخصیات اس دور میں پیدا ہوئیں جنہوں نے حدیث اور تاریخ پر غیر معمولی کام کیا۔

اب ہم مؤرخین کو ذیل میں ذکر کرتے ہیں

۱- ابن شہاب الزہری (۵۸-۱۲۴ھ / ۶۷۸-۷۴۲ع)

پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی کے اوائل میں محمد بن مسلم بن شہاب الزہری کی شخصیت ایسی ہے جو فن حدیث میں نمایاں ہوئی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زہری اپنے دور میں علم روایت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ بنو امیہ کے خلفاء ولید اور سلیمان کے قریب رہے۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے زہری سے فرمائش کی کہ وہ احادیث نبویہ کو اکٹھا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کی بہت بڑی تعداد زہری سے مروی ہے اور مؤطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتابوں میں ان کی مرویات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے زہری پر تنقید کی ہے مگر امت کے اہل علم کی غالب اکثریت نے ان پر اعتماد کیا ہیں۔

ابن شہاب زہری سے بعض تاریخی روایات بھی منقول ہیں مگر ان روایتوں میں ایک مسئلہ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جنگ جمل، صفین، تحکیم وغیرہ کے واقعات ۳۶-۳۸ھ / ۶۵۷-۶۵۹ء میں پیش آئے جبکہ زہری کی پیدائش ۵۸ھ / ۶۷۸ء کی ہے۔

زہری جب ان واقعات کی کوئی تفصیل بیان کرتے ہیں تو سند بیان کرنے کی بجائے براہ راست اس واقعے کی تفصیلات بیان کرنے لگتے ہیں۔ وہ اس شخص کا نام نہیں بتاتے جس سے انہوں نے یہ واقعہ سن رکھا ہے۔ ان واقعات میں سے بہت سے ایسے ہیں جن میں کسی نہ کسی خاص صحابی کی کردار کشی ملتی ہے۔ چونکہ زہری ان واقعات کے عینی شاہد نہیں ہیں، اس وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ جس شخص سے انہوں نے وہ واقعہ سنا، وہ کس درجے میں قابل اعتماد تھا۔ عین ممکن ہے کہ زہری نے یہ واقعات اپنے بچپن یا جوانی میں ایسے لوگوں سے سنے ہوں جو بعض صحابہ کے خلاف بغض رکھتے ہوں اور ان کے خلاف اٹھنے والی باغی تحریک کا حصہ ہوں۔^(۱)

یہی وجہ ہے کہ ایسی منقطع سند کے واقعات قابل اعتماد نہیں ہیں۔

۲- یونس بن یزید الایلی (۱۵۲ھ / ۷۶۹ع)

یہ ابن شہاب زہری کے شاگرد خاص تھے اور ان کی کتابوں کے حافظ تھے۔ ویسے تو ان کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے لیکن چونکہ یہ ابن شہاب الزہری کی تاریخی روایات کا اہم حصہ انہی سے مروی ہے، اس وجہ سے ان کا ذکر یہیں کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ بعض ائمہ جرح و تعدیل نے انہیں قابل اعتماد قرار دیا ہے تاہم جن لوگوں نے ان کے معاملے میں تحقیق کی ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان کا حافظہ کمزور تھا۔

امام احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ یونس نے زہری کی روایات لکھنے میں بکثرت غلطیاں کی ہیں اور بڑی منکر (یعنی عجیب و غریب) قسم کی روایات بیان کی ہیں۔^(۱)

زہری سے جتنی بھی ایسی منقطع تاریخی روایات منقول ہیں، جن میں صحابہ کرام کی کردار کشی ہے، تقریباً ان سب کو یونس بن یزید الایلی نے روایت کیا ہے۔

دوسری صدی ہجری میں علم تاریخ

دوسری صدی ہجری میں مسلم دنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب آیا جس نے لوگوں کے رہن سہن پر غیر معمولی اثرات مرتب کیے۔ ماوراء النہر (موجودہ ازبکستان، تاجکستان وغیرہ) کے علاقے میں مسلم فوج کی ایک جھڑپ چین کی فوج کے ساتھ ہوئی۔ اس جنگ میں بعض ایسے چینی فوجی مسلمانوں کے جنگی قیدی بنے جو کاغذ بنانے کے ماہر تھے۔ ان قیدیوں سے مسلمانوں نے کاغذ بنانے کا فن سیکھا۔ چونکہ مسلم دنیا میں کاغذ کی مانگ بہت زیادہ تھی، اس وجہ سے بہت تیزی سے کاغذ بنانے کے کارخانے یہاں پھیل گئے اور بڑی مقدار میں سستا کاغذ بنایا جانے لگا جس کی وجہ سے مسلم دنیا میں تعلیم، تحقیق اور زندگی کے دیگر شعبوں پر غیر معمولی اثرات مرتب کیے۔

اس سے پہلے لوگ محض ذاتی کتابچے کے طور پر اپنے علم کو لکھ لیا کرتے تھے۔ جب طالب علم اپنے استاد سے کچھ سیکھتا تو اسے اپنے کتابچے میں لکھ لیتا اور بسا اوقات استاد کو پڑھ کر سنا بھی دیتا تا کہ کسی غلطی کا امکان نہ رہے۔

دوسری صدی ہجری کا نصف آخر اور تیسری صدی کے نصف اول میں تصنیف و تالیف کا کام بڑے پیمانے پر کیا جانے لگا جن میں تاریخی کتب بھی شامل تھیں۔ کتابوں کو تجارتی بنیاد پر نقل کیا جانے لگا اور ”واقین“ کا ایک طبقہ وجود میں آیا۔ یہ کتابوں کی ہاتھ سے نقلیں تیار کرنے کے ماہر تھے اور انہوں نے باقاعدہ اپنا بازار بنالیا۔ اگر کسی عالم کو اپنی کتاب

۱ - سیر الاعلام النبلاء، شمس الدین ذہبی، تحقیق: شعیب الارناؤط و دیگر، ترجمہ نمبر ۱۲۶، مؤسسة الرسالة،

کی مثلاً سوکاپیاں تیار کروانا ہوتیں تو وہ ان وراقین کے پاس آتے اور انہیں اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ دیتے۔ یہ وراقین اس کام کو آپس میں بانٹ لیتے اور چند ہی دنوں میں یہ سوکاپیاں تیار کر کے عالم کو دے دیتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دھڑا دھڑا کتابیں لکھی جانے لگیں اور انہیں بآسانی منتقل کیا جانے لگا۔

دوسری صدی ہجری کے نصف آخر میں ہمیں نظر آتا ہے کہ کتابیں لکھنے کے عمل کا آغاز ہوا اور تیسری صدی ہجری کے اوائل اور نصف میں جب کتابیں بڑے پیمانے پر لکھی جانے لگیں تو ان کا اسلوب وہی تھا جو اس سے پہلے زبانی روایت کا چلا آ رہا تھا۔ سب سے پہلے تو ضرورت اس امر کی محسوس ہوئی کہ جو کچھ علم اب تک زبانی یا ذاتی کتابچوں کی صورت میں چلا آ رہا ہے، اسے مرتب کر لیا جائے۔ چنانچہ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب، شاعری، فلسفہ غرض ہر علم میں جو کچھ دستیاب تھا، اسے لکھا جانے لگا۔ حدیث اور تاریخ کے میدان میں پہلے مرحلے پر ان روایات کو اکٹھا کیا گیا۔ اہل علم کی سوچ یہی تھی کہ علم کو مرتب کیا جائے، مستند و غیر مستند کو بعد میں اگلے مرحلے پر دیکھ لیا جائے گا۔ یہ مرحلہ دوسری صدی کے آخر سے شروع ہو کر پانچویں صدی کے آخر تک جاری رہا اور اس عمل میں تین سو سال لگے۔

دوسری صدی ہجری میں ایسے مورخین سامنے آئے جنہوں نے تاریخ پر کتابیں لکھنا شروع کیں اور روایتیں اکٹھی کیں۔ مناسب ہو گا کہ اس موقع پر ہم ان مورخین کا تعارف کروادیں اور ان کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کی آراء بھی نقل کر دیں۔

ائمہ جرح و تعدیل سے ہماری مراد وہ محققین ہیں جنہوں نے احادیث اور تاریخی روایات کے راویوں پر تحقیق کر کے اپنی زندگیاں صرف کیں اور ان کے بارے میں یہ تفصیلات بیان کیں کہ یہ لوگ کس درجے میں قابل اعتماد تھے۔

ان ائمہ کرام میں

احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱/۸۰-۸۵۵ء)

ابن معین (۱۵۶-۲۳۳/۷۷-۸۲۷ء)

بخاری (۱۹۴-۲۵۶/۸۱۰-۸۷۰ء)

ابن المدینی (۱۶۱-۲۳۴/۷۷-۸۴۸ء)

ابو حاتم الرازی (۱۹۵-۲۷۷/۸۱۰-۸۹۰ء)

نسائی (۲۱۴-۳۰۳/۸۲۹-۹۱۵ء)

اور دارقطنی (۳۰۶-۳۸۵/۹۱۸-۹۹۵)

شامل ہیں۔

یہ سب تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے مشہور ائمہ جرح و تعدیل ہیں اور ان کی رائے فن جرح و تعدیل میں مستند کا درجہ رکھتی ہے۔

مورخین اور راویوں کے بارے میں یہ تفصیلات ہم فن رجال کی کتابوں سے فراہم کر رہے ہیں اور مشہور ائمہ جرح و تعدیل، جنہوں نے مختلف راویوں کے حالات اور ان کے قابل اعتماد ہونے یا نہ ہونے پر گہری تحقیق کی ہے، ان کی آراء یہاں پیش کر رہے ہیں۔

۱- محمد بن اسحاق (۸۵-۱۵۱ھ/۷۰۳-۷۶۸ع)

مشہور عالم ہیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر ایک مفصل کتاب لکھی تھی جس کا جزوی حصہ اب بھی موجود ہے۔ دور صحابہ کی تاریخ کے بارے میں ان سے زیادہ روایات مروی نہیں ہیں۔

ان کے بارے میں محدثین اور ماہرین جرح و تعدیل کے مابین اختلاف ہے کہ یہ ثقہ تھے یا نہیں تھے۔ علی بن مدینی اور ابن شہاب زہری نے انہیں سب سے بڑا عالم قرار دیا ہے۔ سفیان بن عیینہ انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس امام مالک (۹۳-۱۷۹/۷۱۱-۷۹۵ع) جو ان کے ہم عصر تھے، انہیں ”دجال“ کا لقب دیتے ہیں۔ ان پر شیعہ اور فرقہ قدریہ کا الزام ہے اور اس کے علاوہ ان پر تدلیس (غیر ثقہ راوی کا نام چھپالینا تاکہ یہ لگے کہ حدیث مستند ہے) کے ارتکاب کا الزام بھی ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ثقہ تو تھے مگر حجت نہیں تھے۔^(۱)

۲- محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰-۲۰۷ھ/۷۴۷-۸۲۳ع)

دوسری صدی کے سب سے مشہور مورخ محمد بن عمر الواقدی ہیں۔ یہ صاحب بغداد کے قاضی تھے اور بڑے عالم تھے۔ انہوں نے بڑی محنت سے ایک ایک شہر اور ایک ایک گاؤں میں جا کر تاریخی روایتیں اکٹھی کیں اور اس پر کتابیں لکھیں۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے یہ کتب دوسری صدی کے نصف آخر میں لکھی گئی ہوں گی۔ انہوں نے روایات کی تفتیش و تنقید بالکل نہیں کی بلکہ جو کچھ ملا، اسے لکھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ واقدی کو ماہرین جرح و تعدیل نے نہایت ہی ناقابل

۱- میزان الاعتدال، امام ذہبی، تحقیق: علی محمد الجاوی، راوی نمبر: ۱۹۷، ۳/۶۶۸

اعتماد اور غیر ثقہ قرار دیا ہے۔ واقدی کی تصانیف ہم تک نہیں پہنچیں تاہم ان کی روایات بعد کے دور کی تصانیف کا حصہ بن گئیں۔

واقدی کے بارے میں احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ یہ کذاب ہے۔
ابن معین انہیں ثقہ نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ان کی روایت کبھی نہ لکھو۔
بخاری اور ابو حاتم انہیں متروک قرار دیتے ہیں۔
ابن المدینی، ابو حاتم اور نسائی کہتے ہیں کہ یہ روایتیں گھڑا کرتے تھے۔
دارقطنی کہتے ہیں کہ ان میں ضعف پایا جاتا ہے۔^(۱)

۳۔ علی بن محمد المدائنی (۱۳۵-۲۲۵ھ/ ۷۵۲-۸۲۰)

یہ بھی دوسری صدی کے مورخ ہیں۔ مذکورہ بالا ابن الندیم^(۲)، جو کہ اپنے زمانے کی لائبریری سائنس کے ماہر تھے اور انہوں نے اپنے زمانے تک کی کتب کی ایک مفصل فہرست تیار کی ہے، انہوں نے مدائنی کی ۲۳۹ تصانیف کے نام گنوائے ہیں۔

ابن عدی ان کے بارے کہتے ہیں:

”یہ حدیث کے معاملے میں قوی نہیں ہیں، اخباری ہیں اور ان کی روایات میں سے کم ہی ہیں جن کی سند مکمل ہے۔“

یحییٰ بن معین نے البتہ انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔^(۳)

۱۔ تقریب التہذیب، محمد بن احمد بن حجر العسقلانی، تحقیق: محمد عوالیہ، دار الرشید، سوریا، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶م، الطبعة الأولى، ص ۴۹۸

۲۔ محمد بن اسحاق بن ندیم (وفات: ۹۹۵ء) جو ابن ندیم کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا پورا نام ابو الفراج محمد ابن اسحاق بن ندیم تھا۔ ابن ندیم بغداد کے باشندے تھے۔ اس نے عربی زبان کی پہلی انسائیکلو پیڈیا الفہرست تصنیف کی۔ الفہرست میں بے شمار مصنفوں کی اور ان کتب کا ذکر ہے جو اب ناپید ہو چکی ہیں۔ ابن ندیم دسویں صدی عیسوی کے عرب تھے۔ ابن ندیم خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک مستند موسیقار کی حیثیت سے بھی اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

(<https://ur.wikipedia.org> تاریخ ۳ اگست ۲۰۲۰، بوقت ۱۶:۱۷ ایم)

۳۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، راوی نمبر: ۵۹۲۱، ۳/ ۱۵۷

۴- ابو مخنف لوط بن یحییٰ (۷۸۷ھ/۷۸۷ع)

یہ دوسری صدی کے مشہور ترین مورخ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بنو امیہ سے متعلق جتنی بھی منفی نوعیت کی روایتیں ملتی ہیں، ان کا غالب حصہ انہی سے مروی ہے۔ جنگ صفین، واقعہ تحکیم، سانحہ کربلا، سانحہ حرہ اور اس کے بعد کے

واقعات کا زیادہ تر حصہ تاریخ طبری میں انہی سے مروی ہے۔

ابو مخنف کے متعلق علماء اہل سنت کی رائے

دارقطنی نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

ابن معین کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہیں۔

ابن عدی نے انہیں غالی شیعہ قرار دیا ہے۔^(۱)

ابو مخنف کے متعلق علماء اہل تشیع کی رائے

ابو مخنف کے متعلق اہل تشیع کے ایک مصنف قمر بخاری صاحب لکھتے ہیں:

ابو مخنف کا نام، لوط بن یحییٰ بن سعید بن مخنف بن سلیم ازدی ہے۔ ان کا اصلی وطن کوفہ ہے اور ان کا شمار دوسری صدی ہجری کے عظیم محدثین اور مورخین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد سے اموی حکومت کے آخری دور تک کے اہم حالات و واقعات پر کتابیں لکھیں، جیسے کتاب المغازی، کتاب السقیفہ، کتاب الردہ، کتاب فتوح الاسلام، کتاب فتوح العراق، کتاب فتوح خراسان، کتاب الشوری، کتاب قتل عثمان، کتاب الجمل، کتاب صفین، کتاب مقتل امیر المؤمنین، کتاب مقتل الحسن، کتاب مقتل الحسین۔ جو مجموعی طور پر اٹھائیس کتابیں ہیں اور ان کی تفصیل علم رجال کی کتابوں میں موجود ہے۔

مثلاً تاریخ طبری میں ابو مخنف سے مجموعی طور پر پانچ سو سے زیادہ روایتیں موضوعات پر نقل ہوئی ہیں، اور ان نقل شدہ روایات میں سے اکثر کا تعلق، جو کہ تقریباً ایک سو چھپیس روایتیں ہیں، حضرت علی علیہ السلام کے دوران حکومت کے حالات و واقعات سے ہے۔ ایک سو اٹھارہ روایتیں واقعہ کربلا اور ایک سو چوبیس روایتیں حضرت مختار کے قیام کے بارے میں ہیں۔^(۲)

۱- میزان الاعتدال فی نقد الرجال، راوی نمبر: ۶۹۹۲، ۳/۴۱۸

۲- مورخ ابی مخنف پر اک نظر، قمر بخاری، لنک:

جو بات یقینی ہے وہ یہ کہ ابو مخنف کے پردادا ”مخنف بن سلیم“ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے اور آپ کی طرف سے شہر اصفہان کے گورنر مقرر ہوئے اور جنگ جمل کے دوران حضرت علیؑ کی فوج میں قبیلہ ازد کے دستہ کی سالاری کے فرائض انجام دیتے ہوئے اس جنگ میں شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔

اہل تشیع کی علم رجال سے متعلق کتابوں سے یہ بات عیاں ہے کہ ابو مخنف ایک قابل اعتماد شخص تھے، شیخ نجاشی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ابو مخنف کوفہ کے بزرگ راویوں کے شیوخ (اساتذہ) میں سے ہیں ان کی روایت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

آیت اللہ خوئی نے بھی انہیں ثقہ کہا ہے اور شیخ طوسی سے ابو مخنف تک جو سند ہے اسے آپ نے صحیح جانا ہے۔^(۱) لیکن بعض علماء اہل سنت نے ان کے شیعہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی روایت کو متروک قرار دیا ہے اور بعض افراد نے ان کے شیعہ ہونے کا ذکر کیے بغیر ان کی روایت کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ،

یحییٰ بن معین کا کہنا ہے:

ابو مخنف لیس بٹنی یعنی ابو مخنف قابل اعتماد نہیں ہیں۔

اور ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہیں۔

اور دوسروں سے بھی اس بات کو نقل کیا ہے کہ وہ ”متروک الحدیث“ ہیں۔

ابن عدی، یحییٰ بن معین کا قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ گذشتہ علماء بھی اسی بات کے قائل ہیں، اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ ابو مخنف ایک افراطی قسم کے شیعہ ہیں، ان کی احادیث کی سند نہیں ہے ان کی احادیث کی سند نہیں ہے ان سے ایسی ناپسندیدہ اور مکروہ روایات نقل ہوئی ہیں جو نقل کرنے کے لائق نہیں۔

ذہبی کا کہنا ہے کہ وہ متروک ہیں اور دوسری جگہ پر کہا ہے کہ ابو مخنف نے مجہول افراد سے روایت نقل کی ہے۔

دارقطنی کا قول ہے کہ ابو مخنف ایک ضعیف اخباری ہیں۔

ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ ان پر اطمینان نہیں کیا جاسکتا ہے۔

پھر بعض علماء کا قول نقل کرتے ہیں کہ ابو مخنف قابل اعتماد اور مورد اطمینان نہیں ہیں۔

۱ - مورخ ابی مخنف پر اک نظر، قمر بخاری، لنک

لیکن ابن ندیم کا ان کے بارے میں کہنا ہے کہ میں نے احمد بن حارث خزار کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر میں دیکھا ہے کہ علماء کا کہنا ہے، کہ ابو مخنف کی عراق اور اس کی فتوحات سے متعلق روایات سب سے زیادہ اور سب سے بہتر ہیں، جس طرح سے خراسان، ہندوستان اور فارس کے بارے میں مدائنی، حجاز و سیرت کے بارے میں واقدی، اور شام کی فتوحات کے بارے میں ان تینوں کی معلومات یکساں ہیں۔ یہ عبارت یاقوت حموی نے بھی اپنی کتاب ”معجم الادباء“ میں ذکر کی ہے۔ مجموعی طور پر اکثر علماء اہل سنت نے یحییٰ بن معین کے قول کا سہارا لے کر ابو مخنف کو غیر ثقہ قرار دیا ہے۔

اکثر علماء اہل سنت نے ان کے شیعہ ہونے کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں دیا۔ یہاں تک کہ ابن قتیبہ اور ابن ندیم نے شیعہ افراد کے لئے ایک الگ باب تحریر کیا ہے لیکن ابو مخنف کے نام کا وہاں ذکر نہ ہونا ان کے غیر شیعہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ علماء اہل سنت میں سے ابن ابی الحدید وہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ ابو مخنف کا شمار محدثین میں ہوتا ہے اور وہ امامت پر اعتقاد رکھتے تھے، لیکن ان کا شمار شیعہ راویوں میں نہیں ہوتا

ابو مخنف کی روایات کے متن کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ ابو مخنف کو تاریخی روایات نقل کرنے والوں میں ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے، لہذا دوسری روایات کے پیش نظر ان کی روایت کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ تاریخ کے تمام راوی جیسے ہشام کلبی، واقدی، مدائنی، ابن سعد وغیرہ یہ سب ان کے دور کے بعد سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی کے مرہون منت ہیں۔^(۱)

بخاری صاحب کی ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے علماء رجال کے نزدیک ابو مخنف ایک بڑے شیعہ عالم اور مؤرخ تھے اور ان کے پڑداد ابو مخنف بن سلیم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ ایسے تمام تاریخی واقعات، جن کے بارے میں اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین اختلاف ہے، تقریباً سب کے سب کی تفصیلات ابو مخنف ہی سے مروی ہیں۔ اس وجہ سے ان معاملات میں ابو مخنف کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ مدعی اپنے نقطہ نظر کے حق میں خود گواہ نہیں بن سکتا ہے۔ راوی کی حیثیت گواہ کی ہوتی ہے۔ اگر مدعی خود ہی گواہ بن جائے تو کون سی عدالت اس کی گواہی کو قبول کرے گی؟

۱۔ مورخ ابی مخنف پر اک نظر، قمر بخاری، لنک

طبری، ابن اثیر اور دیگر مؤرخین کا ان کی روایات کو اپنی کتب میں جگہ دینا، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ابو مخنف کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ خود ان مورخین نے اپنی کتب کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ہم نے واقعات کی تحقیق نہیں کی ہے بلکہ انہیں صرف نقل کیا ہے۔ صحیح غلط کی ذمہ داری ان راویوں پر ہے جن کے نام ہم نے سند میں دے دیے ہیں۔ طبری اور دیگر مورخین کی حیثیت بات کو آگے نقل کرنے والے کی ہے۔ انہوں نے ہر گز یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ جن راویوں کی روایات کو انہوں نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، وہ سب کے سب قابل اعتماد تھے اور ان کی بیان کردہ ہر ہر روایت کو قبول کر لیا جائے۔

۵- محمد بن سائب الکلبی (۱۸۰ھ / ۷۹۵ع)

یہ بھی دوسری صدی ہجری کے مؤرخ ہیں اور ان کا تعلق بھی ابو مخنف ہی کی جماعت سے ہے۔ محمد بن سائب الکلبی کے بارے میں مشہور امام سفیان ثوری کہتے ہیں: ”کلبی سے بچو۔“ کہا گیا: ”آپ بھی تو ان سے روایت کرتے ہیں؟“ کہا: ”میں اس کے سچ اور جھوٹ کو پہچانتا ہوں۔“^(۱)

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ کلبی نے مجھ سے کہا: ”میں ابو صالح سے جتنی روایتیں بیان کرتا ہوں، وہ سب جھوٹ ہیں۔“^(۲)

اعمش کہا کرتے تھے: ”اس سبائی سے بچو، میں نے دیکھا ہے کہ لوگ اس کا نام جھوٹوں میں لیتے ہیں۔“

احمد بن حارون کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے پوچھا: ”کیا کلبی کی تفسیر کو دیکھنا جائز ہے؟“ انہوں نے کہا: ”نہیں۔“^(۳)

ابن معین کہتے ہیں: ”کلبی ثقہ نہیں ہے۔“

جوز جانی نے کلبی کو کذاب اور دارقطنی نے متروک قرار دیا ہے۔ مشہور محدث ذہبی کہتے ہیں کہ اس کا کتاب میں ذکر کرنا درست نہیں ہے تو پھر اس سے روایت قبول کیسے کی جائے۔^(۴)

۶- ہشام بن محمد بن سائب الکلبی (۲۰۴ھ / ۸۱۹ع)

۱- الکامل فی ضعفاء الرجال، ۶/۱۱۵

۲- ایضا

۳- المعجم وحین، أبو حاتم محمد بن حبان البستی، ۲/۱۸۸

۴- ایضا: ۶/۱۱۵

یہ انہی کلبی صاحب کے بیٹے تھے اور اپنے والد سے روایات لیا کرتے تھے۔ بڑے عالم اور اخباری گزرے ہیں تاہم محدثین نے ان پر اعتماد نہیں کیا ہے۔

دارقطنی نے انہیں متروک قرار دیا ہے۔

ابن عساکر انہیں ثقہ نہیں سمجھتے۔

ڈیڈھ سو سے زیادہ کتب کے مصنف تھے۔

تاریخ طبری کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہشام کلبی کی بہت سی روایات، ابو مخنف ہی سے منقول ہیں۔ بعض ایسی روایات ہیں جنہیں ہشام نے ابو مخنف کے علاوہ کسی اور راوی سے بھی روایت کیا ہے۔ ہشام کے پڑدادا اور محمد بن سائب کے دادا جنگ جمل اور صفین میں باغی جماعت کا حصہ تھے۔ ہشام سے ان کے بیٹے عباس بن ہشام اکثر روایت کرتے ہیں جو اسی خاندان کا حصہ ہیں۔^(۱)

۷۔ سیف بن عمر التیمی (۱۸۵ھ / ۸۰۰ع)

یہ مؤرخ کثیر تاریخی روایات کے راوی ہیں اور اس فن پر انہوں نے کتابیں بھی لکھی ہیں۔ یحییٰ بن معین انہیں ضعیف قرار دیتے ہیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان کی روایات کی کوئی حقیقت نہیں۔

ابو حاتم نے انہیں متروک قرار دیا ہے۔

ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی عام روایات ”منکر“ ہیں۔

ابن حبان بیان کرتے ہیں کہ ان پر زندیق ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔^(۲)

ایسی بہت سی روایات، جو حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں خلفائے راشدین کی منفی تصویر پیش کرتی ہیں، سیف بن عمر ہی سے منقول ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ سیف بن عمر کی ان روایتوں کو قبول کیا جاسکتا ہے، جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی نہ کی گئی ہو اور وہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے سیاسی مسائل سے ہٹ کر ہوں۔

۱۔ میزان الاعتدال، الذہبی، راوی نمبر: ۹۲۳۷، ۴/۳۰۴

۲۔ ایضا: ۳۶۳۷، ۲/۲۵۵

دوسری صدی کے علم تاریخ پر مجموعی تبصرہ

یہ سب دوسری صدی ہجری کے مشہور مورخین ہیں لیکن ان کی کوئی کتابیں براہ راست ہم تک نہیں پہنچ سکی ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کتابوں کے اکثر مندرجات بعد کی بڑی کتب کا حصہ بن گئے، جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ پہلے کی کتابوں کو الگ سے محفوظ رکھا جاسکے۔ موجودہ دور میں بعض حضرات نے خاص کر ابو مخنف کی روایات کو تاریخ طبری اور دیگر کتابوں سے اخذ کر کے الگ کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے۔

تیسری صدی ہجری میں علم تاریخ

عہد صحابہ کے بڑے بڑے واقعات ہمیں تو اتر سے ملتے ہیں لیکن ان کی جزوی تفصیلات کا ذکر انفرادی روایات میں ملتا ہے۔ متواتر معلومات کے بارے میں مورخین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ انفرادی روایات کے بارے میں ان کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان روایات کو زیادہ تر دوسری صدی ہجری کے چند مورخین نے مرتب کیا اور کتابیں لکھیں۔ تیسری صدی ہجری میں جب تاریخی روایات کے بڑے مجموعے مرتب ہوئے تو دوسری صدی ہجری کی یہ کتابیں ان کا حصہ بن گئیں۔ چونکہ اس دور میں کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں، اس وجہ سے لوگوں نے بعد کی کتب کو ہاتھ در ہاتھ نقل کیا اور پرانی کتب غیر ضروری ہوتی چلی گئیں۔

تیسری صدی ہجری کی کتب تاریخ اس وجہ سے انتہائی اہمیت کی حامل ہیں کہ ہمارے پاس پہلی صدی میں رونما ہونے والے واقعات کی تاریخ سے متعلق جو قدیم ترین مواد موجود ہے، وہ زیادہ تر تیسری صدی ہی میں لکھی گئی کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس وجہ سے ہمارے پاس ان کتابوں سے متعلق تفصیلی معلومات ہونی چاہئیں۔ جو شخص بھی عہد رسالت یا عہد صحابہ پر تحقیق کرے گا، اسے تیسری صدی کی کتابوں ہی کو اپنا ماخذ بنانا پڑے گا۔

بعد کی صدیوں میں جو کتب تاریخ لکھی گئیں، ان کی بنیاد بھی یہی تیسری صدی کی کتب تھیں۔ یہ بالعموم چار طرح کی مورخین کی کتابیں ہیں:

کتب انساب کے مورخین

ان کتابوں کا مقصد یہ ہے کہ مختلف شخصیات کے نسب نامے اور کارنامے بیان کیے جائیں۔

علم الانساب پر سب سے مشہور اور جامع کتاب احمد بن یحییٰ البلاذری ۲۷۹ھ / ۸۹۳ع کی ”انساب الاشراف“ ہے۔

کہنے کو تو یہ انساب کی کتاب ہے لیکن اس میں تاریخی معلومات بکثرت موجود ہیں کیونکہ مصنف نے ہر ہر شخصیت کے نسب کے ساتھ اس کے پورے حالات زندگی بیان کر دیے ہیں۔

مصنف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے آغاز کرتے ہوئے نسل در نسل آپ کے ایک ایک رشتے دار کے حالات بیان کیے ہیں۔ پھر آپ کے چچا ابوطالب اور عباس رضی اللہ عنہ کے خاندان کے حالات بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد بنو امیہ، بنو زہرہ، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی اور قریش کے دیگر خاندانوں کے لوگوں کے حالات بیان کیے ہیں۔ کتاب کی ترتیب انہوں نے اس طرح رکھی ہے کہ جو خاندان نسب کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قریب ہے، اس کے حالات انہوں نے پہلے بیان کیے ہیں۔^(۱)

بلاذری سے پہلے دوسری و تیسری صدی کے نساب مصعب الزبیری (۱۵۶-۲۳۶ھ/۷۷۳-۸۵۱ء) کی کتاب ”نسب قریش“ نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ انہوں نے بھی قریش کے مختلف قبائل اور خاندانوں کے باہمی رشتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔^(۲)

کتب طبقات کے مؤرخین

طبقات کی کتابوں میں بھی مشہور شخصیات کے حالات زندگی ہوتے ہیں جس کے ذیل میں ان شخصیات کے دور کی تاریخ بیان ہو جاتی ہے۔

اس اسلوب پر لکھی جانے والی مشہور ترین کتاب محمد بن سعد (۲۳۰ھ/۸۴۵ع) کی ”الطبقات الکبریٰ“ ہے۔ ابن سعد اگرچہ خود تو بڑے قابل اعتماد مورخ ہیں مگر وہ محمد بن عمر الواقدی (۲۰۷ھ/۸۲۲ع) کے شاگرد ہیں جنہیں محدثین نے نہایت ہی ضعیف قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے ابن سعد کی وہ روایات جو واقدی کے توسط سے منقول ہیں، قابل اعتماد نہیں مانی جاتی ہیں۔ ابن سعد نے طبقہ در طبقہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے حالات بیان کیے۔^(۳)

۱ - دیکھئے: أنساب الأشراف، أحمد بن يحيى، البلاذري، تحقيق: سهيل زكار وآخرون، دار الفكر، بيروت، ۱۹۹۶م

۲ - جمهرة أنساب العرب، أبو محمد، علي ابن حزم الظاهري، تحقيق: لجنة العلماء، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۹۸۳م

۳ - دیکھئے: الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، تحقيق: محمد عبد القادر عطاء، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۹۹۰م

کتب مغازی کے مؤرخین

یہ وہ کتب ہیں جن میں جنگوں کے حالات بیان کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کی تاریخ کے سب سے مشہور عالم یہی محمد بن عمر الواقدی ہیں جنہوں نے جنگوں سے متعلق روایات اکٹھی کیں۔ تیسری صدی میں بلاذری نے ”فتوح البلدان“ کے نام سے ایک کتاب لکھی جو مختلف شہروں کی فتوحات سے متعلق اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔^(۱)

مشہور محدث امام احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱/۸۰-۸۵۵) کا کہنا ہے کہ مغازی، تفسیر اور ملاحم (جنگیں) کی کتابیں غیر معتبر ہیں۔^(۲)

اس سلسلے میں جن واقعات پر ہم تحقیق کر رہے ہیں، ان میں کتب مغازی کی بہت زیادہ اہمیت نہیں ہے۔

کتب تاریخ کے مؤرخین

اس اسلوب کی کتب میں تاریخی ترتیب سے روایات درج کی جاتی ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے مشہور کتاب ابن جریر طبری (۲۲۴-۳۱۰ھ / ۸۳۸-۹۲۲) کی ”تاریخ الرسل والملوک“ ہے۔^(۳)

یہ مختصر ”تاریخ طبری“ کے نام سے مشہور ہے اور بعد کی کتب تاریخ کا ماخذ بھی ہے۔ طبری فن تاریخ میں ایک رجحان ساز شخصیت تھے۔ ان کے بعد اس اسلوب پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں لیکن یہ سب کی سب تاریخ طبری یا انساب و طبقات کی کتب سے ماخوذ تھیں۔ اس وجہ سے انہیں وہ حیثیت حاصل نہیں ہے جو تاریخ طبری کو حاصل ہے۔ طبری سے پہلے خلیفہ بن خیاط (۱۶۰-۲۴۰ھ / ۷۷۷-۸۵۴) اسی اسلوب پر کتاب لکھ چکے تھے مگر جو مقبولیت طبری کو حاصل ہوئی، وہ انہیں حاصل نہیں ہو سکی۔^(۴)

تیسری صدی کے مشہور مؤرخین

تیسری صدی ہجری کے مشہور مؤرخین یہ ہیں:

- ۱- فتوح البلدان، البلاذری، دار و مکتبۃ الهلال، بیروت، ۱۹۸۸م
- ۲- لسان المیزان، عسقلانی، (خطبۃ الکتاب)، ۲۰۷/۱
- ۳- دیکھئے: تاریخ الطبری، أبو جعفر، ابن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ۱۳۸۷ھ، الطبعة الثانیة
- ۴- تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ خلیفہ بن خیاط، أبو عمرو البصری، تحقیق: د. اکرم ضیاء العمری، دار القلم، مؤسسة الرسالة،

۱۔ محمد بن سعد کاتب الواقدي^(۱) (۱۶۸-۲۳۰ھ / ع ۷۸۴-۸۴۵)

یہ طبقات ابن سعد کے مصنف ہیں اور واقدي کے شاگرد اور کاتب تھے۔ ان کی کتاب میں ان کے استاذ واقدي کی روایات بکثرت موجود ہیں جن کے قبول کرنے میں احتیاط برتنی چاہیے۔^(۲)

۲۔ احمد بن یحییٰ البلاذری^(۳) (۲۷۹ھ / ع ۸۹۳)

یہ انساب الاشراف اور فتوح البلدان کے مصنف ہیں۔^(۴)

۳۔ ابن جریر طبری^(۵) (۲۲۴-۳۱۰ھ / ع ۸۳۸-۹۲۲)

یہ علم تاریخ اور علم تفسیر کی رجحان ساز شخصیت ہیں اور انہوں نے نہایت مفصل تاریخ کو زمانی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ طبری کے بارے میں علمائے تاریخ کے مابین یہ اختلاف موجود ہے کہ وہ شیعہ تھے یا نہیں۔ ایک گروہ انہیں شیعہ قرار دیتا ہے اور دوسرے گروہ کا موقف یہ ہے کہ وہ شیعہ نہیں تھے بلکہ ان کے ہم نام ایک اور صاحب محمد بن جریر بن رستم طبری شیعہ تھے جس کی وجہ سے التباس پیدا ہوا۔

شیعہ عالم قمر بخاری کا کہنا ہے کہ اگرچہ طبری سنی مذہب تھے مگر زندگی کے آخری لمحات میں ان کے تشیع کی طرف مائل ہونے کا احتمال کیا جاسکتا ہے۔^(۶)

طبری کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں جہاں حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور معاویہ رضی اللہ عنہم پر تنقید پر مشتمل روایات ملتی ہیں، وہاں ان چاروں حضرات کے فضائل سے متعلق مثبت روایات بھی ان کی کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں اگر روایات ہیں تو ان پر تنقید پر مبنی روایتیں بھی ان کی کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ اس

۱۔ الجرح والتعديل، أبو محمد عبد الرحمن بن محمد بن إدريس بن المنذر التميمي، الحفظي، الرازي ابن أبي حاتم، دار إحياء

التراث، بيروت، ۱۹۵۲م، الطبعة الأولى، ۷/ ۲۶۲

۲۔ تفصيل کے لیے دیکھئے: الطبقات الکبریٰ، ابن سعد

۳۔ تاریخ دمشق، ابن عساکر، ۶/ ۷۴

۴۔ تفصيل کے لیے دیکھئے: مقالہ ہذا عنوانات، کتب انساب کے مؤرخین و کتب مغازی کے مؤرخین

۵۔ وفیات الأعيان، أحمد بن محمد، ابن خلکان، تحقیق: إحسان عباس، دار صادر، بيروت، (سن)، ۴/ ۱۹۱

۶۔ مورخ ابی مخنف پر اک نظر، قمر بخاری، لنک

وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ طبری محض ایک مورخ تھے اور انہیں جو کچھ ملا، انہوں نے اسے جمع کر دیا اور تحقیق و تفتیش کی ذمہ داری اگلی نسلوں کے سپرد کر دی۔

۴۔ الجاحظ (۱۵۹-۲۵۵ھ / ۷۷۶-۸۶۹)

جاحظ مورخ سے زیادہ ادیب تھے۔ ہمارے ہاں بھی ایسے مصنفین گزرے ہیں جنہوں نے تاریخی ناول لکھے ہیں۔ ناول نگار یا ادیب کا اصل ہدف تاریخی روایات کی تحقیق و تجزیہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو بھی تاریخی واقعہ اسے ملے، وہ اسے نہایت خوبصورت اسلوب میں کہانی کی شکل میں بیان کر دے۔ اس وجہ سے ناولوں اور ادیبانہ تحریروں کو کبھی بھی تاریخ کا مستند ماخذ نہیں سمجھا گیا ہے۔ ہاں ان سے استفادہ ایک عام آدمی کے لیے بہت آسان ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنے اسلوب کے اعتبار سے عام فہم کتابیں ہوتی ہیں۔ تاہم جاحظ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتب میں تحقیق کی ہے اور ”شک اور تنقید“ کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ علم تاریخ میں انہوں نے علی بن محمد المدائنی (۱۳۵-۲۲۵ / ۷۵۲-۸۴۰) کی شاگردی اختیار کی اور اس پر بعض کتابیں بھی لکھیں۔^(۱)

۵۔ ابن عبد الحکم (۱۸۷-۲۵۷ / ۸۰۳-۸۷۱)

انہوں نے مصر اور شمالی افریقہ کی تاریخ پر کتابیں لکھیں جو کہ ہماری اس کتاب کے موضوع سے براہ راست متعلق نہیں ہیں۔^(۲)

۶۔ ابن ابی الدنیا (۲۰۸-۲۸۱ / ۸۲۳-۸۹۴)

یہ ایک بہت بڑے محدث ہیں اور انہوں نے تاریخ پر بھی کتابیں لکھیں۔ ویسے ان کی زیادہ تر کتب کا موضوع تزکیہ نفس ہے۔ ان کی تاریخ سے متعلق کتب ہم تک نہ پہنچ سکی۔^(۳)

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الاعلام، زرکلی، ۵/ ۷۷-۷۵

۲۔ الاعلام، زرکلی، ۶/ ۲۲۳

۳۔ ایضاً، ۴/ ۱۱۸

۷۔ خلیفہ بن خیاط^(۱) (۱۶۰-۲۴۰/۷۷۷-۸۵۴)

یہ ایک بڑے مورخ ہیں۔ انہوں نے تاریخ پر ایک کتاب لکھی جو ”تاریخ خلیفہ بن خیاط“ کے نام سے مشہور ہے۔ غالباً یہ پہلی کتاب ہے جو تاریخی ترتیب کے مطابق لکھی گئی البتہ اسے وہ مقبولیت حاصل نہ ہوئی جو تاریخ طبری کو حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ غالباً یہ رہی ہے کہ یہ نہایت مختصر کتاب ہے اور موجودہ دور کے محض ۴۵۰ صفحات میں انہوں نے ۲۳۲ سال کی تاریخ بیان کر دی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ”طبقات“ کے موضوع پر بھی کتابیں لکھیں جن میں طبقہ در طبقہ لوگوں کے احوال کے ساتھ تاریخ بھی بیان ہوئی ہے۔^(۲)

۸۔ ابن ہشام (۲۱۸/۸۳۴)

ابن ہشام^(۳) کا شمار بڑے مورخین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے محمد بن اسحاق کی لکھی ہوئی سیرت نبوی کی کتاب کا خلاصہ تحریر کیا جو ”سیرت ابن ہشام“ کے نام سے مشہور ہے اور اس موضوع پر دستیاب کتابوں میں قدیم ترین ہے۔ ان کی کتاب کا تعلق چونکہ سیرت طیبہ سے ہے، اس وجہ سے ہماری اس کتاب کے موضوع سے یہ براہ راست متعلق نہیں ہے۔

۹۔ ابو العباس یعقوبی (۲۸۴/۸۹۷)

یہ ایک بڑے تاریخ دان اور جغرافیہ دان تھے جن کی کتاب ”تاریخ یعقوبی“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک شیعہ مورخ تھے۔^(۴)

۱۔ الکئی والاسماء، مسلم بن الحجاج، تحقیق: عبدالرحیم القشقری، عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، ۱۹۸۴م، الطبعة الأولى، ۱/۵۷۷

۲۔ دیکھئے: طبقات خلیفہ بن خیاط، تحقیق: سہیل زکار، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۳م، ۷/۱

۳۔ الاعلام، زرکلی، ۴/۱۶۶

۴۔ معجم الأدباء، شہاب الدین، یاقوت بن عبد اللہ الحموی، تحقیق: إحسان عباس، دار الغرب الإسلامي، بیروت، ۱۹۹۳م، الطبعة الأولى، ۲/۵۵۷

۱۰۔ عمر بن شبہ (۱۷۳-۲۶۲/۷۸۹-۸۷۶)

عمر بن شبہ ایک بڑے عالم تھے اور انہوں نے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھیں۔ تاریخ کے موضوع پر انہوں نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں (کتاب الکوفہ، کتاب البصرہ، کتاب امراء المدینہ، کتاب امراء الملک، کتاب السلطان، کتاب مقتل عثمان، کتاب التاریخ) وغیرہ نمایاں ہیں۔ انہوں نے علم تاریخ میں ایک نیا رجحان پیدا کیا اور وہ یہ تھا کہ ہر شہر کی الگ تاریخ لکھ دی۔ اس میں اس شہر کی مشہور شخصیات کا ذکر کیا۔^(۱)

ویسے تو یہ رجحان طبقات ابن سعد میں بھی پایا جاتا ہے لیکن عمر بن شبہ کے بعد ہر شہر کی تاریخ پر الگ الگ کتابیں لکھی جانے لگیں۔ ان کی بہت سی کتب اب نایاب ہو چکی ہیں تاہم ان کی بہت سی روایات طبری میں موجود ہیں۔

کیا تیسری صدی ہجری کی لکھی ہوئی کتب تاریخ مستند ہیں؟

اس سوال کا جواب ہاں میں بھی ہے اور نہیں میں بھی کیونکہ ان کتب تاریخ میں مستند روایات بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں جو کتب لکھی گئیں، ان میں زیادہ زور اس بات پر تھا کہ روایات کو اکٹھا کر لیا جائے اور انہیں سند کے ساتھ بیان کر دیا جائے تاکہ مستقبل کا کوئی مورخ اس سند کی مدد سے تحقیق کر سکے کہ روایت مستند ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس درجے میں ہے۔ اگرچہ روایات پر تنقید اور چھان بین کے عمل کا آغاز تیسری صدی ہجری کے نصف سے شروع ہو چکا تھا لیکن بد قسمتی سے تاریخی روایات کی زیادہ چھان بین نہیں کی گئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مورخین نے غیر معتبر روایتوں کو اپنی کتب میں درج ہی کیوں کیا؟

کوئی مصنف جب ایک کتاب لکھتا ہے تو وہ اپنے زمانے کے لوگوں کی علمی اور ذہنی سطح ہی کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتا ہے۔ آج جو کتابیں لکھی جاتی ہیں، ان میں زیادہ سے زیادہ اگلے پچاس سو برس کے لوگوں کی علمی و ذہنی سطح کو ہی مد نظر رکھ سکتے ہیں۔ سن ۲۵۰۰ یا ۳۰۰۰ کے لوگوں کی علمی و ذہنی سطح کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی اس کے مطابق کتاب لکھ سکتے ہیں۔ تیسری صدی کے مورخین نے بھی جب کتب لکھیں تو ان کے پیش نظر ہم لوگ نہیں تھے بلکہ ان کے

اپنے دور کے لوگ تھے۔ یہ لوگ پہلی دو صدیوں کے کم از کم مشہور راویوں اور مورخین سے اچھی طرح واقف تھے۔ اگر ان کے سامنے مثلاً واقدی یا ابو مخنف یا ہشام کلبی کی کوئی روایت پیش کی جاتی تو وہ لوگ یہ جانتے تھے کہ ان حضرات کا علمی مقام کیا ہے اور ان کی روایتوں پر کس درجے میں اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح سے وہ آسانی یہ معلوم کر لیتے کہ قابل اعتماد روایت کون سی ہے اور ناقابل اعتماد کون سی۔

کتب تاریخ میں مستند اور ضعیف روایتوں کے درج ہونے سے متعلق جو بات ہم نے کہی ہے، وہ اپنی جانب سے نہیں کی بلکہ خود ان مورخین نے یہی بات کہی ہے۔ ابن جریر طبری اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

قارئین کتاب کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ میں نے جو اخبار و آثار (روایتیں) اس کتاب میں نقل کیے ہیں، اس میں میرا اعتماد انہی روایات پر ہے جنہیں میں نے ذکر کیا ہے اور جن کے ساتھ ان کی سندیں بھی موجود ہیں۔ اس میں وہ حصہ بہت ہی کم ہے جنہیں میں نے عقلی دلائل کے ادراک اور وجدانی استنباط کے بعد ذکر کیا ہے کیونکہ گزشتہ واقعات کی خبروں کا نہ ذاتی طور پر ہمارا مشاہدہ ہے اور نہ وہ زمانہ ہی ہم نے پایا ہے۔ ان کا علم ہمیں صرف ناقلین اور راویوں کی بیان کردہ خبروں ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ عقلی دلائل اور وجدانی استنباط سے۔ پس ہماری کتاب میں جو بعض ایسی روایات ہیں، جنہیں ہم نے پچھلے لوگوں سے نقل کیا ہے، ان کے بارے میں اگر اس کتاب کے پڑھنے یا سننے والے اس بنا کر کوئی برائی محسوس کریں کہ اس میں انہیں صحت کی کوئی وجہ اور معنی میں کوئی حقیقت نظر نہ آئے، تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے انہیں خود اپنی طرف سے درج نہیں کیا ہے بلکہ ان کا ماخذ وہ ناقل ہیں جنہوں نے وہ روایات ہمیں بیان کیں۔ ہم نے وہ روایات اسی طرح بیان کر دی ہیں جس طرح ہم تک پہنچیں۔^(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود طبری کا نقطہ نظریہ نہیں ہے کہ ”میرا ذکر کیا ہوا مستند ہے۔“ ان تک جو روایتیں پہنچیں، انہوں نے انہیں آگے نقل کر دیا۔ اب یہ محققین کا کام ہے کہ وہ ان روایتوں کی سند اور متن کا تجزیہ کر کے ان کی چھان بین کریں۔^(۲)

۱- تاریخ طبری، امام طبری، (مقدمہ)، ۱/۸-۷

۲- تفصیل کے لیے دیکھئے: صحیح وضعیف تاریخ الطبری، محمد بن طاہر البرزنجی و دیگر، دار ابن کثیر، بیروت، ۲۰۰۹ء

کیا امت کے اہل علم نے دوسری صدی کے مورخین پر اندھا اعتماد کیا ہے؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب طبری اور دیگر مورخین نے ابو مخنف، ہشام کلبی، واقدی اور سیف بن عمرو وغیرہ کی روایتیں نقل کی ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ان پر اعتماد کیا ہے۔ پھر ہم ان پر اعتماد کیوں نہ کریں؟ یہ بات درست نہیں ہے کہ امت کے اہل علم نے دوسری صدی کے مورخین جیسے ابو مخنف، ہشام کلبی، واقدی اور سیف بن عمر پر اندھا اعتماد کیا ہے۔ جیسا کہ آپ طبری کے اقتباس میں دیکھ سکتے ہیں کہ انہوں نے خود بیان کر دیا ہے کہ ان کی حیثیت محض بات کو نقل کرنے والے اور مواد کو مہیا کر دینے والے کی سی ہے۔ انہوں نے ہر روایت کے ساتھ اس کی سند دے دی ہے۔ اب یہ محقق کا کام ہے کہ وہ چھان بین خود کریں۔

قرون وسطیٰ اور دور جدید کے مورخین

قرون وسطیٰ کی مشہور عربی کتب تاریخ کون سی ہیں؟

تیسری صدی ہجری کے بعد کے دور کی تاریخ کی کتب میں ایک رجحان یہ پیدا ہوا کہ سند کو حذف کیا جانے لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ روایات کی صورت میں بیان کردہ واقعات میں عبارت کی روانی اور تسلسل برقرار نہیں رہ پاتا تھا۔ مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے کو لیجیے۔ روایات کی شکل میں اگر اسے بیان کیا جائے تو ایک راوی اس کا آغاز باغی تحریک کے ارتقا سے کرتے ہیں اور پھر واقعات بیان کرتے کرتے اپنی روایت کو آپ کی شہادت پر ختم کرتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے راوی کا بیان شروع ہوتا ہے جو مثلاً باغیوں کی مدینہ آمد سے آغاز کرتے ہیں۔ پھر تیسرے راوی کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اس طرز کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے شدید نوعیت کی بے چینی محسوس ہوتی ہے کیونکہ ان میں مضامین کی بہت تکرار پیدا ہو جاتی ہے اور بسا اوقات یہ روایات ایک دوسرے کے متضاد تصویر پیش کر رہی ہوتی ہیں۔

چوتھی صدی ہجری سے ایسی کتابوں کا آغاز ہوا جن میں تاریخ کو ایک مسلسل بہاؤ کی صورت میں بیان کیا جائے۔ ان کتابوں کو ادبیانہ اسلوب میں کہانی کی طرح لکھا جانے لگا جن سے ان کا مطالعہ آسان ہو گیا لیکن دوسری طرف ان کی استنادی حیثیت کمزور پڑ گئی۔

اس دور میں ایک مسئلہ یہ بھی ہوا کہ مورخین نے ماخذ کی چھان بین کے عمل کو یا تو بالکل ہی نظر انداز کر دیا یا پھر اس کا استعمال بہت کم کیا۔ اسی طرح متن کی چھان بین کا عمل بھی انہوں نے بہت ہی کم کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ واقدی، ابو مخنف، سیف بن عمر اور ہشام کلبی کی مستند و غیر مستند روایات اس طرح نقل ہونے لگیں کہ گویا وہ سچ ہیں۔

۱۔ ابن عبد البر^(۱) (۳۶۸-۴۶۳/۹۷۹-۱۰۷۱): یہ پانچویں صدی ہجری کے عالم ہیں۔ انہوں نے ”الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب“ کے نام سے سیرت صحابہ پر ایک مفصل کتاب لکھی۔ انہوں نے اس کتاب میں بیان کردہ واقعات کی سند بیان نہیں کی، اس وجہ سے ہم نہیں جانتے کہ عہد صحابہ اور ابن عبد البر کے درمیان چار سو سال میں ان روایات میں کیا چیز داخل کر دی گئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب مستند نہیں سمجھی گئی۔ ابن عبد البر کی کتاب میں بیان کردہ جو واقعات ان سے پہلے کی کتابوں میں پائے جائیں، ان کی تحقیق کر کے ان کے مستند ہونے کو پرکھا جاسکتا ہے لیکن وہ واقعات، جو ان سے پہلے کی کتابوں میں درج نہیں ہیں، سرے سے ہی غیر مستند ہیں۔ محدثین نے اس کتاب کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا ہے:

ابن عبد البر کی الاستیعاب بڑی جلیل القدر اور کثیر الفوائد کتاب ہوتی اگر اس میں صحابہ کرام کے اختلافات سے متعلق روایات، محدثین کی بجائے اخباری لوگوں سے نہ لی جاتیں۔ اخباری (مورخین) عام طور پر واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور اپنی بیان کردہ چیزوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔^(۲)

۲۔ ابن الاثیر الجزری^(۳) (۵۵۵-۶۳۰/۱۱۶۰-۱۲۳۳)

یہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور مورخ ہیں اور ان کا تعلق الجزائر سے ہے تاہم ان کا وقت موصل، عراق میں بھی گزرا ہے۔ انہوں نے دو کتابیں لکھیں جو ہمارے موضوع سے متعلق ہیں۔ ایک ”الکامل فی التاریخ“ اور دوسری ”اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ“۔ پہلی زمانی ترتیب کے مطابق لکھی اور دوسری سیرت صحابہ سے متعلق۔ انہوں نے دونوں کتابوں میں سند کا اہتمام نہیں کیا جس کی وجہ سے ان کی کتب کی حیثیت مشکوک ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ عہد صحابہ کے چھ سو برس بعد کے مورخ ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ان روایات کے ساتھ چھ سو برس میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ ان کی بیان کردہ جو روایتیں

۱۔ سیر أعلام النبلاء، ذہبی، ۱۲/۸۱

۲۔ مقدمہ، ابن صلاح، النوع: ۳۹ (معرفۃ الصحابہ)، دار المعارف، قاہرہ، ۱/۲۹۱

۳۔ وفیات الأعیان، ابن خلکان، ۲/۳۷۴

تیسری صدی کی کتب میں سند کے ساتھ مل جائیں، ان پر تحقیق تو کی جاسکتی ہے لیکن جو روایتیں ان میں بھی نہ ملیں، ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔ اپنی کتاب ”اکامل“ سے متعلق وہ خود بیان کرتے ہیں:

میں یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ تاریخ سے متعلق تمام واقعات میں نے جمع کر دیے ہیں۔ اس لیے کہ موصل شہر میں رہنے والے ایک شخص کو مشرق و مغرب میں ہونے والے تمام واقعات کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ میں نے اپنی کتاب میں وہ سب کچھ اکٹھا کر دیا ہے جو پہلے کسی ایک کتاب میں نہیں ہے۔ جس شخص کو (کسی واقعے کی) صحت کے بارے میں شک ہو (تو میں اپنے طریقے کی تفصیل بیان کرتا ہوں۔) میں نے ابو جعفر طبری کی ”التاریخ الکبیر“ سے آغاز کیا ہے۔ یہ وہ واحد کتاب ہے جس پر میں نے اعتماد کیا ہے اور اس کی اکثر روایات کو بیان کر دیا ہے۔

مشہور تاریخی کتب میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اسے اکٹھا کرنے کے بعد میں نے اس میں ان روایات کا اضافہ کر دیا ہے جو تاریخ طبری میں نہیں پائی جاتی ہیں اور ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھ دیا ہے سوائے اس کے کہ جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واقعات پیش آئے۔ میں نے مورخین میں انہی لوگوں پر اعتماد کیا ہے جو کہ ماہر ہوں، سچا عقیدہ رکھتے ہوں اور علم کو جمع کرتے ہوں۔ میں نے مذکورہ تاریخ اور مشہور کتب کے علاوہ کہیں اور سے کچھ نقل نہیں کیا ہے۔ ان مورخین کے سچائی کے ساتھ نقل کرنے اور صحت کے ساتھ مدون کرنے کا معاملہ معروف ہے۔^(۱)

ابن اثیر کے اپنے بیان سے واضح ہے کہ ان کی حیثیت محض ناقل کی ہے۔ انہوں نے اپنی طرف سے کوشش کی ہے کہ مشہور کتب تاریخ سے مواد اکٹھا کیا جائے اور اس معاملے میں پوری دیانتداری سے کام لیا ہو گا اس وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن اثیر کی اپنی کتاب کی استنادی حیثیت کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے جو روایات تاریخ طبری اور کسی اور مشہور کتاب سے اخذ کی ہیں، ان کی سند کو طبری وغیرہ سے دیکھ کر تحقیق کرنی چاہیے۔ ابن اثیر کی ایسی روایتیں جو طبری یا کسی اور قدیم ماخذ میں نہیں ہیں، کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔

۳۔ ابن کثیر^(۲) (۷۰۱-۷۷۴ / ۱۳۰۱-۱۳۷۲)

ابن کثیر آٹھویں صدی کے مشہور عالم ہیں اور ان کی کتاب ”البدایہ والنہایہ“ کو بعد کی صدیوں میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ یہ مشہور عالم ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ / ۱۲۶۳-۱۳۲۷) کے شاگرد تھے۔ ابن کثیر نے تاریخ طبری

۱۔ اکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، تحقیق: عمر عبدالسلام تدمری، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۹۹۷ء، ۱/۷-۷

۲۔ ذیل تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء، الطبعة الأولى، ۱/۳۸

ہی کو بنیاد بنایا ہے اور جہاں طبری میں بیان کردہ روایات پیش کی ہیں، وہاں اس سے مختلف تصویر پیش کرنے والی روایات بھی دیگر کتب حدیث اور تاریخ سے اکٹھی کر دی ہیں۔ اس طرح سے انہوں نے نہایت غیر جانبداری کے ساتھ تصویر کے دونوں رخ پیش کیے ہیں۔ بعض حضرات ابن کثیر سے کوئی روایت پیش کر کے یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ یہ روایت بہت ہی مستند ہے کیونکہ ابن کثیر نے اسے نقل کر دیا ہے۔ یہ دعویٰ اس وجہ سے درست نہیں ہے کیونکہ ابن کثیر خود ان روایات کو درست نہیں سمجھتے ہیں اور اپنی کتاب میں کئی جگہ پر اس نوعیت کا تبصرہ انہوں نے ان روایات پر کیا ہے:

ابن کثیر لکھتے ہیں:

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے، اس کا بعض حصہ محل نظر ہے۔ اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ حفاظ اور ائمہ نے اس کا ذکر نہ کیا ہو تا تو میں اسے بیان نہ کرتا۔ اس کا اکثر حصہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایت سے ہے جو کہ شیعہ تھا اور ائمہ کے نزدیک واقعات بیان کرنے میں ضعیف (ناقابل اعتماد) ہے۔ لیکن چونکہ وہ اخباری اور (خبروں کا) محفوظ کرنے والا ہے اور اس کے پاس ایسی چیزیں ہیں جو اس کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ہیں، اس وجہ سے اس کے بعد کے کثیر مصنفین نے اس پر کڑی تنقید کی ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔^(۱)

اس سے ظاہر ہے کہ کسی روایت کو مستند ثابت کرنے کے لیے محض اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ ابن کثیر نے اسے نقل کیا ہے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ ابن کثیر نے اس روایت کو کس کتاب سے نقل کیا ہے۔ پھر اس کتاب میں اس روایت کی سند دیکھی جائے گی اور پھر تاریخی تنقید کے اصولوں کے تحت فیصلہ کیا جائے گا۔

۵۔ ابن خلدون^(۲) (۷۳۲-۸۰۸ / ۱۳۳۲-۱۴۰۵)

ابن خلدون علوم انسانیات کے بہت بڑے ماہر تھے۔ انہیں علم بشریات اور عمرانیات کا بانی کہا جاتا ہے۔ مسلم علماء میں سے جن چند شخصیات کو اہل مغرب کے ہاں غیر معمولی اہمیت دی گئی، ان میں سے ایک ابن خلدون ہیں۔ دنیا بھر کی بہت سی جامعات میں ان کے نام پر چیئرز قائم ہیں اور کئی اداروں کو ان کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی تاریخ کا جو شہرہ آفاق ”مقدمہ“ لکھا، اس میں تاریخ سے زیادہ بشریات اور عمرانیات سے متعلق مواد موجود ہے۔ ابن خلدون

۱۔ تاریخ ابن کثیر، ابن کثیر، ۸/ ۲۷۴

۲۔ المنہل الصافی والمستوفی بعد الوافی، یوسف بن تغری، تحقیق: دکتور محمد امین، دار الکتب العلمیہ، بیروت،

کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تاریخ کو محض نقل کر دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ واقعات کا عمرانی تجزیہ کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ جس دور سے وہ واقعہ منسوب ہے، اس کے مجموعی حالات میں اس واقعے کا ہونا عقلاً ممکن ہے بھی یا نہیں۔ پچھلے باب میں ہم نے تاریخی تنقید کے جو اصول بیان کیے ہیں، اگرچہ وہ ابن خلدون سے پہلے دریافت ہو چکے تھے مگر تاریخ پر ان کا بڑے پیمانے پر اطلاق ابن خلدون ہی نے کیا ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے جو تجزیہ کر دیا ہے، وہ حرف آخر ہے اور اس پر نظر ثانی نہیں ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے بھی ایک حد تک ابن خلدون کے بیان کردہ انہی اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی ہے۔^(۱)

چوتھی صدی ہجری میں مسلمانوں کے ہاں تاریخ کی بنیاد پر فرقہ بندی اپنے عروج کو پہنچی اور یہ تقسیم گہری ہوتی چلی گئی۔ اس سے پہلے تمام مسلمان، خواہ ان کے سیاسی اور تاریخی نظریات کچھ بھی ہوں، اکٹھے نماز پڑھتے تھے اور مل جل کر رہتے تھے۔ اگلے دو تین سو برس میں یہ تقسیم گہری ہوتی چلی گئی اور ان فرقوں میں باہم مناظرے بازی نے جنم لیا۔ ان مناظروں میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق روایات پیش کی جائیں۔ چھٹی ساتویں صدی ہجری تک علمی و ذہنی سطح تبدیل ہو چکی تھی اور مختلف علوم میں بہت وسعت پیدا ہو چکی تھی۔ اب عام پڑھے لکھے شخص کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ سابقہ صدیوں کے ہر بڑے راوی کے بارے میں معلومات رکھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں روایات کی تنقید کے عمل نے زور پکڑا۔ چوتھی صدی ہی میں روایات کی تنقید اور راویوں کے حالات سے متعلق فنون پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔ پانچویں، چھٹی اور ساتویں صدی میں ان کتابوں میں موجود معلومات کو یکجا کر کے جامع ترین انسائیکلو پیڈیا تیار ہوئے۔ اس کے بعد ساتویں اور آٹھویں صدی میں تاریخی روایتوں کی چھان بین بھی کی جانے لگی۔ اس زمانے میں بڑے بڑے تاریخی نقاد پیدا ہوئے جن میں ابن کثیر (۷۰۱-۷۷۴/۱۳۰۱-۱۳۷۲)، ابن خلدون (۷۳۲-۸۰۸/۱۳۳۲-۱۴۰۵) اور ابن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۲/۱۳۷۱-۱۴۴۸) نمایاں تھے۔

ابن عبد البر (۳۶۸-۴۶۳/۹۷۹-۱۰۷۱) اور ابن اثیر (۵۵۵-۶۳۰/۱۱۶۰-۱۲۳۳) کی کتابیں اسی رجحان کے مطابق لکھی گئیں۔ تاہم پانچویں صدی میں آکر ایک تبدیلی یہ پیدا ہوئی کہ سند کو غیر ضروری سمجھ کر حذف کیا جانے لگا تاکہ عبارت کا تسلسل برقرار رہے۔ یہ ایک نہایت ہی خطرناک رجحان ثابت ہوا اور اس کے نتیجے میں بہت سی روایات بغیر کسی چھان بین کے مورخین میں عام رواج پا گئیں۔

۱ دیکھئے: تاریخ ابن خلدون، عبد الرحمن ابن خلدون، تحقیق: خلیل شحادة، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۸م۔

دسویں صدی سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک پانچ سو برس کا زمانہ مسلمانوں کے ہاں علمی جمود، شخصیت پرستی اور اندھی تقلید کا دور ہے۔ اگرچہ بڑی علمی شخصیات اس دور میں بھی پیدا ہوتی رہی ہیں جنہوں نے تاریخی روایات کا ناقدا نہ جائزہ لیا، لیکن اہل علم کی اکثریت بس اسی کو کافی سمجھتی رہی ہے کہ قرون وسطیٰ میں لکھی ہوئی کتابوں کے مندرجات کو محض اس وجہ سے قبول کر لیا جائے کہ اسے کسی بڑے عالم نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ چنانچہ کسی بات کو مقبول بنانے کے لیے یہ کہنا ہی کافی ہو گیا کہ ابن اثیر، ابن کثیر یا ابن خلدون نے اسے اپنی کتب تاریخ میں درج کیا ہے۔

اب پندرہویں صدی ہجری یا اکیسویں صدی عیسوی میں اس رجحان میں تبدیلی آرہی ہے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی ایجاد نے مسلم نوجوانوں کے ذہنوں کو وسیع کرنے کے عمل کا آغاز کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سابقہ چودہ صدیوں کا علمی ریکارڈ انٹرنیٹ پر بلا معاوضہ دستیاب ہو چکا ہے۔ لوگوں میں دینی علم کو سیکھنے، آن لائن کتابیں پڑھنے اور اندھی تقلید اور شخصیت پرستی سے ہٹ کر معاملات کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے کا رجحان پرورش پا رہا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سابقہ مورخین کے کام کو کافی نہ سمجھیں بلکہ فن تاریخ کے مسلمہ اصولوں کے تحت روایات کا تنقیدی جائزہ لے کر ہی کسی بات کو قبول یا رد کریں۔

اردو میں کتب تاریخ

اردو زبان میں کتابیں لکھے جانے کی تاریخ بہت قدیم نہیں ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں اردو زبان، ایک علمی زبان کے طور پر ابھرنا شروع ہوئی اور انیسویں صدی کے وسط میں اس میں کتابیں لکھی جانے لگیں۔ اردو میں تاریخ پر زیادہ تر کام بیسویں صدی میں ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کے اداروں میں ہوا۔ ان دونوں اداروں کے بانی مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۵) تھے۔

جن ندوی علماء نے اسلام کے اولین دور کی تاریخ لکھی ان میں شاہ معین الدین ندوی نمایاں تھے۔

اسی دور میں مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی (۱۸۷۵-۱۹۳۸) نے بھی اپنی کتاب ”تاریخ اسلام“ لکھی۔

شیعہ عالم جسٹس امیر علی (۱۸۴۹-۱۹۲۸) نے اس موضوع پر انگریزی میں دو کتابیں Short History of Saracens اور Spirit of Islam لکھیں جن کے اردو ترجمے شائع ہوئے۔

ان تمام اہل علم نے اپنی تواریخ لکھتے ہوئے قرون وسطیٰ کی کتب تاریخ جیسے تاریخ ابن اثیر، ابن کثیر، ابن عبد البر، ابن خلدون اور اسی نوعیت کے دیگر مآخذ پر انحصار کیا۔ بہت کم ہی ایسا ہوا ہے کہ اردو یا انگریزی کے کسی مورخ

نے ابتدائی صدیوں کی کتب تاریخ میں جا کر واقعات کے اصل مآخذ کی جانچ پڑتال سے کام لیا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاریخی اعتبار سے بالکل ہی گزری روایات کو اس طرح بیان کیا جانے لگا کہ یہ گویا کہ بالکل ہی سچے اور حقیقی واقعات ہیں۔

اکبر شاہ صاحب نے اپنی کتاب میں ایک حد تک درایت کے اصولوں سے کام لیا ہے، تاہم تمام واقعات کے بارے میں انہوں نے یہ روش اختیار نہیں کی ہے اور بہت سے واقعات کی تحقیق کیے بغیر انہیں سابقہ مورخین پر اعتماد کرتے ہوئے بیان کر دیا ہے۔^(۱)

بحث کا تجزیہ

اس بحث میں مؤرخ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے لغوی اصطلاحی معنی بیان کرنے کے ساتھ شرائط مؤرخ بھی بیان کر دیں۔ کہ مورخ سچا ہو، بعینہ الفاظ بیان کیے ہوں معانی پر اکتفاء نہ کیا ہو، مجلس مذاکرہ میں سن کر روایت کی تحریر کی ہو، راوی کے نام کی صراحت کی ہو، اپنی طرف سے کسی کی تعریف و توصیف نہ کرے، تراجم میں نقل پر اکتفاء یہ کرے بلکہ تحقیق حال کے بعد لکھے۔ حسن تعبیر کا مالک ہو، حسن ظن کا مالک ہو، اور خواہش پرستی کا مالک نہ ہو۔

چونکہ ہمارا موضوع اسلامی تاریخ ہے تو مسلمان مؤرخین کو موضوع بنایا ہے۔ بالفاظ دیگر، جو مؤرخین اور کتب تاریخ مسلمانوں میں متداول ہیں۔ انہی کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔

پہلی صدی سے چوتھی صدی کے مؤرخین کا تفصیلی ذکر کر کے ان پر جرح و تعدیل (علماء کی آراء) بھی ذکر کر دی ہیں۔ ساتھ میں ان کے رجحانات اور اہداف ذکر کر دیئے ہیں۔

اسی طرح مؤرخین کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے مزید وضاحت کر دی، جیسے انساب کے مؤرخین، طبقات کے مؤرخین، تاریخ کے مؤرخین وغیرہ وغیرہ۔ اس سے جہاں مؤرخین کے ذہنی رجحان کا پتہ چلے گا وہاں ان کی تحریر کے بارے میں بھی پیشگی آگاہی حاصل ہوگی۔

اس کے علاوہ بعد کے علماء مؤرخین اور ان کی تصانیف "بعنوان قرون وسطیٰ اور دور جدید کے مؤرخین" کا تعارف اور حیثیت بھی بتلا دی اور آخر میں اردو زبان میں کتب تاریخ کے حوالے سے راہنمائی کی کوشش کی ہے۔

۱۔ معجم المؤرخین المسلمین، حتی القرن الثانی عشر، عبد اللہ عبد الغنی، یسری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ص ۱۵-۱۶؛

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: موسوعۃ التاریخ الاسلامی، شیخ محمد ہادی یوسفی، ۱/۱۵-۲۳

جیسا کہ سابقہ بحث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی روایات میں وہ احتیاط نہیں کی گئیں جو احادیث میں بھرتی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر مؤرخ پر تنقید کی گئی ہے۔ اور کہیں غالی اور متعصب ہونے کا الزام ہے اور کہیں ضعف اور دروغ گوئی کا۔

اس صورت میں ہمیں اصول تاریخ اور دین سے راہنمائی لے کر ہی تاریخی واقعہ کی تصدیق یا تکذیب کرنا ہوگی۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ فلاں کتاب میں لکھا ہے، یا فلاں راوی کی روایت ہے، بلکہ ہر روایت کو اصول پر پرکھنا ہوگا کہ آیا یہ روایت شریعت کے مزاج کے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں، اسی اصول کی بنیاد پر ہم تاریخی روایت کو قبول یا رد کریں گے۔

مبحث سوم: طبقات سیرت نگاراں

طبقات سیرت نگاراں

آپ ﷺ کی سیرت کے اصل مصادر و مآخذ کتب سیرت اور مغازی ہی ہیں۔ آپ ﷺ کو صحابہ نے دیکھا، آپ ﷺ کے کلام مقدس کو سنا اور آپ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے رہے۔ سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ جنگوں میں شریک رہے، آپ ﷺ کے ہر اشارے پر کٹ مرنے کو تیار رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے متعلق واقعات کو دیانت داری سے بیان فرماتے۔ تابعین عظام بھی ان واقعات کو سن کر آگے سناتے اور پھر ان کو احاطہ تحریر میں لے آتے۔

پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی ہجری کے شروع سے یہ دو الگ الگ فن بن گئے ایک علم سیر کہلایا گیا اور دوسرا علم مغازی جو گویا کتب سیرت کا ایک شعبہ بنا۔ کتب احادیث کی طرح کتب مغازی و سیرت کی باقاعدہ ابتداء بھی حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں ہوئی۔ لیکن ان کے ابتدائی نقوش اس سے پہلے بھی ملتے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت پر کام کرنے والے پہلے لوگوں میں درج ذیل معروف ہیں، ان کو عام طور پر تین طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا طبقہ: صحابہ کرامؓ

۱- ابو عبد اللہ عروۃ بن الزمیر بن العوام

۲- حضرت ابان بن عثمان

۳- وہب بن منبہ

۴- شریک بن سعد

دوسرا طبقہ: تابعین عظام

۱- عاصم بن قتادہ

۲- محمد بن مسلم بن شہاب الزہری

۳- عبد اللہ بن ابی بکر بن حزم^(۱)

۱- السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، دکتور مہدی رزق اللہ، مرکز ملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ، الرياض، ۱۹۹۴ء، الطبعة

تیسرا طبقہ: تبع تابعین

۱- موسیٰ بن عقبہ

۲- معمر بن راشد

۳- محمد بن اسحاق

۴- ابو محمد زیادہ بن عبد اللہ البکائی

۵- ابو محمد عبد الملک بن ہشام الحمیری

۶- محمد بن عمر الواقدی

۷- محمد بن سعد^(۱)

سیرت نگاروں کے مذکورہ بالا تینوں طبقات کے علاوہ جن لوگوں نے قرون وسطیٰ اور دور جدید میں سیرت نگاری پر قلم اٹھایا ہے ان میں سے اکثر و بیشتر کے نام مقالہ ہذا کے باب اول، فصل چہارم، بحث دوم کے تحت بعنوان ”طبقات مؤرخین“ کے ضمن میں تفصیل سے دیکھا جاسکتا ہے۔

بحث کا تجزیہ

طبقات سیرت نگاری کے عنوان کے تحت فن سیرت کی ابتداء کے بارے میں بتایا کہ پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے شروع میں علم سیر و مغازی کا آغاز ہو گیا تھا۔ جو دونوں سیرت کے ذیلی موضوع ہیں۔ اس کے بعد سیرت نگاروں کو طبقات میں تقسیم کرتے ہوئے مشہور سیرت نگاروں کا ذکر کیا۔

پہلے طبقے میں صحابہ کرامؓ دوسرے میں تابعین اور تیسرے میں تبع تابعین اور کچھ بعد والوں کو ذکر کیا جبکہ قرون وسطیٰ اور دور جدید کے سیرت نگار اور مؤرخین کو گزشتہ بحث دوم میں بعنوان: ”طبقات مؤرخین“ کے ضمن میں ذکر کر چکا ہوں۔

صحابہ کرامؓ چونکہ سیرت کا عملی نمونہ براہ راست دیکھنے والے تھے۔ اس لیے ان کا ذکر پہلے سیرت نگاروں میں اور بعد والوں کا بعد میں علی الترتیب کیا گیا۔

باب دوم

کتبِ تاریخ میں واقعاتِ سیرت

فصل اول:	بعثتِ نبوی ﷺ سے ما قبل دور کے واقعات
فصل دوم:	مکی دور کے اہم واقعات
فصل سوم:	مدنی دور کے اہم واقعات
فصل چہارم:	کتبِ تاریخ میں واقعاتِ سیرت کا ایک مطالعاتی جائزہ

فصل اول: بعثت نبوی ﷺ سے ماقبل دور کے واقعات

ولادت نبوی سے منسوب واقعات اور ان کا استنادی و درایتی جائزہ

اس فصل میں چند واقعات سیرت کا تنقیدی جائزہ کیا گیا ہے جن میں سے بعض واقعات یا تو روایت کے اعتبار سے ضعیف ہیں یا درایت کے اعتبار سے غیر معتبر معلوم ہوتے ہیں اس کے باوجود بھی ان واقعات کو اکثر مؤرخین نے یا تو بغیر سند کے اور یا علمائے جرح و تعدیل کے ہاں تسلیم شدہ جھوٹے راویوں کی سند سے اپنی اپنی کتب میں ذکر کیا ہے جن کی بدولت آج امت مسلمہ اختلاف آراء میں اس قدر دور چلی گئی کہ مسکنی اختلاف کی شکار رہی، ذیل میں بطور مثال چند ایک اہم واقعات کا روایتی و درایتی تجزیہ پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

واقعہ نمبر ۱

نبوت مصطفیٰ پر کاہن کی پیش گوئی

ایک روایت میں ہے کہ ایک بار عبدالمطلب یمن گئے۔ وہاں ایک کاہن ان کے پاس آیا اور ان کی اجازت سے ان کے نتھنوں کو دیکھ کر بتایا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہی کی علامت ہے^(۱)۔

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ تاریخ ابن کثیر، ابو نعیم، حاکم، بیہقی، سیرۃ النبی، طبرانی اور طبقات ابن سعد جیسی کتب میں موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت میں عبد العزیز کے بعد کاراوی یعقوب بن محمد الزہری ہے۔ جس کی نسبت علمائے جرح و تعدیل کی آراء

یہ ہیں۔

۱- سیرۃ النبی، علامہ، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، آریڈ پبلیکچرز، لاہور، ۱۴۰۸ھ، ۳/۴۰۰؛ تاریخ ابن کثیر، (البدایۃ والنہایۃ)، ابو الفداء، اسماعیل ابن کثیر، تحقیق و ترجمہ: طلحہ محمد اصغر، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، ۱/۷۰۸؛ المستدرک علی الصحیحین، أبو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ النیسابوری، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۰ء، الطبعة الأولى، حدیث نمبر ۴۱۷۶، ۲/۶۵۶؛ سیرت پاک، مولانا قاری محمد طیب صاحب، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۴۰۲ھ، پہلی اشاعت، ص ۲۱؛ ولادت نبوی ﷺ (سبل الہدیٰ والرشاد)، محمد بن یوسف، الصالحی، الشامی، ترجمہ: مفتی، محمد علیم الدین، نقشبندی، باب سوم، ص ۱

امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اگر یہ ثقہ راوی سے روایت کرے تو ان سے لکھو ورنہ نہیں۔^(۱) امام ابو زرہ^(۲) نے کہا وہ کچھ نہیں، وہ واقدی کے قریب ہے۔^(۳) امام احمد بن حنبل نے کہا وہ کچھ نہیں، اس کی حدیث لاشیء کے برابر ہے^(۴) حافظ زکریا بن یحییٰ ساجی اور امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے^(۵)۔ اگرچہ امام حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے۔ لیکن امام ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس پر تعلیق کرتے ہوئے یعقوب اور عبد العزیز دونوں کو ضعیف کہا ہے۔^(۶)

واقعہ کی درایتی حیثیت

ثقہ راویوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنو زہرہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور آپ ﷺ کے والد محترم کا نام حضرت عبد اللہ اور دادا کا نام حضرت عبد المطلب تھا۔ اگر یہ بات حضرت عبد اللہ سے کہی جاتی تو خلاف واقعہ نہ ہوتی۔ لیکن اس روایت کے راوی باپ کی بجائے دادا کی بنو زہرہ میں شادی کر رہے ہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بادشاہت و نبوت اس لڑکے یا اس لڑکے کی اولاد کے حصہ میں آئے گی جس کی ماں بنو زہرہ سے تعلق رکھتی ہو۔ یعنی نہ صرف حضور ﷺ کی والدہ بلکہ حضور ﷺ کی دادی کا تعلق بھی بنو زہرہ سے ہو۔

”عبد المطلب نے اپنی زندگی میں متعدد شادیاں کیں، جن میں سے ایک لڑکی بنو زہرہ خاندان سے بھی تعلق رکھتی تھی جس کا نام ہالہ بنت وہیب تھا۔ یہ حضرت آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں۔ عبد المطلب نے جس روز اپنے بیٹے عبد اللہ کا نکاح آمنہ سے کیا۔ اسی روز اپنا نکاح ہالہ سے کیا۔ اس طرح باپ بیٹے دونوں نے ایک دن شادیاں کی۔ عبد المطلب کے یہاں ہالہ سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام حمزہ ہے۔ اس طرح حضرت حمزہؓ آپ کے چچا زاد بھائی بھی ہوئے“^(۷)۔

یہ تمام تفصیلات جہرۃ انساب العرب میں بیان کی گئی ہے۔ اور نبوت و بادشاہت عبد اللہ کی اولاد کو ملی۔ نہ کہ حمزہؓ اور ان کی اولاد کو۔

۱- میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الذہبی، ۴/۳۵۴

۲- ایضاً: 4/354

۳- تہذیب التہذیب، أحمد بن علی العسقلانی ابن حجر، بیروت: دار الفکر، ۱۱/۱۹۸۴ء، ۳۴۸

۴- موسوعة أقوال الإمام أحمد بن حنبل فی رجال الحدیث وعللہ احمد عبد الرزاق عید وغیرہ، بیروت: عالم الکتب، ۱۹۹۷ء، ۴/۱۶۸

۵- میزان الاعتدال، ذہبی، ۴/۳۵۴

۶- المستدرک علی الصحیحین، محمد بن عبد اللہ النیسابوری الحاکم، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء،

حدیث نمبر: ۶۱۷۶، ۲/۶۵۶

۷- جہرۃ انساب العرب، علی بن احمد، ابن حزم، اندلسی، تحقیق: عبد السلام محمد ہارون، دار المعارف قاہرہ، (س ن)، پانچویں

اشاعت، ص ۳۹

واقعہ نمبر ۲

والدِ مصطفیٰ اور کاہنہ

روایت ہے کہ نور جب عبد اللہ کی پیشانی میں چمکا تو ایک عورت جو کاہنہ تھی اس نے نور کو پہچانا اور چاہا کہ خود عبد اللہ سے ہم بستر ہو کر اس نور کی امین بن جائے، مگر یہ سعادت اس کی قسمت میں نہ تھی، کیوں کہ اس وقت عبد اللہ نے عذر کیا اور گھر چلے گئے۔ وہاں یہ دولت آمنہ کو نصیب ہوئی۔ عبد اللہ نے واپس آ کر کاہنہ سے درخواست کی، تو اب اس نے رد کر دی کہ اب وہ نور تمہاری پیشانی سے منتقل ہو چکا۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ طبقات ابن سعد، ہوائف الجان لخرائط، تاریخ دمشق ابن عساکر، دلائل النبوة بیہقی اور دلائل النبوة ابو نعیم میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

ابن سعد نے تین طریقوں سے اس کی روایت کی ہے۔ ایک طریقہ جس میں پہلا راوی واقدی ہے۔ دوسرے میں کلبی ہے۔ یہ دونوں علمائے رجال کے ہاں معتبر نہیں ہیں^(۲)۔ تیسرا طریقہ ذکوان السمان ابو یزید مدنی تابعی^(۳) پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی اوپر کے راوی غائب ہیں۔

ابو یزید مدنی کی اگرچہ بعض آئمہ نے توثیق کی ہے لیکن امام بخاری کہتے ہیں: متھم بامر عظیم^(۴) اسی طرح مدینہ کے شیخ الکمل امام مالک فرماتے ہیں کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ ابو زرہ کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم۔^(۵)

۱- سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۳/۴۰۰؛ الطبقات الکبیر، محمد بن سعد، تحقیق: ڈاکٹر علی محمد عمر، مکتبۃ الخانجی القاہرہ، (س ن)، ۱/۷۵۔

۷۶، السیرۃ النبویۃ، سید احمد دحلان، ترجمہ: ذوالفقار علی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۴ء، ۱/۴۵؛ مذہبی داستانیں، حبیب

الرحمن کاندھلوی، الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ ناظم آباد کراچی، (س ن)، ۱/۷۵-۷۶

۲- الکامل فی ضعف الرجال، عبد اللہ بن عدی الجرجانی، تحقیق: یحییٰ مختار غزالی، دار الفکر بیروت، ۱۹۸۸ء، ۶/۲۴۱

۳- موسوعة اقوال آبی الحسن الدارقطنی فی رجال الحدیث وعللہ، محمد مہدی المسلمی وغیرہ، عالم الکتب بیروت، ۲۰۰۱ء، ۱/۳۰۶

۴- مختصر الکامل فی الضعفاء، احمد بن علی المقریزی، تحقیق: ائیم بن عارف، مکتبۃ السنۃ، دمشق، ۱۹۹۴ء، ۱/۷۵

۵- الطبقات الکبیر، ابن سعد، ۱/۷۵-۷۶

ابو نعیم نے چار طریقوں سے اس کی روایت کی ہے لیکن کوئی ان میں قابل وثوق نہیں۔ ایک طریقہ میں نضر بن سلمہ، احمد بن محمد اور عبد العزیز بن عمرو الزہری ہیں^(۱) اور یہ تینوں راوی غیر معتبر ہیں۔ دوسرے سلسلہ میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں۔^(۲) جو ضعیف سمجھے جاتے ہیں اور متعدد مجاہل ہیں۔ تیسرا سلسلہ یزید بن شہاب الزہری^(۳) پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آگے کا سلسلہ بیان نہیں کرتا اس لیے ان کا سلسلہ سند بھی معلوم نہیں۔ چوتھا بیہقی کا سلسلہ^(۴)، اور وہ اوپر مذکورہ تیسرا سلسلہ سند ہے۔ خرائطی^(۵) اور ابن عساکر^(۶) کا سلسلہ بھی ناقابل اعتبار اور کمزور ہے۔^(۷)

واقعہ کی درایتی حیثیت

غیر معتبر راویوں نے نبی کریم ﷺ کی ولادت سے متعلق مبالغہ آرائیوں کو منسوب کیا ہیں۔ جن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش ہے کہ حضور ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ ایک ہوس پرست اور بدکردار شخصیت کے مالک تھے۔ اور ایک فاحشہ عورت نے جب آپ کو اپنی طرف مائل کیا تو اسی وقت تو کسی عذر کی وجہ سے انکار کر دیا۔ لیکن بعد میں خود اس فاحشہ عورت کے پاس قبول درخواست کے لیے پہنچ گئے۔ یا پھر شاید سادہ لوحی سے نبی کریم ﷺ کے والد کی ظاہری فضیلت بیان کرتے ہوئے اس غیر مناسب حرکت کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ بہر حال ایک سلیم الطبع انسان مندرجہ بالا واقعہ پر غور کرے تو بالکل آسانی کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ واقعہ کا واقعہ کوئی دین کا دشمن تھا۔

دوسری طرف اس واقعے کی روایات میں حد درجے کا اضطراب پایا جاتا ہے کیوں کہ بعض راویوں نے اس عورت کو ورقہ بن نوفل کی بہن^(۸) جب کہ بعض نے کاہنہ^(۹) جیسے مختلف صفاتی ناموں کے ساتھ منسوب کیا ہے اور اسی طرح ایک اور اضطراب عورت کے قبیلے اور ذاتی نام میں بھی پایا جاتا ہے۔ قبیلے کی طرف نسبت میں بعض نے اس کو خثعمیہ

۱- دلائل النبوة، احمد بن عبد اللہ، الاصبہانی، ابو نعیم، تحقیق: الدکتور، محمد رواں قلجی ودیگر، دار النفائس، بیروت، ۱۹۸۶ء، ۱/۱۲۹

۲- ایضاً، ۱/۱۳۱

۳- ایضاً، ۱/۱۳۳

۴- دلائل النبوة، احمد بن الحسين البیهقی، تحقیق: د. عبد المعطی قلجی، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۹۸۸ء، ۱/۱۰۲

۵- هواتف الجنان، محمد بن جعفر الخرائطی، تحقیق: ابراہیم صالح، دار البشائر، جدة، ۲۰۰۱ء، ۱/۵۱

۶- تاریخ دمشق، علی بن الحسن ابن عساکر، تحقیق: عمر بن غرامہ العمروی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء، ۳/۴۰۶

۷- دلائل النبوة، ابو نعیم اصفہانی، تحقیق: محمد رواں قلجی، دار النفائس، بیروت، ۱۹۸۶ء، ۱/۱۳۰-۱۳۳

۸- کتاب السیر والمغازی والشمائل والسير، محمد بن إسحاق، تحقیق: سہیل زکار، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۸ء، ۱/۴۲

۹- البدایة والنہایة، ابن کثیر، مکتبة المعارف، بیروت، ۱۹۹۰م، ۲/۲۵۰-۲۴۹

جب کہ کئی دوسروں نے اس کو اسدیہ، عدویہ اور قریشیہ تک بھی لکھا ہے۔ اور ذاتی نام بعض نے قتیلہ اور بعض نے لیلیٰ نقل کیا ہے^(۱)۔

واقعہ میں مؤرخ کلبی کی استنادی حیثیت

امام ذہبی صاحب لکھتے ہیں۔ اس کا نام محمد بن السائب ہے۔ ابو النضر اس کی کنیت ہے۔ بنو کلب خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ کوفہ کا باشندہ ہے۔ ماہر الانساب مفسر اور مؤرخ ہے۔ امام شعبی وغیرہ سے روایات نقل کرتا ہے۔ اس سے اس کا بیٹا ہشام ابو معاویہ^(۲) روایت کرتے ہیں^(۳)۔

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ کلبی خود کہا کرتا تھا کہ مجھ سے ابو صالح^(۴) نے ایک بار بطور نصیحت یہ بات فرمائی تھی۔ اے کلبی تو نے ابن عباس کی جتنی روایات مجھ سے سنی ہیں انہیں کسی سے بیان نہ کرنا کیونکہ وہ جھوٹ ہیں^(۵)۔ پھر بھی اس کلبی نے خوب شجاعت کا اظہار کرتے ہوئے سب کچھ بیان کر دیا اور پوری ایک کتاب مرتب کی۔

ابو معاویہ کہتے ہیں میں نے کلبی کو یہ کہتے سنا ہے کہ جتنی جلد میں نے قرآن حفظ کیا ہے۔ اتنی جلد کسی نے قرآن حفظ نہیں کیا۔ میں نے چھ یا سات دن میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ اور جس طرح مجھے بھول واقع ہوئی تھی۔ ایسی بھول کسی کو واقع نہیں ہوئی ہوگی۔ وہ اس طرح کہ میں نے اپنی داڑھی مٹھی میں لی۔ تاکہ داڑھی نیچے سے کاٹ کر برابر کروں، اور اوپر سے کاٹ دی^(۶)۔

۱- محقق نے حاشیہ میں لکھا: تختط الروایات فی اسم المرأة فهي مرة امرأة من خنعم، ومرة أم قتال أختُ وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلٍ، ومرة هي لیلی العدویة، ومرة «كاهنة من أهل تبالة متهورة» ومرة أنه كان متزوجا بامرأة أخرى غير آمنة ... إلخ هذا التخييط الدال على الكذب، ولماذا اختار الرواة أختُ وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلٍ، أو امرأة كانت قد قرأت الكتب؟! وبالتالي: إننا إذا نظرنا إلى الشعر الوارد في هذا الخبر على لسان المرأة، لوجدناه شعرا ركيكا، مزيفا، مصنوعا، ملفقا، مضطرب القافية، محشورة الكلمات فيه بشكل مصطنع واضح الدلالة على تلفيقه وبهذا كله يسقط هذا الخبر الواهي، ويدل على هذا قول ابن إسحاق، والطبري، وغيرهما ممن نقلوا الخبر - فيما يزعمون - وهو زعم باطل (دلائل النبوة، احمد بن الحسين، ۱۰۵-۱۰۶؛ شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالشيخ الحمدي، محمد بن عبد الباقي الزرقاني، بيروت، دار الكتب العلمية، ۱۹۹۶ء، ۱/۱۹۰-۱۹۲۔

۲- الجرح وحین، أبو حاتم محمد بن حبان البستی، تحقیق: محمود ابراہیم زاید، دار الوعی، حلب، ۲/۳۵۰

۳- میزان الاعتدال، شمس الدین، محمد بن احمد الذہبی، تحقیق: علی محمد معوض ودیگر، دار الكتب العلمية، بیروت، ۱۹۹۵ء، ۶/۱۵۹

۴- ایضاً، ۷/۳۸۳

۵- التاریخ الكبير، الحافظ أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم الجعفي البخاري، مطبعة الدائرة الثانية الهند (سن)، ۱۰۱/۱

۶- تفصیل کے لیے دیکھئے: الکامل فی ضعفاء الرجال، عبد اللہ بن عدی بن عبد اللہ بن محمد أبو احمد الجرجانی، تحقیق: یحییٰ

مختار غزواوی، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ء، ص ۶/۱۱۳

یزید بن ہارون^(۱) کا بیان ہے کہ مجھ سے خود کلبی نے یہ بیان کیا کہ میں نے جس شے کو ایک بار یاد کر لیا۔ کبھی نہیں بھولا۔ لیکن ایک بار میں نے حجام کو بلوایا اور اپنی داڑھی برابر کرانے کے لیے مٹھی میں لی۔ اور بجائے نیچے سے کٹوانے کے اوپر سے کٹوالی^(۲)۔

یعلیٰ بن عبید^(۳) کہتے ہیں کہ امام سفیان ثوری نے لوگوں سے فرمایا۔ اے لوگو اس کلبی کی روایتوں سے بچو۔ کسی نے ان سے عرض کیا۔ آپ بھی تو اس کی روایات نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں تو اس کے سچ اور جھوٹ کو پہچانتا ہوں۔ یعنی یہ جانتا ہوں کہ اس کی کون سی روایت درست ہے اور کون سی غلط۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید القطان اور عبد الرحمن بن مہدی نے اس کی روایت ترک کی ہے پھر بخاری نے امام سفیان کا یہ قول باسند نقل کیا۔ کہ مجھ سے خود کلبی نے یہ بات کہی تھی کہ میں تجھ سے ابوصالح کے واسطے سے جو بھی حدیث بیان کروں تو سمجھ لے کہ وہ خالص جھوٹ ہے^(۴)۔

یحییٰ بن یعلیٰ کا بیان ہے کہ میں اس کلبی سے قرآن پڑھنے جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے یہ سنا کہ ایک دفعہ میں شدید بیمار ہوا اور اس بیماری کے باعث سب کچھ بھول گیا۔ میں آل محمد ﷺ کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے میرے منہ میں تھوکا۔ تو مجھے سب کچھ بھولا ہوا یاد آ گیا^(۵)۔

یحییٰ بن یعلیٰ کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد میں نے کلبی پر انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم آج کے بعد میں آپ سے کوئی روایت نہیں کروں گا^(۶)۔ یزید بن زریع^(۷) فرماتے ہیں یہ کلبی سبائی تھا^(۸)۔

امام اعمش^(۹) کو فی کا قول ہے۔ اے لوگو سبائیوں سے بچو۔ کیونکہ جن علماء کو میں نے دیکھا ہے وہ ان سبائیوں کو کذاب

۱- www.alsunnah.com الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث، ابو یعلیٰ الخلیلی، ۱/۴۵۹

۲- ایضاً: ۶/۱۱۵

۳- ایضاً: ۱/۲۱۱

۴- اکمال الجرجانی، ۶/۱۱۵

۵- ایضاً: ۶/۱۱۵

۶- اکمال، الجرجانی، ۶/۱۱۵

۷- معرفۃ الرجال للإمام أبی زکریا یحییٰ بن معین، أبو العباس، أحمد بن محمد بن قاسم بن مُحرز، تحقیق: أبو عمر محمد بن علی الأزهري الفاروق الحديث للطباعة والنشر، القاهرة، ۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹ء، پہلی اشاعت، ۱/۱۵۰

۸- اکمال، الجرجانی، ۶/۱۱۵

۹- سیر أعلام النبلاء، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن أحمد الذہبی، تحقیق: بإشراف شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، ۸/۳۲

کہا کرتے تھے^(۱)۔

ابن حبان کہتے ہیں۔ یہ کلبی سبائیوں کے اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو اس امر کا مدعی تھا کہ حضرت علیؑ کی موت واقع نہیں ہوئی۔ وہ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ اور دنیا کو عدل سے اس طرح بھر دیں گے جیسے وہ ظلم سے بھری ہوگی۔ یہ لوگ جب بادل کا کوئی ٹکڑا دیکھتے تو کہتے کہ امیر المؤمنین اس میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ سبائیوں کے اس گروہ کا نام فرقہ رجبیہ ہے^(۲)۔ ہمام^(۳) کا بیان ہے کہ کلبی تو بر ملا کہا کرتا تھا کہ میں سبائی ہوں^(۴)۔

ابو عوانہ^(۵) کہتے ہیں کہ میں نے خود کلبی کو یہ کہتے سنا ہے کہ جبرائیلؑ نبی کریم ﷺ پر وحی لے کر آتے۔ لیکن جب حضور ﷺ بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو وہ حضرت علیؑ پر وحی شروع کر دیتے^(۶)۔

احمد بن ہارون^(۷) کا قول ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ کلبی کی تفسیر کا مطالعہ کرنا حلال ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں^(۸)۔

امام ابن حبان کہتے ہیں۔ اس کا مذہب بھی ظاہر ہے۔ اور اس کا جھوٹ بھی اتنا اظہر من الشمس ہے کہ محتاج بیان نہیں^(۹)۔

یہ ابو صالح کے واسطے سے ابن عباسؓ سے تفسیر نقل کرتا ہے۔ حالانکہ ابو صالح نے ابن عباسؓ کو دیکھا تک نہیں۔ اور اس نے ابو صالح سے صرف ایک دو ہی باتیں سنی تھیں۔ اب جب بھی اسے جھوٹ بولنا ہوتا ہے اس ابو صالح کو یہ زمین کی گہرائیوں اور تاریکیوں سے باہر نکال لاتا ہے۔ اس کی روایت کا کسی کتاب میں ذکر بھی حلال نہیں۔ کجا کہ اس کی روایت کو بطور دلیل پیش کیا جائے^(۱۰)۔

۱- میزان الاعتدال، الذہبی، ۱۵۹/۶

۲- البحر وحین، أبو حاتم، ۱۸۷/۲

۳- کمال تہذیب الکمال، الحافظ علاء الدین، مغطای بن قلیج، الحنفی، تحقیق: أبو عبد الرحمن عادل بن محمد و دیگر، الفاروق الحدیثہ للطباعة والنشر، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء، پہلی اشاعت، ۳۴۰/۲

۴- البحر وحین، أبو حاتم، ۱۸۷/۲

۵- مسند ابی عوانہ، یعقوب بن اسحاق، تحقیق: ایمن بن عارف دمشقی، دار المعرفہ بیروت، ۱۹۹۸ء، پہلی اشاعت، ۱۰-۱۲

۶- تہذیب التہذیب، ابن حجر، ۱۷۸/۳۰

۷- المغنی فی الضعفاء، إمام الذہبی، ۲۸/۱

۸- البحر وحین، ابن حبان، ۱۸۸/۲

۹- البحر وحین، ابن حبان، ۹۳/۱

۱۰- میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ابی عبد اللہ، محمد بن احمد ذہبی، تحقیق: علی محمد، البجاوی، ۵۵۶/۳

کلبی کی کنیت میں التباس

اس کا ایک شاگرد رشید عطیہ بن سعد العونی (الکونی)^(۱) اس کی روایات کی اشاعت کا ذریعہ بنا۔ چونکہ کلبی کی کنیت ابو النضر ہے۔ اسی طرح ایک کنیت ابو سعید بھی ہے۔ عطیہ جب بھی اس کی روایت بیان کرتا ہے ابو سعید نے یہ روایت بیان کی ہے جس سے لوگ یہ دھوکہ کھاتے کہ ابو سعید سے مراد حضرت ابو سعید خدری صحابیؓ ہیں^(۲)۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ عطیہ کلبی کے پاس جایا کرتا تھا اور اس سے تفسیر پڑھا کرتا تھا^(۳)۔

یہاں سے یہ اصول واضح ہوا کہ جس روایت کو عطیہ ابو سعیدؓ سے نقل کرے۔ وہ کلبی کی جھوٹی روایت ہے، حضرت ابو سعیدؓ کی حدیث نہیں۔ اتفاق سے ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں اس قسم کی متعدد روایات موجود ہیں۔ جس کی تحقیق و تخریج کی ضرورت ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ واقدی اور کلبی نے یہ روایت کس سبب کے تحت بیان کی ہوگی۔ جو طبقہ نبی کریم ﷺ کو نبی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ آپ کے والد عبد اللہ کو کیسے معاف کر سکتے ہیں۔

اس ضمن میں دیگر راویوں کا مختصر حال معلوم کر لینا ہی کافی ہے۔ ان کا بالاختصار جائزہ درج ذیل لیا جاتا ہے۔

واقعہ کا دوسرا راوی مسلم بن خالد الزنجی

یہ تبع تابعی ہیں، بنو مخزوم کے غلام تھے۔ ان کی کنیت ابو خالد ہے۔ مکہ کے فقیہ تھے۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ان کی روایات پائی جاتی ہیں۔ امام شافعی اور حمیدی وغیرہ نے ان سے روایات لی ہیں۔

امام بخاری اسے منکر الحدیث کہتے ہیں، اور امام ابو حاتم اسے حجت نہیں مانتے، ساجی کہتے ہیں بہت غلطیاں کرتے ہیں۔ تقدیر کے منکر تھے۔ امام علی بن المدینی کہتے ہیں کوئی چیز نہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں ضعیف ہے۔ ابو محمد ازرقی^(۴) کا بیان ہے کہ وہ فقیہ اور بہت عبادت گزار تھے اور ہمیشہ روزے رکھا کرتے تھے۔ یعنی غلبہ زہد میں حفظ حدیث کی جانب توجہ نہیں تھی۔ ۱۸۰ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا^(۵)۔

۱- الکامل، البحر جانی، ۵/۳۶۹

۲- البحر و حین، ابن حبان، ۲/۱۸۷

۳- میزان الاعتدال، ذہبی، ۳/۸۰

۴- معلم بشیوخ البخاری و مسلم، أبو بکر محمد بن اسماعیل بن خلفون، تحقیق: أبو عبد الرحمن عادل بن سعد، دار الکتب

العلمیة، بیروت، الطبعة الأولى، ۱/۴۲

۵- ایضاً: ۴/۱۰۲-۱۰۳؛ الکامل، البحر جانی، ۶/۳۰۹

واقعہ کا تیسرا راولی نصر بن سلمہ

ابو حاتم رازی کہتے ہیں۔ یہ احادیث تیار کیا کرتا تھا۔ یعنی دماغ کی بھٹی میں۔ ابن عدی کہتے ہیں یہ مدینہ الرسول میں مقیم تھا۔ اس کی کنیت ابو محمد تھی اور شاذان المروزی کے لقب سے مشہور تھا۔

عبدان کا بیان ہے کہ میں نے عبدالرحمن بن خراش^(۱) سے دریافت کیا۔ کہ غلام خلیل^(۲) مدینہ کے علماء کی جو احادیث بیان کرتا ہے وہ کیسی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ اس نے عبداللہ بن شیب^(۳) سے چوری کی ہیں۔

اور عبداللہ بن شیب نے شاذان سے۔ اور شاذان نے انہیں خود وضع کیا ہے^(۴)۔

شاذان کا نام نصر بن سلمہ ہے^(۵)۔

واقعہ نمبر ۳

حضرت عبداللہ کے فراق میں دو سو عورتوں کا کنواری رہنا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دو سو عورتیں گنی گئیں جنہوں نے اس غم میں کہ عبداللہ سے ان کی شادی نہیں ہوئی مرتے دم تک کنواری رہیں۔ اور قریش کی کوئی عورت ایسی نہ تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو۔^(۶)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرت حلبیہ، مواہب لدنیہ، اللقسطلانی، طبقات ابن سعد، الخصائص الکبریٰ، ولادت نبوی ﷺ (سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد) اور عیون الاثر اور سیرت النبی جیسی کتب میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

- ۱۔ میزان الاعتدال، ذہبی، ۶۰۰/۲
- ۲۔ المغنی، الذہبی، ۱۲۶/۱
- ۳۔ میزان الاعتدال، الذہبی، ۱۱۸/۴
- ۴۔ دیکھئے: الکامل، الجرجانی، ۷/۲۹؛ میزان الاعتدال الذہبی، ۱۱۸/۴۔
- ۵۔ میزان الاعتدال الذہبی، ۴/۲۵۷-۲۵۶؛ الکامل، الجرجانی، ۴/۲۶۲
- ۶۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، الزرقانی، ۱/۱۹۳؛ سیرت النبی شبلی نعمانی، ۳/۴۰۱؛ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن،

واقعہ کی استنادی حیثیت

یہی واقعہ ہے جس کا ترجمہ اردو مؤلفین نے یہ کیا ہے کہ اس رات دو سو عورتیں رشک و حسرت سے مر گئیں۔ یہ روایت سند کے بغیر زقانی شرح مواہب لدنیہ میں بصیغہ رُوئی (مجهول) بیان کی گئی ہے^(۱)، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس کی صحت میں کلام واضطراب ہے۔ درحقیقت یہ روایت بالکل بے سند اور غیر معتبر ہے۔

واقعہ کی درایتی حیثیت

اس واقعہ میں درجہ ذیل باتیں اصول درایت کے خلاف ہیں۔

۱۔ بنو مناف اور بنو مخزوم کی ان دو سو عورتیں جنہوں نے عمر بھر شادی نہ کی ہو، ذخیرہ کتب میں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔

۲۔ کتب تاریخ میں بنو مخزوم اور بنو عبد مناف کی ایسی دس لڑکیوں کا نام بھی نہیں جو زندگی بھر کنواری رہیں ہو۔
۳۔ اس غم میں شریک لڑکیوں کو صرف ان دو خاندان تک محدود کیوں روار کھا گیا جبکہ بنو زہرہ، بنو جحج، بنو اسد، بنو خویلد، بنو تیم، بنو عدی، اور بنو غالب کی کسی لڑکی کا اس میں کوئی ذکر نہیں؟

۴۔ عبد مناف کے بیٹے کا نام ہاشم تھا۔ جس کی اولاد بنو ہاشم کہلاتی ہے۔ اس واقعہ میں بنو ہاشم کی عورتوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۵۔ اس واقعہ سے تو یہ ثابت ہو گا کہ عبد اللہ ہی کی شب وصال اہل مکہ کے لیے غم کی رات ہوتی ہوگی۔ اس سے حضور ﷺ کی فضیلت کیسی ثابت ہو سکتی ہے۔ یا خوبصورت الفاظ میں حضور ﷺ اور آپؐ کے والد پر تبرا کرنے کی کوشش ہے۔ نہ معلوم ایسی واقعات کو ہمارے محققین نے درایت کی روشنی میں کیوں نہیں دیکھا اور پرکھا۔^(۲)

واقعہ نمبر ۴

بی بی آمنہ کا حمل کا محسوس نہ کرنا

حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ ایام حمل میں حمل کی کوئی علامت پیدا نہ ہوئی اور عورتوں کو ان ایام میں جو گرانی اور تکلیف ہوتی ہے وہ بھی نہیں ہوئی، جزا اس کے کہ معمول میں کچھ تھوڑا سا فرق آگیا تھا۔^(۳)

۱۔ المواہب اللدنیۃ بالمدح الحمدیۃ، أحمد بن محمد القطانی، المكتبة التوفیقیۃ، القاهرة، مصر، باب طهارة نسبه ﷺ، ۱/ ۷۱-۷۲

۲۔ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن صدیقی، کاندھلوی، ۱/ ۸۱

۳۔ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمال والسیر، محمد ابن سید الناس، تحقیق: محمد العید، بیروت، دار ابن کثیر، (سنن)، ۱/ ۷۸

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرت حلبیہ، مواہب لدنیہ للقسطلانی، طبقات ابن سعد، الخصائص الکبریٰ، ولادت نبوی ﷺ، (سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد)، عیون الاثر اور سیرت النبی وغیرہ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

سیرت حلبیہ^(۱) اور مصنف خمیس^(۲) نے محمد ابن اسحاق اور ابو نعیم کی طرف اس روایت کو منسوب کیا ہے جبکہ محمد بن سید الناس نے عیون الاثر میں اس روایت کو بحوالہ واقدی نقل کیا ہے۔ نیز دلائل ابی نعیم کے مطبوعہ نسخہ جو دارالفنائس بیروت نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا ہے، میں اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور نہیں دراصل یہ قصہ ابن سعد نے دو سلسلوں سے نقل کیا ہے، مگر ان میں سے ہر ایک کا سلسلہ واقدی کا ہے، لیکن محدثین کی رائے میں اس کی روایت قابل قبول نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں سے کوئی سلسلہ بھی مرفوع نہیں پہلا سلسلہ عبد اللہ بن وہب پر ختم ہوتا ہے جو اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں جو کہتی ہے ہم سنا کرتے تھے اور دوسرا سلسلہ زہری پر جا کر ختم ہوتا ہے۔^(۳)

واقعہ کی درایتی حیثیت

زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی عمر ہجرت کے وقت تریپن (۵۳) سال تھی۔ اس لحاظ سے کم از کم درمیان میں سوا سو سال راوی درکار ہیں۔ رہا عبد اللہ بن وہب وہ تو زہری کے بعد پیدا ہوئے۔ ان کی پھوپھی کون تھی اس کا کچھ حال معلوم نہیں۔ اور پھر وہ کس سے سنا کرتی تھیں۔

اس قسم کی روایات میں ایک نقص یہ بھی ہے کہ کوئی صحابی ایسا نہیں جو نبی کریم ﷺ سے عمر میں اتنے بڑے ہوں جو اس قسم کے واقعات کو محفوظ رکھ سکیں۔ اور پھر وہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک حیات بھی رہے ہوں، اور بالخصوص اس کا تعلق بنی ہاشم سے ہو۔ رجال تاریخ، علم الانساب اور احادیث کا مطالعہ سے تو صرف پانچ افراد ایسے ملتے ہیں جو حضور ﷺ سے عمر میں بڑے تھے اور اسلام سے فیض یاب ہوئے۔ ان میں ایک ابو قحافہ^(۴) حضرت ابو بکر کے والد لیکن وہ خاندان بنی ہاشم سے تعلق نہیں رکھتے اور ان سے کوئی روایت مروی

۱- السیرۃ الحلبیۃ، (انسان العیون فی سیرۃ الایمن المأمون)، علی بن ابراہیم ابو الفرج، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۷ھ، ۱/۶۹

۲- تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس النفیس، حسین بن محمد، بکری، بیروت، دار صادر، (سن)، ۱/۱۸۵

۳- الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ۱/۷۸-۷۹

۴- المعارف، ابو محمد، مسلم بن قتیبة، تحقیق: ثروت عکاشة، الہیئة المصریة العامة للكتاب، ۱۹۹۲م، ص ۱۶۷

نہیں۔ دوسرے حکیم ابن خزام^(۱) ہیں جو حضور ﷺ سے عمر میں پانچ سال بڑے تھے۔ فتح مکہ کے وقت ایمان لائے۔ یہ حضور ﷺ کے بچپن کے دوست اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے۔ ان کا انتقال امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ہوا۔ لیکن ولادت کے سلسلے میں ان سے کوئی روایت مروی نہیں۔ تیسرے قباث بن اشیم^(۲) یہ صرف حضور ﷺ سے کافی بڑے تھے۔ ان سے بھی اس سلسلے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ چوتھے حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ^(۳) یہ صرف دو سال بڑے تھے۔ اور یہ حضور ﷺ ہی کی حیات میں جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ پانچویں حضرت عباسؓ^(۴) یہ حضور ﷺ کے چچا تھے۔ لیکن یہ بھی حضور ﷺ سے دو سال بڑے تھے۔ بعض روایات ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ لیکن دو سال کی عمر میں ان واقعات کو دیکھنا اور یاد رکھنا تقریباً ناممکن سا ہے۔

رہا حمل کی علامات کا بالکل ظاہر نہ ہونا یہ بھی خلاف عقل بات ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ بعض عورتوں کو دورانِ حمل گرانی زیادہ محسوس ہوتی ہے اور بعض عورتوں کو کم۔ اس حد تک تو بات قابلِ فہم ہے۔ لیکن حمل کی کسی علامت کا ظاہر نہ ہونا قابلِ تسلیم امر ہے۔ اگر یہ ممکن بھی ہوتا تو نبوت سے قبل تو آپ عام انسانوں کی طرح تھے۔ نہ ان امور کی جانب کسی نے توجہ دی اور نہ کسی نے بیان کیا۔

ایک روایت اس کے بالکل برعکس بھی ہے جو طبقات ابن سعد میں ہے کہ آمنہ کہا کرتی تھیں کہ میرے پیٹ میں کئی بچے رہے۔ لیکن اس بچے سے زیادہ بھاری مجھے کوئی اور بچہ محسوس نہیں ہوا^(۵)۔

یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اس معاملہ کا تعلق احکامات خداوند سے نہیں ہے جو اس سلسلہ میں وحی کا نزول کرتا اور آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرماتا۔ جب حضرت آمنہ کا انتقال ہوا تو حضور ایک کم سن بچے تھے اور یہ بات ماں کے علاوہ کوئی اور کیسے بتا سکتا ہے۔ پھر اس روایت اور سابقہ روایت میں کافی تناقض بھی پایا جاتا ہے حالانکہ یہ دونوں روایات ابن سعد کی نقل کردہ ہیں۔

اسی لیے محدثین کرام اور ماہرین رجال بالخصوص متقدمین نے جہاں ان روایات پر موضوعات اور رجال کی کتابوں میں بحث کی ہیں۔ وہاں ان مؤرخین کی حقیقت بھی بتائی ہیں۔^(۶)

۱ - المعارف، ابن قتیبة، ۱/ ۳۱۱

۲ - تاریخ الطبری، امام طبری، ذکر مولد رسول اللہ ﷺ، ۲/ ۱۵۵

۳ - الإصابة، ابن حجر، تحقیق: عادل أحمد عبدالموجود، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ۲/ ۱۰۵

۴ - الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، أبو عمر، ابن عبد البر، تحقیق: علی محمد البجادی، دارالخیل، بیروت، ۱۹۹۲م، ۲/ ۸۱۰

۵ - الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ۱/ ۷۹

۶ - مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن، کاندھلوی، ۱/ ۳۹-۵۰

واقعہ نمبر ۵

دورانِ حمل خواب میں آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ رکھنا

روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے خواب میں آپ ﷺ کے عظیم المرتبت ہونے کی خبریں پائیں اور انہیں آپ ﷺ کا نام محمد^(۱) رکھنے کے بھی ہدایت کی گئی اور جب وہ بیدار ہوئیں تو انہیں سونے کا ایک ورق ملا، اس میں اشعار تھے، جن کے ساتھ آپ ﷺ کو پکارا گیا تھا۔^(۲)

بعض کتب نے اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے، کہ سیدہ آمنہ نے دورانِ حمل تعویذ پہنے ہوئے تھے جو خود بخود کٹ گئے، یا ایک مرتبہ آپؐ نیند سے بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ ان کے پاس سونے کا ایک صحیفہ پڑا ہے، جس میں آپ ﷺ کے لئے دعائیہ اشعار لکھے ہوئے ہیں، جن میں سے چند ایک اشعار یہاں ذکر کیے جا رہے ہیں:

أَعِيزَهُ بِالْوَاحِدِ مَنْ شَرَّ كُلِّ حَاسِدٍ

(اللہ جو ذات و صفات اور اسماء میں یکتا ہے، سے ہر ایک حاسد کے شر سے محمد ﷺ کی نگہبانی اور حفاظت چاہتی ہوں۔)

وَكُلِّ خَلْقٍ رَأْدٍ مَنْ قَامَ وَقَاعِدُ

(اور ہر اس مخلوق سے جو برائی کی آرزو رکھتی ہے، کھڑی ہے یا بیٹھی ہے، (تمام کی شر سے پناہ چاہتی ہوں۔)

عَنِ السَّبِيلِ عَانِدٍ عَلَى الْفَسَادِ جَاهِدُ

([مخلوق میں سے] جو بھی سیدھی راہ سے ہٹا ہوا ہے اور فساد و خرابی کے لیے کوشاں ہے، [اس کی شر سے پناہ چاہتی ہوں])

مَنْ نَافَثَ أَوْ عَاقَدَ وَكُلِّ خَلْقٍ مَارِدُ

(جادو گر اور گرہوں میں سحر پھونکنے والے اور ہر سرکش مخلوق (کے شر سے اس کی پناہ چاہتی ہوں)۔

يَا خُذْ بِالْمِرْصَدِ فِي طَرِيقِ الْمَوَارِدِ^(۳)

(اور ایسی مخلوق کے شر سے پناہ مانگتی ہوں) جو لوگوں کے جائے ورود میں انہیں پکڑنے کے لیے تاکوں میں

تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔)

۱- کتاب السیر والمغازی، ابن اسحاق، ۱/۴۱-۴۲

۲- الخصائص الکبریٰ، السیوطی، ۱/۹۳؛ البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ۱/۲۶۳، السیرۃ النبویۃ، زینی دحلان، ۱/۵۳۔

۳- دلائل النبوة، ابو نعیم اصفہانی، ۱-۲/۱۳۷

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ محمد ابن سعد کے طبقات، دلائل النبوة لابن نعیم اصفہانی، السيرة النبوية للامام ذہبی، خصائص الکبریٰ امام سیوطی اور شرح مواہب لدنیہ امام قسطلانی جیسی کتب میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

یہ واقعہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی طویل روایت کا ایک مختصر سا ٹکڑا ہے جسے مؤرخ ابن اسحاق نے اپنی سیرت کی کتاب میں ایک مجہول راوی جہم بن ابی جہم کی سند کے ساتھ نقل کی ہے^(۱) اور بعض علماء نے اسے قوی ثابت کرنے کے لیے واقدی کی نقل کردہ روایات کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن واقدی خود ایک متروک راوی ہے۔ اس کے شواہد میں حسان بن عطیہ، اسحاق بن عبد اللہ اور داؤد بن ابی ہند کی روایات پیش کی گئیں لیکن وہ سب کے سب مراسیل ہیں۔ ان سے بھی اس روایت کو تقویت نہیں مل سکتی^(۲)۔

واقعہ کی درایتی حیثیت

۱- اس روایت میں حضرت آمنہ کو رسول کریم ﷺ کا نام محمد اور احمد رکھنے کی ہدایت کی گئی ہیں جبکہ آپ ﷺ پر محمد کا نام آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب ہی نے رکھا تھا۔ رہا آپ ﷺ کے لیے احمد کا نام یہ تو پہلے ہی سے انجیل میں آپ ﷺ کے لیے مذکور تھا۔ اور قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کی اپنی قوم کو احمد مصطفیٰ ﷺ کی مبعوث ہونے کے بارے میں بشارت بھی موجود ہے جیسا کہ آیت مبارکہ ہے:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾^(۳)

اور میں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جس کا نام احمد ﷺ ہو گا۔

۲- اس روایت میں حضرت آمنہ کو دورانِ حمل ایک دفعہ یہ بھی حکم دیا جاتا ہے کہ مولودِ مسعود کی ولادت کے فوراً بعد آپ کے گلے میں تعویذ لٹکا دیا جائے۔ اور یہ روایت اس حدیث صحیح کا بالکل متعارض ہے جس میں اسلام سے پہلے رائج غیر شرعی تعویذات و گنڈوں کو شرک سے تعبیر کیا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا:

۱- السيرة النبوية، محمد بن اسحاق، تحقيق: سهيل زكار، دار الفكر، بيروت، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸م، الطبعة الأولى، ۱/ ۴۵-۴۶؛ السيرة النبوية (من البداية والنهاية لابن كثير)، أبو الفداء، إسماعيل بن عمر بن كثير، تحقيق: مصطفى عبد الواحد، دار المعرفة، بيروت، ۱۳۹۵ھ/

۲۰۶/۱، ۱۹۷۶م

۲- السيرة النبوية الصحيحة، د. أكرم ضياء العمرى، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، ۱۹۹۴م، الطبعة السادسة، ۱/ ۹۹

۳- سورة الصف ۶/۶۱

(مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ) ^(۱)

جس نے تعویذ لٹکا یا اس نے شرک کیا۔

اور اس کے دوسرے شواہد و متابعات بھی کثرت سے ذخیرہ احادیث میں موجود ہیں۔ اس سخت وعید کے باوجود یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک نبی جن کی بعثت کا مقصد کفر و شرک کو مٹانا ہو اور پھر ان کی زندگی کی شروعات نعوذ باللہ کسی ایسے عمل سے ہو جو سرپائے شرک ہو، حالانکہ انبیاء کرامؑ کے بارے میں امت کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ وہ بعثت سے قبل بھی گناہوں سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔

۳۔ محمد بن اسحاق کے بارے میں اکثر محدثین عظام کی رائے یہ ہے کہ وہ مدلس ہے اس لیے اس کی روایت قابل قبول نہیں ہے۔

واقعہ نمبر ۶

ایک یہودی تاجر کا آپ ﷺ کی پیدائش سے منسوب خبر

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ہشام بن عروہ اپنے والد کے واسطے سے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ میں ایک یہودی تجارت کرتا تھا، جس رات رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے، اس نے قریش کی ایک مجلس میں آکر پوچھا آیا آج رات کسی قریشی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ اہل مجلس نے لاعلمی کا اظہار کیا، اس نے ”اللہ اکبر“ کہہ کر کہا تم کو نہیں معلوم تو غور سے سنو اور میری بات یاد رکھو، آج رات کو آخری امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک نشانی ہے۔ اس میں گھوڑے کے بال کی طرح مسلسل بال ہیں۔ وہ دو رات تک دودھ نہ پیے گا۔ کیوں کہ ایک عفریت جن نے اس کے منہ میں انگلی ڈال رکھی ہے، جس کی وجہ سے وہ دودھ نہیں پی سکتا، چنانچہ مجلس برخاست ہوئی اور وہ یہودی کی بات سے نہایت حیرت و تعجب میں تھے۔ جب گھروں کو لوٹے تو ہر ایک نے اپنے اہل خانہ سے پوچھا تو سب کے اہل خانہ نے کہا واللہ! عبد اللہ بن عبد المطلب کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور اس کا نام محمد رکھا ہے، پھر اہل مجلس کی باہمی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا یہودی کی بات تم نے سن لی ہے اور کہا بچے کی پیدائش کی خبر بھی معلوم ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ یہ بات کرتے ہوئے یہودی کے پاس آئے اور اسے سارا واقعہ بتایا تو اس نے کہا میرے ساتھ چلو کہ میں اس بچے کو دیکھوں، چنانچہ وہ یہودی کو حضرت آمنہؓ کے گھر لے آئے تو انہوں نے کہا اپنے بچے کو تولاد، وہ لائی تو انہوں نے بچے کی کمر سے کپڑا سرکایا تو اس پر یہودی نے تل دیکھا تو فوراً غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو پوچھا، افسوس! تجھے کیا ہوا؟ تو اس نے

۱۔ مسند امام احمد، أبو عبد اللہ، أحمد بن حنبل، الشیبانی، تحقیق: شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱ء، ۲۸/۶۳

کہا واللہ! اسرائیل کے خاندان سے نبوت رخصت ہو گئی۔ اے قریش! تم اس نبوت سے خوش ہو وہ ایسا حملہ کرے گا کہ ساری دنیا میں اس کی خبر پھیل جائے گی۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ مستدرک حاکم، تاریخ دمشق اور دلائل النبوة میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس کی سند میں ابن اسحاق مدلس ہیں اور ان کے سماع کی وضاحت نہیں۔^(۲) یہ روایت امام حاکم کی مستدرک میں ہے، جسے اس نے صحیح کہا ہے۔ مگر اہل علم جانتے ہیں کہ امام حاکم کا کسی روایت کو صحیح کہنا ہمیشہ توثیق کا محتاج رہتا ہے۔ اور علمائے رجال یہی کہتے ہیں کہ امام ذہبی جب تک امام حاکم کی روایت کی توثیق نہ کریں تو توقف بہتر ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے امام حاکم کی موافقت نہیں کی ہے^(۳)۔ ابو غسان محمد بن یحییٰ کو بعض محدثین نے ثقہ کہا ہے۔^(۴) مگر محدث سلمان نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے، اور امام ابن حزم نے اس کو مجہول کہا ہے۔^(۵) اور مزید یہ کہ اس کے باپ یحییٰ بن علی کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا کہ یہ کون تھا، اور کب گزرا ہے؟

اسی قسم کی ایک روایت اسی راہب کے متعلق ابو جعفر بن ابی شیبہ سے مروی ہے۔ ابو نعیم نے دلائل النبوة میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس کو ذکر کیا ہے، لیکن امام زر قانی اور ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے کہ اس روایت میں ضعف ہے، اس لیے معتبر نہیں۔^(۶)

۱- سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، محمد بن یوسف، الصالحی، الباب الخامس فی إخبار الأخبار وغیرہم ببلدیۃ ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم، تحقیق: ڈاکٹر، مصطفیٰ عبد الواحد، قاہرہ، لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، ۱۹۹۷م، ۱/۲۰۹-۲۱۰؛ سیرۃ المصطفیٰ، کاندھلوی، ۱/۵۴-۵۵؛ السیرۃ النبویۃ، زینی دحلان، ۱/۵۷

۲- میزان الاعتدال، ذہبی، ۳/۴۷۵

۳- دلائل النبوة، احمد بن الحسین البیہقی، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۵ھ، ۱/۱۰۵

۴- موسوعة اقوال أبی الحسن الدارقطنی فی رجال الحدیث وعللہ، محمد مہدی المسلمی وغیرہ، عالم الکتب، بیروت، ۲۰۰۱ء، ۲/۶۳۶

۵- ذیل میزان الاعتدال، زین الدین عبد الرحیم، العراقی، تحقیق: علی محمد معوض ودیگر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۵ء، ۱/۱۸۸

۶- لطائف المعارف فیما لم یسم العام من الوظائف، ابن رجب عبد الرحمن بن احمد ابو الفرج، دار ابن حزم، بیروت، ۲۰۰۴ء، ۱/۹۲؛ سیرت النبی، شبلی، ۳/۴۰۷-۴۰۸

واقعہ کی درایتی حیثیت

دودن تک دودھ نہ پینا جس پر مورخین اور اہل سیر متفق ہیں؛ جن میں اسحاق بھی داخل ہے کہ آپ نے دو یا تین دن تک اپنی والدہ کا دودھ پیا۔ پھر آپ نے ثوبیہ (ثویبہ) کا دودھ پیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو حضرت حلیمہ اپنے ساتھ لے کر چلی گئیں۔

معتبر روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہود کی آسمانی کتاب میں یہ بات واضح طور پر موجود تھی کہ خاتم النبیین کا دارالہجرت یثرب ہی ہوگا۔ تبھی وہ آپ ﷺ کے قرب بعثت کے ایام میں یہاں آکر آباد ہوئے تاکہ وہ نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد مدینہ کے موقع پر سب سے پہلے ان کے حواری و انصار بن کر اس فضیلت کے مستحق بن جائے، جو آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے ان کے کتب میں موجود تھی؟

لیکن آپ ﷺ کی بعثت کے بعد وہ آپ ﷺ پر ایمان لانے سے اس لیے مکر گئے کہ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت ان کے خیال کے برعکس اولاد اسماعیل میں ہوئی اور آپ ﷺ سے پہلے اکثر انبیاء کرام اولاد اسحاق میں مبعوث ہوئے جو یہودیوں کے نسل سے تھے، اور قرآن پاک میں یہ بھی ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾^(۱)

یہ یہود مدینہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے اپنی ایک کتاب بھیجی ہے یہ خاتم الانبیاء کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔

یہودیوں کو اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کی پیدائش قریش ہی میں ہوگی جیسا کہ تاجر موصوف کے واقعہ میں مذکور ہے تو کبھی بھی مدینہ ہجرت کر کے آباد نہ ہوتے اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا انتظار نہ کرتے۔ حالانکہ ان کی مدینہ کی طرف ہجرت ایک غلط فہمی پر مبنی تھا وہ یہ کہ ان کے گمان کے مطابق نبی آخر الزمان بنی اسحاق میں سے ہو گا نہ کہ بنی اسماعیل میں سے۔ تو درایت تاجر کی آپ ﷺ کی پیدائش کی خبر دینا محض بے حقیقت قصہ معلوم ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس یہودی تاجر کو یہاں تک کیسے معلوم ہوا کہ آج خاتم النبیین ضرور پیدا ہوگا، اتنی زیادہ باریکیاں تو کسی آسمانی کتاب میں موجود نہیں ہوتی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر ولادت نبوی کے متعلق اتنی مضبوط گواہی یہود دیتے تو خواہ مخواہ اس کا چرچا زبان زد عام و خاص ہوتا اور اور یہی واقعہ بیشتر کفار مکہ کے اسلام لانے کا سبب بنتا حالانکہ وہ اکثر کہا بھی کرتے کہ اگر ہمارا گمان تھوڑا سا بھی یہ ہوتا کہ آپ ﷺ نبی ہیں تو ہم ہر گز آپ ﷺ کو دکھاتے نہیں، لیکن ایسی کوئی مثال تاریخ اسلام میں ہمیں

نہیں ملتی کہ جن سے واضح طور پر یہ پتا چلے کہ کسی نے آپ ﷺ پر اس لیے ایمان لایا ہو کہ انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق یہود و نصاریٰ سے سنی ہو اور یا نبی ﷺ کے معجزات دیکھ کر کسی نے ایمان لایا ہو۔

واقعہ نمبر ۷

عمیس راہب کی پیشین گوئی سے منسوب واقعہ
مکہ کے شمال میں ۲۲ کلومیٹر دور مرّ الظہر ان^(۱) قصبہ ہے، جہاں ”عمیس“ نامی راہب نے
آپ ﷺ کی پیدائش کی خبر دی۔^(۲)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ تاریخ دمشق، مواہب لدنیہ اور السیرۃ النبویۃ لابن کثیر میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

ابن عساکر نے تاریخ دمشق اور ابن کثیر نے السیرۃ النبویۃ میں کہا ہے کہ اس میں غرابت و انوکھا پن ہے^(۳)۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ ایک گری ہوئی سند ہے، اس میں مسبب بن شریک ایک متروک راوی ہے۔^(۴)

واقعہ کی درایتی حیثیت

یہ واقعہ بھی درایت کے اعتبار سے اوپر والے واقعہ کی طرح بالکل غلط ہے کیونکہ کسی بھی یہودی کو یہ علم غیب نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے وہ آپ ﷺ کی پیدائش کا خاص دن اور خاص لمحہ بتا سکتے۔

۱- مرّ علاقے اور ظہران وادی کا نام ہے اور مرّ الظہر ان کا پرانا نام تھا جبکہ اس وادی کا جدید نام وادی فاطمہ ہے جو سعودی عرب میں واقع ہے اور یہاں اسلم، ہذیل اور غاضرہ قبائل کے بہت سے چشمے ہیں (یا قوت الحموی، معجم البلدان، دار صادر، بیروت، ۱۹۹۵ء، ۶۳/۴)

۲- سبل الہدی والرشاد، محمد بن یوسف الصالحی الشامی، الباب الخامس فی اخبار الاحبار وغیرہم ببلدیۃ ولادتیہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۱/۳۴۰؛ النعمۃ الکبریٰ علی العالم فی مولد سید ولد آدم ﷺ، زینی دحلان، احمد ابن حجر مکی، ترجمہ: میاں محمد طفیل، سیالکوٹ، قادری کتب خانہ، ۱۴۰۱ھ، ۷۱-۷۶

۳- السیرۃ النبویہ، ابن کثیر، تحقیق: مصطفیٰ عبد الواحد، بیروت، دار المعرفۃ للطباعة والنشر، ۱۹۷۱ء، ۱/۲۲۲

۴- الضعفاء الصغیر، محمد بن اسماعیل البخاری، تحقیق: محمود ابراہیم زاید، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۹۸۶ء، ۱/۱۱۵؛ محمد بن احمد شمس الدین تنقیح التحقیق فی احادیث التعلیق، الذہبی، تحقیق: مصطفیٰ ابو الغیط ودیگر، الریاض، دار الوطن، ۲۰۰۰ء، ۲۱/۶۳

فصل کا تجزیہ

اس فصل میں سات واقعات ایک کاہن کی پیشگوئی، ایک کاہنہ کا آپ کے والد کو دعوت گناہ، آپ کے والد عبد اللہ سے دو سوعورتوں کا شادی کی تمنا رکھنا، بی بی آمنہ کا حمل محسوس نہ کرنا، آپ کی والدہ کو خواب میں آپ کا نام محمد رکھنے کا حکم، ایک یہودی کا آپ کی پیدائش کی خبر دینا اور عیص راہب کی پیشگوئی۔

پہلے واقعہ کو اگر دیکھا جائے تو اس میں ایک راوی یعقوب بن محمد الزہری ہیں، جنکی بات امام ابو زرہ فرماتے ہیں وہ کچھ نہیں واقدی کے قریب ہے، امام بخاری نے انھیں منکر الحدیث کہا ہے اور ان سے ملتی جلتی دوسرے علماء کی آراء ہیں۔ درایتی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اس روایت سے حضرت حمزہ کی فضیلت سمجھ آتی ہے نہ کہ نبی ﷺ کی تو کیسے اس روایت کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے واقعہ میں روایت تین طرق سے مروی ہے ایک طریقہ میں واقدی ہے دوسرے میں کلبی اور تیسرے میں ذکوان السمان ابو یزید مدنی تابعی ہیں۔ اول الذکر دونوں علمائے اسما الرجال کے ہاں معتبر نہیں اور تیسرے تابعی ہیں ان پر سلسلہ سند ختم ہو جاتا ہے اوپر کے راویوں کا ذکر ہی نہیں ملتا۔

درایتی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو آپ کی طرف ہوس کی نسبت ہوتی ہے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ تیسرا واقعہ مختلف کتب میں مختلف مفہوم کے ساتھ موجود ہے۔ کہیں فراق میں بیٹھے رہنے کا اور کہیں فراق میں مرجانے کا کہا گیا ہے، علامہ زرقانی اس روایت کو مجہول کے صیغہ سے لائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی اس روایت کی بابت مضطرب تھے۔ درایتی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو کہیں ان دو سوعورتوں کی تفصیل نہیں پھر یہ غم صرف دو خاندانوں تک محدود کیوں۔

چوتھا واقعہ جس میں بی بی آمنہ کے حمل کو محسوس نہ کرنے کی بابت ذکر کیا ہے تو یہ واقعہ بھی تھوڑے بہت فرق کے ساتھ مختلف کتب میں درج ہے اس واقعہ کو ابن سعد نے دو سلسلوں سے روایت کیا ہے دونوں میں واقدی موجود ہے۔ درایتی بھی اگر دیکھا جائے تو اس روایت کو بیان کرنے کے لیے سوا سو سال کے عرصہ کے راوی درکار ہیں جو معلوم نہیں۔ پانچویں واقعہ میں آپ کا نام محمد رکھنے کے حوالے سے الہام کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں اس کے ساتھ اضافہ ہے کہ بی بی آمنہ نے تعویذ پہنی ہوئی تھیں جو کٹ کر گر گیا۔ بعض نے کچھ اشعار بھی ذکر کیے ہیں ابن اسحاق نے ایک مجہول راوی جہم بن ابی جہم کی سند سے نقل کیا ہے باقی تمام روایات بھی مراسیل ہیں۔ درایتی بھی اگر دیکھا جائے تو آپ کا نام محمد توداد نے رکھا تھا احمد تو انجیل سے چلا آ رہا ہے پھر الہام کا کیا معنی؟

چھٹے واقعے میں ابن اسحاق مدلس ہے اور اس کی سماعت کی صراحت نہیں، مستدرک حاکم کی روایت توثیق کے بغیر قابل اعتماد نہیں سمجھی جاتی۔

درایۃ بھی اگر دیکھا جائے تو مکہ میں یہودی کہاں سے آیا، مزید برآں دہن مبارک میں شیطان کا انگلی رکھنا کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔

ساتویں واقعہ میں عیص راہب مکہ کے شمال میں بائیس کلو میٹر دور بیٹھ کر آپ کی پیدائش کی خبر دے رہا ہے اس روایت کو ابن کثیر نے غریب کہا جبکہ امام ذہبی کہتے ہیں ایک گری ہوئی سند ہے۔
ان روایات میں اگر دیکھا جائے تو کہیں نہ کہیں سقم موجود ہے۔ کہیں راوی قابل اعتماد نہیں اور کہیں روایت مرسل ہے اور کہیں درایۃ باریک سقم موجود ہے۔

فصل دوم: مکی دور کے اہم واقعات

واقعہ نمبر ۸

حضرت حلیمہ سعدیہ اور آپ ﷺ کی رضاعت

ثویبہ (ثویبہ) کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا، اس زمانہ میں دستور تھا کہ شہر کے رؤسا ء اور شرفاء شیر خوار بچوں کو اطراف کے قصابات اور دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے، یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھیں۔

شرفائے عرب نے مدت تک اس رسم کو محفوظ رکھا، یہاں تک کہ بنو امیہ نے دمشق میں پائے تخت قائم کیا اور شاہانہ شان و شوکت میں قیصر و کسریٰ کی ہمسری کی، تاہم ان کے بچے صحراؤں میں بدوؤں کے گھر میں پلتے تھے۔ ولید بن عبد الملک خاص اسباب سے نہ جاسکا اور حرم شاہی میں پلا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان بنی امیہ میں صرف ولید ہی ایک شخص تھا جو عربی صحیح نہیں بول سکتا تھا۔

غرض دستور مذکور کی بنا پر سال میں دو مرتبہ دیہات سے شہر میں عورتیں آیا کرتی تھیں اور شرفائے شہر اپنے شیر خوار بچوں کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ اس دستور کے موافق آپ ﷺ کی ولادت کے چند روز بعد قبیلہ ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں، ان میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہاتھ نہ آیا۔ آپ ﷺ کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا مگر ان کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی۔ لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جاسکتی تھیں، اس لیے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی اور آپ ﷺ کو لے کر گئیں، ان کی ایک صاحبزادی تھی، جن کا نام شیمہ تھا، ان کو آپ ﷺ سے بہت انس تھا، وہی آپ ﷺ کو کھلایا پلایا کرتی تھیں، دو برس کے بعد حلیمہ آپ کو مکہ میں لائیں اور آپ ﷺ کو والدہ ماجدہ کے سپرد کیا۔ چونکہ اس زمانہ میں مکہ میں یہاں وبا پھیلی ہوئی تھی، آپ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ۔ چنانچہ دوبارہ گھر میں لائیں، اس میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ حضرت حلیمہ کے یہاں کتنے برس تک رہے، ابن اسحاق نے وثوق کے ساتھ چھ برس لکھا ہے۔

ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت میں مشہور ہے، ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”میں تم سب سے فصیح تر ہوں، کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔“ بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہیں۔

حضرت حلیمہ کیساتھ آپ ﷺ کو بے انتہا محبت تھی، عہد نبوت میں جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ ”میری ماں، میری ماں“ کہہ کر لپٹ گئے۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ مواہب لدنیہ، سیرت نبوی مہدی رزق اللہ احمد، سیرت پاک محمد اسلم قاسمی، تجلیات نبوت صفی الرحمن مبارک پوری، سیرۃ النبی شبلی نعمانی اور اوجز السیر محمد شفیع عثمانی جیسی کتب میں کی ویشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

یہ تمام واقعہ دو طریقوں سے مروی ہے۔ ایک طریقہ کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مجہول شخص ہے^(۲)۔ اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی^(۳) ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحاق^(۴)، ابن راہویہ، ابویعلیٰ، طبرانی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ اس کا سلسلہ سند یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولیٰ حارث بن حاطب نے بیان کیا۔ اور وہ کہتا ہے کہ مجھ سے عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا کسی ایسے شخص نے بیان کیا۔ جس نے عبد اللہ بن جعفر سے سنا۔ اور عبد اللہ بن جعفر نے حضرت حلیمہ سے سنا۔

اس روایت میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہم اس روایت کا خود عبد اللہ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں بتاتا۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ عبد اللہ بن جعفر یا کسی نے ان سے سن کر کہا۔ معلوم نہیں وہ کون تھا، اور کیسا شخص تھا؟^(۵)

واقعہ کی درایتی حیثیت

علمائے سیر و رجال میں خود حلیمہ کے اسلام یا نبوت کے بعد آپ ﷺ سے ملاقات میں اختلاف رکھتے ہیں۔ صرف ایک دفعہ غزوہ ہوازن کے موقع پر ان کا آنا کسی نے بیان کیا ہے۔ (حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وہ حلیمہ کی بیٹی شیماء اور ان کا خاندان حالت کفر میں گرفتار ہو کر آیا تھا۔ کیونکہ غزوہ ہوازن حلیمہ کے خاندان ہی سے ہوئی تھی) مگر اس موقع پر

۱- سیرت محمدیہ (مواہب لدنیہ)، احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب، القطلانی، ۱/۱۰۳-۱۰۷؛ سیرت نبوی، مہدی، رزق اللہ احمد،

ترجمہ: شیخ الحدیث حافظ محمد امین، دارالعلم، ممبئی، ۲۰۱۲ء، ۱/۱۶۸-۱۷۳؛ تجلیات نبوت، صفی الرحمن مبارک پوری، دارالسلام، ص

۴۲؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر) مفتی، محمد شفیع عثمانی، ۱۴-۱۵؛ سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۳/۴۰۸

۲- میزان الاعتدال، علامہ ذہبی، ۱/۴۲۶

۳- ایضاً: ۳/۲۶۲-۲۶۶

۴- میزان الاعتدال، علامہ ذہبی، ۳/۴۷۵

۵- مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندھلوی، ۱/۹۰

عبداللہ بن جعفرؓ کا جو کمسن تھے۔ موجود ہونا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے۔ (بلکہ فتح مکہ اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی کوئی بچہ آپ کے ہمراہ نہ تھا^(۱))۔

واقعہ نمبر ۹

برکات محمدی ﷺ سے منسوب واقعہ

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ جب میں سیدہ آمنہ کے گھر اس در یتیم کو لینے گئی تو آپ ﷺ سو رہے تھے۔ ماں نے اشارے سے بتایا میں قریب گئی، چہرہ مبارک کی تابانی دیکھی تو جگانے کی ہمت نہ ہوئی۔ محبت سے پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ آپ ﷺ نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے دیکھا اور مسکرائے۔ آنکھوں کا نور اور معصومانہ مسکراہٹ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اگرچہ یہ بچہ یتیم ہے مگر اپنی عظمت و شرافت میں مکہ کے بچوں کا سردار معلوم ہوتا ہے۔ اس کی برکتوں سے نہ صرف میری پریشانیاں دور ہوں گی۔ بلکہ بہت سے یتیم بچے اور نادار انسان فیض حاصل کر لیں گے۔ (گویا اس وقت حالت کفر میں بھی حضرت حلیمہ، صاحبہ الہام و ولایت و کشف تھیں) مجھ سے ضبط نہ ہو سکا فوراً محبت سے جھکی پیشانی کو چوما اور گود میں اٹھا لیا، تھوڑی دیر سیدہ آمنہ کے پاس بیٹھی پھر ان کی اجازت سے مولود مسعود کو گود میں لے کر اپنے خیمہ میں آئی، شوہر نے جمال جہاں کو دیکھا اور کہا حلیمہ یہ تو اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ بچہ ہمارے حق میں فرشتہ رحمت ثابت ہوگا^(۲)۔

حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے سیدھی طرف سے آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔ آپ ﷺ نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اور پھر آرام سے گہوارے میں سو گئے۔ اس کے بعد میں نے عبداللہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی کو پلایا۔ اس نے بھی خوب سیر ہو کر پیا۔ اور اسے بھی نیند آگئی، قدوم محمدی ﷺ کی یہ پہلی برکت تھی کہ میرے سوکھے ہوئے سینے میں دودھ کی فراوانی ہو گئی۔ وہ عبداللہ جو بھوک سے بلکتا رہتا تھا، آج آرام سے سو رہا ہے۔

۱- مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندھلوی، ۱/۹۰

۲- مدارج النبوة، عبدالحق، محدث، دہلوی، ترجمہ: مفتی، غلام معین الدین، شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور، جولائی ۲۰۰۴ء، ۲/۳۵-

۳۸، المواہب اللدنیہ، قسطلانی، ۱/۹۴-۹۸، سیرت رسول پاک ﷺ (سیرۃ ابن اسحاق)، ابی عبید اللہ، محمد بن اسحاق بن یسار

المطبی، ۱/۱۳۱

صرف یہی نہیں بلکہ اب ہماری اونٹنی کے تھن بھی دودھ سے بھر گئے تھے۔ ہم دو آدمیوں نے خوب پیٹ بھر کر پیا اور پھر بھی برتن میں دودھ بچا رہا۔ اس دور قحط سالی میں یہ پہلی رات تھی کہ ہم کھاپی کر آسودہ ہوئے اور چین کی نیند سوئے۔

حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ صبح کو ہم نے سیدہ آمنہ اور عبدالمطلب کو رخصتی کا سلام کیا۔ نور نظر گود میں لے کر اس نیچف ولاغر سواری پر بیٹھے، مگر اب حالت ہی بدل چکی تھی جس دراز گوش اونٹنی سے قدم اٹھائے نہیں جاتے تھے۔ اور جو آتے وقت قافلہ سے پیچھے رہی تھی۔ اور آخر میں مکہ پہنچی تھی۔ اب اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ قافلہ سے آگے چل رہی تھی۔ ساتھی حیران تھے کہ حضرت حلیمہ کی سواری کے جانوروں میں یہ توانائی اور قوت کہاں سے اتنی جلدی آگئی (کیا حضرت حلیمہ متعدد سواریوں پر سوار ہو کر آئی تھیں۔ اور جب اتنے جانور ان کے پاس موجود تھے تو وہ غریب اور فاقہ کش کیسے ہونیں) وہ نہیں جانتی تھی کہ راکب براق حضرت حلیمہ کی گود میں رونق افروز ہیں۔ یہ تمام برکتیں اسی در یتیم کی ذات سے وابستہ ہیں، جن کو قبیلے کی تمام عورتوں نے یتیم خیال کر کے لینے سے انکار کر دیا تھا^(۱)۔

حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ آپ کی برکتیں صرف مکہ میں اور راستہ تک محدود نہیں رہیں۔ بلکہ جب ہم اپنے گاؤں میں پہنچے تو وہاں بھی برکات محمدی ﷺ کے بے شمار نظارے آنکھوں کے سامنے آتے رہے۔ وہ جنگل جو قحط زدہ ہو رہا تھا۔ جہاں کی گھاس خشک ہو چکی تھی۔ اب سرسبز و شاداب ہونے لگا، بکریاں جو بھوک سے بد حال ہو چکی تھیں۔ پیٹ بھر کر جنگل سے شام کو گھر آنے لگیں، قبیلے کے لوگوں نے اپنے بچوں اور چرواہے سے کہا کہ تم بھی اسی جنگل میں بکریاں چرایا کرو، جہاں حضرت حلیمہ کی بکریاں چرا کرتی ہیں^(۲)۔

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ دلائل النبوة ابی نعیم اصفہانی، الخصائص الکبریٰ، مذہبی داستانیں، سیرت رسول پاک، سیرۃ ابن ہشام، مواہب لدنیہ، طبقات ابن سعد اور سیرۃ النبی جیسی کتب میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

۱- الروض الانف، عبد الرحمن بن عبد اللہ، السہیلی، دار الکتب العلمیہ، بیروت (س ن)، ۱/ ۲۸۵-۲۸۸؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ادارہ اسلامیات، لاہور، رمضان ۱۴۰۴ھ، ص ۳۸-۳۹؛ تجلیات نبوت، صفی الرحمن مبارکپوری، ص ۴۳؛ السیرۃ النبویہ، سید احمد بن زینی دحلان، ۱/ ۶۴-۶۸؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر)، مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۱۴-۱۵؛ سیرت پاک، مولانا قاری محمد طیب صاحب، ص ۲۴-۲۵

۲- سیرت رسول پاک و مغازی، محمد بن اسحاق، ۱۴۱-۱۴۲؛ سیرت النبی، عبد الملک بن ہشام ترجمہ: مولوی احمد، قطب الدین، اسلامی کتب خانہ فضل الہی مارکیٹ، لاہور، ۱/ ۱۶۴-۱۶۷؛ طبقات ابن سعد (اخبار النبی)، علامہ محمد ابن سعد، ۱/ ۱۲۲-۱۲۴؛ دلائل النبوة، البیہقی، ۱/ ۱۸۴-۱۸۶

واقعہ کی استنادی حیثیت

یہ تمام واقعہ دو طریقوں سے مروی ہے۔ ایک طریقہ کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مجہول شخص ہے۔ اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں^(۱)۔

پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحاق^(۲)، ابن راہویہ، ابویعلیٰ، طبرانی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ اس کا سلسلہ سند یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولیٰ حارث بن حاطب نے بیان کیا۔ اور وہ کہتا ہے کہ مجھ سے عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا کسی ایسے شخص نے بیان کیا۔ جس نے عبد اللہ بن جعفر سے سنا۔ اور عبد اللہ بن جعفر نے حضرت حلیمہ سے سنا۔

اس روایت میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہم اس روایت کا خود عبد اللہ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں بتایا۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ عبد اللہ بن جعفر یا کسی نے ان سے سن کر کہا۔ معلوم نہیں وہ کون تھا، اور کیسا شخص تھا؟^(۳)

واقعہ کی درایتی حیثیت

ابو نعیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے۔ (یا عدا اگر ادا گیا ہے) اگر بالفرض جہم نے عبد اللہ بن جعفر سے سنا تو عبد اللہ بن جعفر جو آپ ﷺ کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے، اور سن سات ہجری میں ملک حبش سے مدینہ آئے تھے۔ ان کا حضرت حلیمہ سے ملنا، اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس موقع پر حضرت عبد اللہ بن جعفر کا جو کمسن بچہ تھا، موجود ہونا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے۔ (بلکہ فتح مکہ اور اس کے بعد کے غزوات میں کوئی بچہ آپ کے ہمراہ نہ تھا)^(۴)۔

واقعہ نمبر ۱۰

نبی کریم ﷺ کا پنگھوڑے میں چاند سے ہمکلام ہونا

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو جس نشانی نے آپ ﷺ کے مذہب میں داخل ہونے کا خیال دلایا۔ وہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ گہوارے میں تھے۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ چاند سے اور چاند آپ ﷺ سے باتیں کرتا تھا۔ اور انگلی سے آپ ﷺ جدھر اشارہ کرتے تھے، ادھر جھک

۱- میزان الاعتدال، امام ذہبی، ۱/۴۲۶

۲- ایضاً، ۳/۴۷۵

۳- مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن، کاندھلوی، ۱/۹۰

۴- ایضاً: ۱/۹۰

جاتا تھا۔ فرمایا ہاں وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا۔ اور عرش کے نیچے جا کر جب تسبیح کرتا تو میں اس کی آواز سنتا^(۱)۔

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ تاریخ خطیب، تاریخ ابن کثیر، تاریخ اسلام، مواہب لدنیہ، سیرت حلبیہ، مدارج النبوة، دلائل النبوة للبیہقی اور سیرۃ النبی وغیرہ میں کمی وبیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس واقعہ کا ایک راوی احمد بن ابراہیم ہے جس کے بارے میں حافظ مغلطائی اپنی کتاب میں علمائے جرح و تعدیل کے آراء پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

- ۱- ابن عدی فرماتے ہیں کہ مجھے عبدالملک نے بتایا کہ محمد بن عوف اس کو ضعیف سمجھتے تھے۔
- ۲- ابن حبان فرماتے ہیں ”اس کی بیان کردہ ساری روایات باطل اور موضوع ہیں کیونکہ یہ روایت میں غلطی کیا کرتا تھا“^(۲)

واقعہ کا درایتی تجزیہ

حضرت عباسؓ کے مذکور روایت کے بارے میں تجزیہ

حضرت عباسؓ آپ ﷺ سے ایک دو سال بڑے تھے۔ اور وہ آپ ﷺ کی شیر خوارگی کے زمانہ میں یقیناً خود شیر خوار ہی ہوئے ہوں گے۔

دوسری بات نبی کریم ﷺ کی ولادت کے بعد صرف ہفتہ عشرہ مکہ میں رہے ہیں۔ جن میں سے دو یا تین روز والدہ نے خود دودھ پلایا۔ پھر ابو لہب کی باندی ثویبہ یا (ثویبہ) نے تقریباً ایک ہفتہ دودھ پلایا۔ اس کے بعد حلیمہ نے آپ ﷺ کو اپنے ساتھ قبیلہ بنی سعد لے گئیں۔ جو مکہ اور طائف کے درمیان آباد تھی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے

۱- دلائل النبوة، امام ابی بکر احمد بن الحسین، البیہقی، تحقیق: عبدالمعطل قلعجی، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۸۸ء، پہلی اشاعت، ۱/۴۱؛

الخصائص الکبری، علامہ جلال الدین سیوطی، ۱/۱۱۶؛ السیرۃ النبویہ، سید احمد بن زینی دحلان، ۱/۶۲؛ ولادت نبوی ﷺ (سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد)، محمد بن یوسف صالحی، شامی، باب ۳، ص ۵۲-۵۳؛ سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، ۳/۴۰۸

۲- اکمال تہذیب الکمال، الحافظ علاء الدین مغلطائی بن قلعج الحنفی، الفاروق الحدیثیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء، پہلی

کہ حضرت عباس نے آپ ﷺ کو قبیلہ بنی سعد میں اپنی شیر خوارگی کی عمر میں جا کر دیکھا ہو جبکہ اس جیسی کوئی دوسری روایت سے حضرت عباس کا قبیلہ بنی سعد جانے کی تائید نہیں ملتی۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ تمام مہاجر و انصار صحابہ میں کوئی بھی ایسا صحابی نہیں جو معجزہ دیکھ کر ایمان لایا ہو۔ بلکہ یہ حضرات صحابہ کرام صرف تین امور کو پیش نظر کرتے ہوئے ایمان لائے ہیں۔

۱۔ قرآن کے دلائل اور اس کا طرز بیاں دیکھ کر۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کی صداقت و امانت، آپ کے اخلاق حسنہ اور آپ ﷺ کی اصول پرستی کو دیکھتے ہوئے۔

۳۔ اسلام کی روز بروز ترقی اور شان و شوکت کو دیکھتے ہوئے۔

اہل مکہ بچے کو چاند سے باتیں کرتا دیکھ کر کیا ایمان لاتے وہ تو شق قمر کے معجزے کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ اور آپ ﷺ کی شان و شوکت کو دیکھ کر فتح مکہ کے روز پورے اہل مکہ ایمان لے آئے۔ حضرت عباسؓ نے بھی فتح مکہ سے صرف ایک رات قبل ہی اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ جب کہ ان کی زوجہ ام الفضلؓ شروع ہی میں ایمان لا چکی تھیں۔^(۱)

فصل کا تجزیہ

اس فصل کے ضمن میں تین واقعات سیرت مذکور ہیں۔ پہلا واقعہ آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ کے متعلق ہے جبکہ دوسرا اور تیسرا واقعہ مسلسل آپ ﷺ کی پنگھوڑے میں حضرت عباس سے ہم کلامی اور حضرت حلیمہ کے گھر برکات محمدی کا ظہور سے۔

اگر مذکورہ واقعات کی استنادی حیثیتوں کو دیکھا جائے تو ان میں سے پہلا واقعہ دو طرق سے مروی ہے اور دونوں طرق کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ہے جو ایک مجہول راوی ہے جبکہ دوسرے واقعہ میں احمد بن ابراہیم کا ذکر ہے جو روایات میں غلطی کرنے کی وجہ سے علماء جرح و تعدیل کے نزدیک ضعیف ہے اور تیسرے واقعہ کا راوی بھی دو مشترک طرق سے وہی مجہول راوی جہم بن ابی جہم ہے۔

دو واقعات کے سلسلہ سند میں جہم بن ابی جہم ایک مجہول راوی جبکہ ایک کے سلسلہ سند میں احمد بن ابراہیم ہے جن کی تفصیلی بحث آئمہ جرح و تعدیل کی روشنی میں دیکھنے کے لیے مذکورہ بالا واقعات پر استنادی تبصروں میں دیکھا جاسکتا ہے جو اضافہ شدہ کام ہے۔

ایسا ہی مذکورہ بالا واقعات میں درایتی اعتبار سے بھی بہت سی کوتاہیاں پائی جاتی ہے جن کی تفصیل دیکھنے کے لیے ہر واقعہ کے بعد استنادی حیثیت کے عنوان کے تحت اضافہ شدہ ہے۔ جس سے واقعہ کی درایتی پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔

ان تینوں واقعات میں بظاہر آپ ﷺ کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس سے ایک مسلمان کو خوشی ہونی چاہئے جبکہ درحقیقت اس میں مدح کی بجائے مافوق العقل واقعات بیان کیے گئے ہیں جن کا جھوٹا ہونا ذکر ہو چکا۔ چونکہ دین اسلام ایک فطری دین ہے اور عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔ اب ان جیسے واقعات سے پتہ نہیں ناعاقبت اندیش لوگ اسلام کی کیا خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں جیسے واقعات کا سہارا لے کر مستشرقین اسلام پر اعتراضات کرتے ہیں اور لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فصل سوم: مدنی دور کے اہم واقعات

واقعہ نمبر ۱۱

میشاقِ مدینہ سے منسوب واقعہ

ہجرتِ نبوی ﷺ کے بعد مسلمانوں اور یہود کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر بوٹی نے لکھا ہے:

”ابن ہشام نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان معاہدہ کی ایک دستاویز تیار کی۔ اس میں یہود کو بھی شریک کیا اور ان سے بھی معاہدہ کیا۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے مذہب پر قائم اور اپنے مال و جائیداد کا مالک رہنے دیا اور ان کے کچھ حقوق اور فرائض مقرر کیے۔“^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ تاریخِ ملت، تاریخِ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی، رحمۃ للعالمین، سیرۃ النبی، سیرۃ مصطفیٰ محمد ادریس کاندھلوی، سیرت رسول رحمت اور فقہ السیرۃ النبویہ محمد رمضان بوٹی میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی کہتے ہیں کہ ابن اسحاق^(۲) نے اس دستاویز کو بغیر سند کے اور ابن خیشمہ نے سند کے ساتھ ابن اسحاق کے مثل بیان کیا ہے۔ ان کی سند یہ ہے:

”حدثنا احمد بن حنبل بن خباب ابو الولید، حدثنا عیسیٰ بن یونس، حدثنا کثیر بن عبد اللہ بن عمرو المزنی

عن ابیہ عن جدہ۔ عیون الاثر، ابن سید الناس“

امام احمد نے بھی اس دستاویز کو اپنی مسند میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی سند یہ ہے۔

حدثنا عباد بن حجاج، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ^(۳)

۱- تاریخ ملت، مفتی زین العابدین سجاد میر ٹھی و دیگر، ۱/۵۸؛ سیرت مصطفیٰ، عبد المصطفیٰ اعظمی مجدوی، فرید بک سٹال اردو

بازار، لاہور، ص ۱۵۲-۱۵۳

۲- میزان الاعتدال، امام ذہبی، ۱/۴۷۵

۳- فقہ السیرۃ النبویہ، محمد سعید رمضان، بوٹی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۱ء، ص ۲۲۲-۲۲۳

اول: ابن ہشام نے یہ روایت ابن اسحاق سے بغیر سند کے ذکر کی ہے۔ اس بنا پر یہ معضل^(۱) ہوئی۔ ابن کثیر نے بھی اسے ابن اسحاق کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ لیکن خلافِ عادت اس کی تخریج کے سلسلے میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہیں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرت اور اسانید کے ماہرین کے نزدیک یہ روایت مشہور نہیں ہے۔

دوم: صحیح نام ابن خيثمه نہیں بلکہ ابن ابی خيثمه ہے۔

سوم: ابن ابی خيثمه کی سند میں کثیر بن عبد اللہ بن عمرو المزنی بہت زیادہ ضعیف ہے۔ امام ذہبی نے کتاب ”الضعفاء والمتروکین“ میں اس کے بارے میں لکھا ہے۔ ”امام شافعی نے اسے جھوٹ کا ایک ستون (دکن من ارکان الکذب) قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے فرمایا: ہے کہ ”اس نے عن ابیہ عن جدہ کی سند سے گھڑی ہوئی حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کر رکھا تھا۔“ دوسرے ناقدین حدیث نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

چہارم: امام احمد سے مروی روایت کی سند بھی ضعیف ہے۔ حجاج سے مراد حجاج بن ارطاة ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے تقریب میں لکھا ہے: ”سچے ہیں، لیکن کثرت سے غلطی اور تدلیس کرتے ہیں“ ان کے بارے میں مسند احمد کے محقق شیخ عبد الرحمن البنا کو وہم ہو گیا، چنانچہ انہوں نے انہیں ثقہ لوگوں میں شمار کرتے ہوئے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

پنجم: ڈاکٹر بوٹی کے اندازِ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمد کی روایت کے مشتملات وہی ہیں جو ابن اسحاق کی روایت کے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، ابن اسحاق کی روایت مفصل اور امام احمد کی روایت بہت مختصر ہے۔^(۲)

واقعہ نمبر ۱۲

ابو جہل کے قتل سے منسوب واقعہ

غزوہ بدر میں دونوں جوان صحابہؓ حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ کے ہاتھوں ابو جہل جہنم رسید ہوا۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں: غزوہ بدر کے موقع پر میں صف میں کھڑا ہوا تھا کہ اچانک دونوں جوان میرے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو گئے۔ دونوں نے الگ الگ چپکے سے مجھ سے پوچھا: چچا جان ابو جہل کہاں ہے؟ میں نے دریافت کیا: کیا کرو گے؟ ہر ایک نے کہا: میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ یا تو اسے قتل کر دوں گا یا اسی راہ میں اپنی جان دے دوں گا۔ میں نے ایک جانب اشارہ کیا۔ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور اس پر ایسا وار کیا کہ وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

۱- معضل: وہ حدیث ہے کہ جس کی سند کے درمیان میں سے کوئی راوی گرا ہوا ہو یا اس کی سند میں ایک سے زائد راوی پے درپے

گرے ہوئے ہوں۔ (خیر الاصول، خیر محمد جالندھری، مولانا، اصح المطابع، کراچی، (سن)، ص ۶)

۲- دفاع عن الحدیث النبوی والسیرۃ، ناصر الدین البانی، مؤسسۃ مکتبۃ الخافقین دمشق، (سن)، ص ۷۹-۸۰

شیخ غزالی نے آگے لکھا ہے کہ یہ دونوں نوجوان اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی نعشوں کے پاس کھڑے ہوئے، ان کے لیے دعا کی اور ان کے کارنامے کا ذکر خیر فرمایا۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ تاریخ اسلام شاہ معین الدین، فقہ السیرۃ غزالی، سیرت مصطفیٰ عبد المصطفیٰ اعظمی، سیرۃ رسول اکرم، الوفا باحوال المصطفیٰ، مدارج النبوت اور رسول رحمت میں کمی وبیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی کہتے ہیں کہ اتنی قطعیت کے ساتھ ان دونوں نوجوانوں کو اس غزوہ میں شہید قرار دینا کھلی غلطی ہے، اس لیے کہ یہ واقدی کی روایت ہے جو بلا سند مذکور ہے جیسا کہ ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔ اگر اس کی سند مذکور ہوتی اور اس کے راوی ثقہ ہوتے تو بھی یہ روایت صحیح نہ ہوتی، اس لیے کہ واقدی متہم بالکذب ہے^(۲)۔

واقعہ کی درایتی حیثیت

اس واقعہ کے غیر معتبر ہونے کا ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو کی وفات حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی تھی، جیسا کہ امام بخاری اور دیگر حضرات نے صراحت سے بیان کیا ہے۔

واقعہ نمبر ۱۳

حضرت حمزہؓ کی لاش کی بے حرمتی

غزوہ احد کے ضمن میں مورخین اور سیرت نگاروں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قریشی عورتوں نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا، ان کی ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ ہند (امیر معاویہؓ کی ماں) نے ان سے پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا، حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن

۱۔ فقہ السیرۃ، محمد غزالی، تحقیق: محمد ناصر الدین البانی، دار الکتب الحدیثیہ، (س ن)، چھٹی اشاعت، ص ۲۴۵-۲۴۶؛ سیرت مصطفیٰ، عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، ص ۱۸۳-۱۸۴؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ص ۱۶۴-۱۶۵؛ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ۲/ ۱۲۵-۱۲۶؛ رسول رحمت، مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور (س ن)، ص ۲۸۱؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر) مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۷۴-۷۵؛ تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، جون ۲۰۱۳ء، ۱/ ۴۸؛ سید الانبیاء (الوفا باحوال المصطفیٰ)، عبد الرحمن بن جوزی، ص ۷۰۸-۷۰۹

۲۔ فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۲۴۶

نکل نہ سکی، اس لیے اگل دینا پڑا۔ تاریخ میں ہند کا لقب جو جگر خوارہ لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے، ہند فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت ناک ہے^(۱)۔

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں کمی و بیشی کے ساتھ مذکور ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس واقعہ کا راوی محمد بن اسحاق ہے اور وہ متعدد ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک کذاب اور مدلس ہے^(۲) اور ابن اسحاق سے اس واقعہ کو نقل کرنے والا سلمۃ الابرش ہے^(۳)۔

اور سلمۃ سے نقل کرنے والا محمد بن حمید ہے^(۴)۔ اور محمد بن اسحاق کی طرح یہ دونوں بھی ناقابل اعتبار ہے^(۵)۔

واقعہ کی درایتی حیثیت

ان واقعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد جو امور سامنے آتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس جنگ میں قریش کی متعدد عورتیں موجود تھیں۔

۲۔ سب عورتوں نے لاشوں کا مثلہ^(۶) کیا تھا۔ اور ناک کان کاٹ کر ان سے اپنے گلے کے ہار بنائے تھے، لیکن ہند کے علاوہ کسی عورت کے بارے میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ فلاں عورت نے فلاں کا مثلہ کیا تھا۔ آخر کار تمام مؤرخین کو پورے لشکر میں صرف ایک ہند ہی کیوں نظر آئی۔ بقیہ عورتوں کے بارے میں تفصیل کیوں بیان نہیں کی گئی۔ حالانکہ بقیہ عورتیں بھی قریش کی مقتدر عورتیں تھیں۔ مثلاً ام الحکیم بنت الحارث بن ہشام اور فاطمہ بنت ولید بن المغیرہ۔

۳۔ اس جنگ میں بنو مخزوم کے متعدد مشہور افراد شریک تھے۔ مثلاً عکرمہ بن ابی جہل، خالد بن ولید اور حارث بن ہشام۔ ان میں عکرمہ اور حارث کی بیویاں بھی ساتھ تھیں، یہ سب ابو جہل کا خاندان تھا۔ لیکن ان میں سے کسی فرد کے بارے میں مؤرخین نے اس قسم کی بات لکھی نہیں۔

۱۔ سیرت مصطفیٰ، عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی، ص ۲۳۱؛ تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی، ۱/۵۲

۲۔ میزان الاعتدال، امام ذہبی، ۳/۴۷۵

۳۔ الضعفاء الکبیر، محمد بن عمرو، العقلی، تحقیق: عبدالمعطی قلجی، دار المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۲م، ۲/۱۵۰

۴۔ تلخیص کتاب الموضوعات لابن الجوزی، تحقیق: أبو تمیم، یاسر، مکتبۃ الرشید، الریاض، ۱۹۹۸م، ۱/۱۲۵

۵۔ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندھلوی، ۱/۲۴۰

۶۔ مثلہ: اس سے مراد یہ ہے کہ کسی دشمن کی لاش کے بعض اعضاء کو کاٹ دیے جائے یا ان کا چہرہ کالا کیا جائے۔ (الصحاح تاج اللغة

و صحاح العربیۃ، الجوهری، ۵/۱۸۱۶)

۴۔ ہند کو جگر خوارہ کا لقب دیا گیا۔ یہ لقب کون سے مؤرخین نے دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ لفظ کسی فارسی زبان خواہ نے دیا ہو گا کیونکہ لفظ جگر خوارہ فارسی زبان کا لفظ ہے، یہ سرے سے عربی زبان کا لفظ ہی نہیں۔ اور نہ آج تک کسی عربی کتاب میں ان کا یہ لقب پایا گیا۔^(۱)

بخاری شریف میں حضرت وحشی کی زبانی حضرت حمزہؓ کے قتل کا واقعہ مذکور ہے اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ حضرت ہند نے حضرت حمزہؓ کا کلبہ چبایا تھا۔^(۲)

واقعہ نمبر ۱۴

سریہ ابو سلمہؓ سے منسوب واقعہ

غزوہ احد کے اگلے سال قبیلہ بنو اسد نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے حضرت ابو سلمہؓ کی قیادت میں ایک سریہ بھیجا جو ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت ابو سلمہؓ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کے علاقے میں پہنچ کر حملہ کیا، انہیں منتشر کر دیا اور ان کے جانور ہانک لائے۔^(۳)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرت ابن کثیر، تاریخ اسلام شاہ معین الدین، سیرت مصطفیٰ عبد المصطفیٰ، مذہبی داستانیں، رسول رحمت عبد الکلام آزاد اور سیرۃ النبی وغیرہ جیسی کتب میں کمی وبیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی کہتے ہیں کہ اس سریہ کا تذکرہ ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ) نے واقدی سے ایک معضل سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور واقدی خود ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک متروک ہے۔^(۴)

۱۔ مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، حبیب الرحمن کاندھلوی، ۱/۲۳۸-۲۳۹

۲۔ صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل، تحقیق: محمد زہیر، دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ، باب قتل حمزہؓ بن عبد المطلبؓ، ۵/۱۰۰

۳۔ سیرت مصطفیٰ، عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی، ص ۲۲۹؛ رسول رحمت، مولانا ابوالکلام آزاد، ص ۳۲۲، تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی، ۱/۵۴

۴۔ روایات سیرت کا تنقیدی جائزہ، علامہ البانی، ترجمہ: ڈاکٹر رضی الاسلام، دار النوادر، لاہور، ص ۷۷؛ میزان الاعتدال، امام ذہبی، ۳/۲۶۲-۲۶۶

واقعہ نمبر ۱۵

خندق کے کھدائی سے منسوب واقعہ

غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر مدینہ کے اطراف میں ایک خندق کھودی جس سے حملہ آوروں سے مدینہ کی حفاظت ہو جائے۔ شیخ غزالی نے حضرت عمرو بن عوفؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ کھدائی کے دوران ایک بڑا سفید پتھر آگیا جو ہم لوگوں سے ٹوٹ نہیں رہا تھا۔ حضرت سلمانؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ تشریف لائے، کدال ہاتھ میں لی اور اس پتھر پر تین ضربیں ایسی لگائیں کہ وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "پہلی ضرب پر جو چمک ہوئی اس میں مجھے حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے شہر کتے کے دانتوں کی طرح دکھائی دیئے۔ حضرت جبرائیلؑ نے مجھے بتایا کہ میری امت ان پر غالب ہو جائے گی۔ دوسری ضرب کی چمک میں مجھے سرزمین روم کے سرخ محلات کتے کے دانتوں کی طرح نظر آئے۔ جبرائیلؑ نے مجھے بتایا کہ میری امت کو ان پر غلبہ حاصل ہو گا۔ تیسری ضرب لگائی تو اس کی چمک میں مجھے صنعاء کے محلات کتے کے دانتوں کی طرح نظر آئے۔ جبرائیلؑ نے خبر دی کہ میری امت کو ان پر بھی غلبہ نصیب ہو گا۔ بشارت قبول کرو "یہ سن کر مسلمان خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا "تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ اس کا وعدہ برحق ہے (۱)۔"

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی لکھتے ہیں کہ یہ روایت اس سیاق میں بہت ضعیف ہے۔ اسے ابن جریر نے اپنی تاریخ میں کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف المزنی عن ایبہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ کثیر متروک ہے، بلکہ اس کے بارے میں امام شافعی اور امام ابو داؤد نے فرمایا ہے کہ وہ جھوٹ کے ارکان میں سے ہے (رکن من ارکان الکذب) حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ روایت غریب ہے البتہ خندق کی کھدائی کے دوران پتھر آجانے اور رسول اللہ ﷺ کے اسے توڑنے کا واقعہ صحیح بخاری میں حضرت براءؓ سے مروی حدیث میں مختصر اور مسند احمد میں حضرت براءؓ کی حدیث میں مفصلاً مذکور ہے۔ اور اسکی سند حسن ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بیان کیا ہے (۲)۔ لہذا اس روایت کو صحیح سمجھا جائے گا۔

۱- سیرت مصطفیٰ، عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی، ص ۲۵۸-۲۵۹؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ص ۲۰۵-۲۰۶،

مدارج النبوة، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ۲/۲۲۱؛ سید الانبیاء (الوفاباحوال المصطفیٰ)، عبد الرحمن بن جوزی، ص ۲۲۳-۲۲۴

۲- دفاع عن الحدیث النبوی والسیرۃ، ناصر الدین البانی، مؤسسۃ مکتبۃ الخافقین دمشق، (سن)، ص ۷۹-۸۰

واقعہ نمبر ۱۶

قبیلہ بنی قریظہ سے منسوب واقعہ

غزوہ احزاب میں بنو قریظہ نے بد عہدی کی تھی، اس لیے اسے فارغ ہوتے ہی وحی الہی سے اشارہ پا کر حضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کو بنو قریظہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ فقہ السیرۃ کا مصنف محمد غزالی نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ ان کے قلعوں کے قریب پہنچے تو انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

”اے بندروں کے بھائیو! کیا اللہ نے تمہیں رسوا کیا ہے اور تم پر اپنا غضب نازل کیا ہے؟ یہ سن کر ان لوگوں نے کہا: اے ابوالقاسم آپ تو نادان نہیں تھے۔“^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ تاریخ ملت مفتی زین العابدین، تاریخ اسلام لاکبر نجیب آبادی، سیرت مصطفیٰ لعبد المصطفیٰ، الوفا باحوال المصطفیٰ لابن الجوزی، سیرۃ رسول اکرم وغیرہ میں کمی وبیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کا استنادی حیثیت

علامہ البانی کہتے ہیں کہ اس کی روایت ابن اسحاق نے زہری سے مرسلًا کی ہے اور ابن اسحاق کو علمائے جرح و تعدیل نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس لیے اس واقعہ کی سند ضعیف ہے۔^(۲)

واقعہ کی درایتی حیثیت

اس واقعہ میں آپ ﷺ کی طرف منسوب یہ بات قابل مواخذہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہودیوں کو مخاطب ہو کر انہیں بندروں کا اولاد کہہ کر پکارا ہے حالانکہ یہ بات اس نبی مکرم کا بالکل شایان شان نہیں کہ جنہوں نے دوسروں کو طعنہ دینا گناہ کبیرہ قرار دیا ہو اور اپنی امت کو اس سے روکا ہو تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نبی ہونے کے باوجود گناہ کبیرہ کا خود مرتکب ہو چکا ہو جبکہ باتفاق امت انبیاء کرامؑ معصوم ہوتے ہیں۔

۱۔ تاریخ ملت، مفتی زین العابدین / سجاد میرٹھی ودیگر، ۱/ ۷۴-۷۵؛ تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، دارالاندلس مرکز القادسیہ چوہدری، لاہور، (سن)، ۱/ ۲۱۷-۲۲۰؛ سیرت مصطفیٰ، عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی، ص ۲۷۲؛ رسول رحمت، سید سلیمان ندوی، مکتبہ دارالسلام، ریاض ۲۰۰۷ء، اشاعت اول، ص ۳۶۴-۳۶۷؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ص ۲۲۳-۲۲۷۔

سید الانبیاء (الوفا باحوال المصطفیٰ)، عبد الرحمن بن جوزی، ص ۲۵-۲۶

۲۔ روایات سیرت کا تنقیدی جائزہ، علامہ البانی، میزان الاعتدال، امام ذہبی، ۳/ ۷۵

واقعہ نمبر ۱

بنو قریظہ کے خاتمے سے منسوب واقعہ

آپ ﷺ نے آغازِ قیامِ مدینہ میں یہود کے ساتھ ایک معاہدہ لکھ ڈالا اور ان کو جان و مال و مذہب ہر چیز میں امن و آزادی دے رکھی اس کے باوجود جب قریش نے ان کو تحریش و تہدید کا خط لکھا تو وہ بغاوت پر آمادہ نہیں ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے تجدید معاہدہ کرنی چاہی تو اس پر بنو نضیر نے تجدید سے انکار کیا اس پر وہ جلاوطن کیے گئے، لیکن بنو قریظہ نے تجدید معاہدہ کر کے دربارِ نبوی سے پروانہ امن حاصل کیا۔

مسند احمد میں ان واقعات کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ يَهُودَ بَنِي النَّضِيرِ، وَقُرَيْظَةَ، حَازُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَأَجَلَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي النَّضِيرِ، وَأَقَرَّ قُرَيْظَةَ، وَمَنْ عَلَيْهِمْ^(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بنو نضیر اور قریظہ کے یہود نے آپ ﷺ سے

لڑائی کی تو آپ ﷺ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنی قریظہ کو رہنے دیا اور ان پر احسان کیا۔

بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے تو ان کے رئیس الاعظم حبیب بن اخطب،^(۲) ابورافع سلام، ابن ابی الحقیق خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں ریاست عام حاصل کر لی۔ جنگِ احزاب ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی انہوں نے قبائل عرب میں دورہ کر کے تمام ملک میں آگ لگادی اور قریش کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس وقت تک بنی قریظہ معاہدہ پر قائم تھے۔ لیکن حبیب بن اخطب نے ان کو بہکا کر وعدہ توڑ دیا اور خود ان سے وعدہ کیا کہ خدا نخواستہ اگر قریش حملے بغیر واپس چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر یہیں آ رہوں گا۔ چنانچہ اس نے اپنی اس عہد کو پورا کر کے دکھایا۔

بنی قریظہ نے غزوہ احزاب میں اعلانیہ شرکت کی اور شکست کھا کر ہٹ آئے تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن

حبیب بن اخطب کو بھی اپنے ساتھ مدینہ لائے۔

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور بنی قریظہ کی طرف بڑھیں۔ بنی قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابلِ اطمینان تصفیہ کے بعد ان کو امن دیا جاتا، لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ فوج لے کر آگے بڑھے جب حضرت علیؓ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے اعلانیہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں۔

۱- المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، النووی، ۱۲/۹۱

۲- حبیب بن اخطب مشہور یہودی قبیلہ بنو نضر کے سردار تھے اور ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کے والد تھے۔ (الاعلام، الزرکلی، ۲/۲۹۲)

غرض ان کا محاصرہ کیا گیا اور تقریباً ایک مہینے تک جاری رہا۔ بالآخر انہوں نے درخواست کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ کو ہمارے بارے میں فیصلہ کا اختیار دیا جائے وہ جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہو گا۔

حضرت سعد بن معاذؓ اور ان کا قبیلہ (اوس) بنی قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ عرب میں یہ تعلق نسبی سے بڑھ کر سمجھا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست منظور کی۔

قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا۔ آپ ﷺ تورات کے احکام کی پابندی فرماتے تھے۔ چنانچہ اکثر مسائل مثلاً: قبلہ نماز، رجم، قصاص بالمثل وغیرہ میں جب تک خاص وحی نہیں آئی، آپ ﷺ نے تورات ہی کی پابندی فرمائی۔ حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کیے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہو جائیں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ وہ بالکل تورات کے مطابق تھا۔

”جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لیے توجائے تو پہلے صلح کا پیغام دے، اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لیے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے، لیکن صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا اللہ تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں، سب تیرے لیے مال غنیمت ہوں گی“ (۱)۔

احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعدؓ نے جب یہ فیصلہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا۔ یہ اسی تورات کے حکم کی طرف اشارہ تھا۔ یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا جو فقرے ان کی زبان سے نکلے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی فیصلہ کو حکم الہی کے موافق سمجھتے تھے۔

حبشی بن اخطب جو ان تمام فتن کا بانی تھا، مقتل میں لایا گیا تو آپ ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے۔

«أما والله ما لمت نفسي في عداوتك ولكنه من يخذل الله تعالى يخذل» (۲)

ہاں اللہ کی قسم! مجھ کو اس کا افسوس نہیں کہ میں نے کیوں عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ کو چھوڑ دیتا ہے، اللہ بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

«أيها الناس إنه لا بأس بأمر الله تعالى وكتاب وقدر وملحمة كتبت على بني إسرائيل» (۳)

۱- مواہب لدنیہ، علامہ قسطلانی، ۱/۳۲۹-۳۳۰؛ تاریخ مدینہ منورہ، صفی الرحمن، شعبہ تحقیق و تالیف دارالسلام، ریاض، ص ۶۳؛

دلائل النبوة ابو نعیم اصفہانی، ۱/۵۰۴-۵۰۵

۲- روح المعانی، شہاب الدین، محمود الالوسی، تحقیق: علی عبد الباری عطیہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ۱/۱۷۴

۳- ایضاً، ۱/۱۷۴

لوگو! اللہ کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ ایک حکم الہی تھا، یہ لکھا ہوا تھا، ایک سزا تھی، جو اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی۔

حیی بن اخطب کی نسبت یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جب وہ جلاوطن ہو کر خیبر جا رہا تھا تو اس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ آپ ﷺ کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دے گا۔ اس معاہدہ پر اس نے اللہ کو ضامن کیا تھا۔ احزاب میں اس نے اس معاہدہ کی تعمیل کی۔

بنو قریظہ کے متعلق مخالفین اسلام نے بڑے زور کیساتھ ظلم و بے رحمی کا اعتراض کیا ہے لیکن واقعات حسب ذیل ہیں:

آپ ﷺ نے مدینہ میں آکر ان کیساتھ دوستانہ معاہدہ کیا جس میں ان کے مذہب کو پوری آزادی دی گئی اور جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا۔

بنو قریظہ رتبہ میں بنو نضیر سے کم تھے، یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو اس کو صرف آدھا خون بہا دینا پڑتا بخلاف اس کے بنو قریظہ پورا خون بہا داکرتے تھے۔ آپ ﷺ نے قریظہ پر یہ احسان کیا کہ ان کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا۔

آپ ﷺ نے بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کیا، باوجود ان باتوں کے انہوں نے عہد شکنی کی اور جنگ احزاب میں شریک ہوئے۔

ازواجِ مطہرات قلعہ میں حفاظت کے لیے بھیج دی گئیں، ان پر حملہ کرنا چاہا۔

حیی بن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا جس نے تمام عرب کو برا بھونٹہ کر کے جنگ احزاب قائم کر دی تھی، اس کو اپنے ساتھ لائے جو آتش جنگ کے اشتعال کا دبا چہ تھا۔ ان حالات کے باوجود بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جاسکتا تھا۔

عرب میں مخالفت کا معاہدہ اخوتِ حقیقی کے برابر تھا۔ بنو قریظہ انصار کے حلیف تھے اور اسی بنا پر تمام انصار (اوس) نے ان کی نہایت الحاح کے ساتھ سفارش کی۔ حضرت سعد بن معاذ اوس کے سردار تھے اور دراصل معاہدہ کے وہی ذمہ دار تھے۔ وہ سخت کشمکش میں تھے۔ ان کے حلیفوں کی موت و حیات کا مسئلہ تھا جن کی حمایت پر کل انصار (اوس) مصر تھے۔ لیکن حضرت سعد بن معاذ اس فیصلہ کے سوا اور کیا کر سکتے تھے؟

مقتولین کی تعداد دیگر اربابِ سیر نے چھ سو سے زائد بیان کی ہے لیکن صحاح میں چار سو ہے۔ ان میں صرف ایک عورت تھی اور وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی کہ اس نے قلعہ پر سے پتھر گرا کر مسلمان جلاذ کو قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے جس جرات اور دلیری سے جان دی سنن ابی داؤد میں حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے:

”اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست میں اس کا نام بھی ہے۔ قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جا رہا تھا اور یہ ہوش ربا صدا بار بار اس کے کانوں میں آتی تھی لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتی جاتیں اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی۔ دفعتاً قاتل نے اس کا نام پکارا۔ وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: کہاں؟ بولی میں نے ایک جرم کیا تھا اس کی سزا اٹھانے جاتی ہوں، خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔“ حضرت عائشہؓ اس واقعہ کو نہایت حیرت کے لہجہ میں بیان کرتی تھیں^(۱)۔

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ ابن ضیاء محمد بن احمد کی حنفی نے ”تاریخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف“ میں، تقی الدین محمد بن احمد نے ”شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام“ میں، محمد بن عمر واقدی نے ”المغازی للواقدي“ میں، علی بن برهان الدین حلبی نے ”السيرة الحلبية في سيرة الأئمة المأمون“ میں، الإمام محمد بن یوسف الصالحی الشامی نے ”سبل الهدی والرشاد، في سيرة خير العباد“ میں، تقی الدین أحمد بن علی المقرئینی ”إمتاع الأسماع بما للنبي من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع“ میں، اور ان جیسی دیگر بہت سے کتب حدیث و تفسیر میں یہ واقعہ کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے، اس کی تخریج ابن اسحاق نے زہری سے مرسل کی ہے اور ان سے ابن ہشام نے کی ہے۔ حاکم نے اس کی روایت ابن عمر سے کی ہے۔^(۲)

واقعہ نمبر ۱۸

آپ ﷺ کی ایلاء و تخیر سے منسوب واقعہ

رسول اللہ ﷺ زاہدانہ اور تمام زخارف دنیوی سے ہٹ کر سادہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے، مدت العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا بھی نصیب نہیں

۱- تاریخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف، ابن ضیاء، محمد بن احمد، مکی، تحقیق: علاء ابراہیم، ایمن نصر، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۲۰۰۴م، الطبعة الثانية، ص ۲۶۲-۲۶۳؛ فقہ السیرة، محمد الغزالی، ص ۳۳۵، شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام، تقی الدین، ابو طیب، الفاسی محمد بن احمد، دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۰ء، پہلی اشاعت، ۲/۲۱۶-۲۱۷

۲- فقہ السیرة، غزالی، تحقیق: علامہ البانی، ص ۳۳۸

ہوا۔ ازواج مطہراتؓ اس مجاہدے میں برابر کے شریک رہیں جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زیب و زینت اور ناز و نعمت ہے اور گوشرف صحبت نے ان کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا گیا اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچتا گیا کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لیے کافی ہو سکتا تھا، ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جائے۔

ازواج مطہراتؓ میں بڑے بڑے گھرانوں کی خواتین شامل تھیں، حضرت ام حبیبہؓ بھی تھیں جو رئیس قریش ابو سفیانؓ کی صاحبزادی تھیں، حضرت جویریہؓ جو قبیلہ بنو المصطلق کے رئیس حارث کی بیٹی تھیں، حضرت صفیہؓ تھیں جن کا باپ خبیر کارئیں اعظم حیی بن اخطب تھا، حضرت عائشہؓ تھیں جو حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی تھیں، حضرت حفصہؓ تھیں جن کے والد فاروق اعظم تھے، بشریت کے اقتضا سے ان میں مقابلہ بھی ہوتا ہو گا اور حریف کے مقابلہ میں اپنے رتبہ اور شان کا خیال بھی رہتا ہو گا، آپ ﷺ سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

ایک دفعہ کئی دن تک آپ ﷺ حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے رہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ ﷺ کو شہد بہت مرغوب تھا، آپ ﷺ نے نوش جان فرمایا، اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی، حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا، اور حضرت حفصہؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب ہمارے یا تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ ﷺ کے منہ سے مغفیر کی بو آتی ہے، (مغفیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آپ ﷺ نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا^(۱)۔

اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ﴾^(۲)

اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے تم اللہ کی حلال کی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو؟۔

علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے:

(فَإِنْ قُلْتَ: كَيْفَ جَاَزَ لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ الْكَذِبَ وَالْمَوَاطَاةَ الَّتِي فِيهَا إِيْذَاءُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قُلْتَ: كَانَتْ عَائِشَةُ صَغِيرَةً مَعَ أَنَّهَا وَقَعَتْ مِنْهُمَا مِنْ غَيْرِ قِصْدٍ إِلَى إِيْذَاءٍ، بَلْ عَلَى مَا هُوَ مِنْ جَبَلَةِ النِّسَاءِ فِي الْغَيْبَةِ عَلَى الضَّرَائِرِ وَنَحْوِهَا)^(۳)

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو جھوٹ بولنا اور آپ ﷺ کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز تھا؟ تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کمسن تھیں، اس کے علاوہ ان کا مقصود آپ ﷺ کو ایذا دینا نہیں تھا

۱- سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ص ۷۵-۷۸؛ مدارج النبوة، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ۲/۳۹۹-۴۰۳

۲- سورۃ التحریم: ۶۶/۱

۳- عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، أبو محمد، محمود بن أحمد، یعنی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/۳

بلکہ جیسا کہ عورتیں اپنی سونکوں کے مقابلہ میں رشک سے تدبیریں اختیار کرتی ہیں، اس طرح کی ایک تدبیر تھی۔

لیکن علامہ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے، اول تو یہ واقعہ ایلاء کے واقعہ کے سلسلہ میں ہے جو نو ہجری میں واقع ہوا تھا، اس وقت حضرت عائشہؓ سترہ برس کی ہو چکی تھیں، دوسرا حضرت عائشہؓ کمسن تھیں لیکن ازواج مطہرات جو اس میں شریک ہوئیں وہ تو بڑی تھیں، خود حضرت حفصہؓ کی عمر آپ ﷺ کی شادی کے وقت ۲۱ برس کی تھی۔ ہمارے نزدیک مغفیر کی بوکا اظہار کرنا کوئی جھوٹی بات نہیں تھی، تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ لطیف المزاج تھے اور رانحہ کی ذرا سی ناگواری کو برداشت نہیں فرما سکتے تھے۔ مغفیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں البتہ ازواج مطہرات کا ایلاء کرنا بظاہر محلِ اعتراض ہو سکتا ہے لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہیں کہ ازواج مطہرات معصوم تھیں یا اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے جائز وسائل نہیں اختیار کیا کرتی تھیں^(۱)۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے کوئی راز کی بات فرمائی اور تاکید کر دی کہ کسی سے نہ کہنا، لیکن انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہہ دیا اس پر یہ آیت اتری:

﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضُهُ

وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ﴾^(۲)

اور جب پیغمبر ﷺ نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کر دی اور اللہ نے پیغمبر ﷺ کو اس کی خبر کر دی تو پیغمبر ﷺ نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا، پھر جب ان سے کہا تو انہوں نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی، پیغمبر ﷺ نے کہا مجھ کو خدائے عالم خیر نے خبر دی۔

حضرت عائشہؓ و حفصہؓ نے باہم مظاہرہ کیا، یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں، اس پر حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کی شان میں یہ آیتیں اتریں:

﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ

وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ﴾^(۳)

اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان کے (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے مقابلہ میں ایلاء کرو تو اللہ اور حضرت جبرائیلؑ اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے رسول اللہ ﷺ کے مددگار ہیں۔

۱- سیرت النبی شبلی نعمانی، ۱/۶۴-۷۲

۲- سورة التحريم: ۶۶/۳

۳- سورة التحريم: ۶۶/۴

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے جن معاملات کی وجہ سے ایلاء کیا تھا وہ خاص تھے لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج مطہراتؓ شریک تھیں، آپ ﷺ کے سکون خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہراتؓ سے نہ ملیں گے، اتفاق سے اسی زمانہ میں آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا آپ ﷺ نے بالا خانہ پر تنہا نشینی اختیار کی، واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ نے تمام ازواج کو طلاق دی۔ اس کے بعد کے واقعات حضرت عمرؓ کی زبان سے نقل کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک انصاری (اوس بن خولہ یا عتبان بن مالک) ہمسائے تھے اور معمول تھا کہ باری باری سے ہم دونوں ہر دوسرے دن خدمت اقدس ﷺ میں حاضری دیا کرتے تھے۔

قریش کے لوگ عورتوں پر قابو رکھتے اور ان پر غالب رہتے تھے۔ لیکن جب مدینہ میں آئے تو یہاں انصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کی، ایک دن میں نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا، انہوں نے الٹ جواب دیا، میں نے کہا: تم میری بات کا جواب دیتی ہو، بولیں تم کیا ہو؟ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ان کو برابر جواب دیتی ہیں، یہاں تک کہ دن بھر آپ ﷺ سے روٹھی رہتی ہیں، میں نے دل میں کہا، غضب ہو گیا، اٹھ کر حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ) کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تو واقعی آپ ﷺ سے رات بھر روٹھی رہتی ہے، حضرت حفصہؓ نے اقرار کیا، میں نے کہا تجھ کو یہ خیال نہیں رہتا کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی ہے، بخدا رسول اللہ ﷺ میرا خیال فرماتے ہیں ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے، پھر حضرت ام سلمہؓ کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی شکایت کی، بولیں کہ عمر! تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے، یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو، میں چپ رہ گیا اور اٹھ کر چلا آیا۔^(۱)

جب کچھ رات گزر گئی میرے وہ انصاری ہمسایہ باہر سے آئے اور بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا، میں گھبرا کر اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے؟ انہوں نے کہا: غضب ہو گیا، میں نے کہا: کیا غسانی مدینہ پر چڑھ آئے؟ بولے کہ نہیں، اس سے بڑھ کر یعنی رسول اللہ ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی، میں صبح کو مدینہ میں آیا، آپ ﷺ کے ساتھ نماز فجر ادا کی، آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر بالا خانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے، میں حفصہؓ کے پاس آیا تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہے، میں نے کہا: ”میں نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا۔“ حضرت حفصہؓ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبویؐ میں آیا، دیکھا تو صحابہؓ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، میں ان کے پاس بیٹھ گیا، لیکن طبیعت کو سکون نہیں ہوتا تھا، اٹھ کر بالا خانہ کے پاس آیا اور رباح (خادم خاص) سے کہا اطلاع کرو، لیکن آپ ﷺ نے اطلاع کرنے کے باوجود انہیں کوئی جواب نہیں دیا، میں اٹھ کر پھر

مسجد میں آیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بیتاب ہو کر بالاخانہ کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی، جب کچھ جواب نہیں ملا تو میں نے پکار کر کہا، اے رباح! میرے لیے اذن مانگ شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہے کہ حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں، اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ فرمائیں تو حفصہؓ کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے اجازت دی، اندر گیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کھر در چارپائی پر لیٹے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی، میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آپ ﷺ نے سبب پوچھا: میں نے عرض کیا: اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہو گا، قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ ﷺ پیغمبر ہو کر، آپ کی یہ حالت ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت۔“

میں نے عرض کیا کیا آپ ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں۔“ میں اللہ اکبر پکار اٹھا، پھر عرض کی، کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموں بیٹھے ہیں اجازت ہو تو جا کر خبر کر دوں کہ واقعہ غلط ہے، چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تھا، آپ ﷺ بالاخانہ سے اتر آئے اور عام باریابی کی اجازت ہو گئی۔^(۱)

اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُحِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنْتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾^(۲)

اے پیغمبر ﷺ اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیا کا زیب و آرائش مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر بطریق احسن رخصت کر دوں اور اگر اللہ، اللہ کا رسول ﷺ اور آخرت مطلوب ہے تو اللہ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

اس آیت کی رو سے آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں، دنیا اور آخرت، اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر اللہ اور اس کا رسول ﷺ اور زندگانی ابدی کی طلب گار ہو تو اللہ نے نیکوکاروں کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

۱- تفصیل کے لیے دیکھئے: سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۱/۶۲-۷۲

۲- سورة الاحزاب: ۳۳/۲۸-۲۹

مہینہ ختم ہو چکا تھا، آپ ﷺ ابلا خانہ سے اترے، چونکہ ان تمام معاملات میں حضرت عائشہؓ پیش پیش تھیں ان کے پاس تشریف لے گئے اور مطلع فرمایا، انہوں نے کہا: میں سب کچھ چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کو لیتی ہوں، تمام ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

ایلاء و تخییر، مظاہرہ محفصہ و عائشہؓ یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں اور ان سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات ﷺ کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے حالانکہ ایسا ہر گز نہیں ہے۔^(۱)

حافظ ابن حجر آپ ﷺ کی کناراشی کے متعدد اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَهَذَا هُوَ اللَّائِقُ بِمَكَارِمِ أَخْلَاقِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَعَةِ صَدْرِهِ وَكَثْرَةِ صَفَحِهِ وَأَنَّ ذَلِكَ لَمْ يَقَعْ مِنْهُ حَتَّى تَكْثُرَ مُوجِبُهُ مِنْهُنَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ".^(۲)

آپ ﷺ کے مکارم اخلاق، کشادہ دلی اور کثرت عفو کے ساتھ یہی مناسب ہے اور آپ نے اس وقت تک ایسا نہیں کیا ہو گا جب تک ان سے اس قسم کی حرکتیں متعدد بار ظہور پذیر نہ ہوں۔

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرر رساں سازش تھی جس کا اثر بہت پر خطر تھا۔ آیت مذکور یہ ہے:

﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ﴾^(۳)

اور اگر تم دونوں (حضرت عائشہ و حفصہ) رسول اللہ ﷺ کے برخلاف ایلاء کرو تو اللہ اس کا مولا ہے اور حضرت جبرائیل اور نیک مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں کا ایلاء قائم رہا تو رسول اللہ ﷺ کی مدد کو اللہ اور حضرت جبرائیل اور نیک مسلمان موجود ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لیے تیار ہیں۔

روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اس کے ذریعہ سے وہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں اور اگر ماریہ قبٹیہ کی روایت تسلیم کر لی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کر دی جائیں لیکن یہ ایسی کیا باتیں ہیں اور حضرت عائشہؓ

۱ - تفصیل کے لیے دیکھئے: سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۱/۶۲-۶۲

۲ - فتح الباری، ابن حجر، ۹/۲۹۰

۳ - سورة التحریم: ۶۶/۴

و حضرت وحفصہؓ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پر خطر ہو سکتی ہے جس کی مدافعت کے لیے ملائے اعلیٰ کی اعانت کی ضرورت ہو۔

اس بنا پر بعض دوسروں نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا، مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا جن کی تعداد چار سو تک بیان کی گئی ہے، یہ شریر النفس ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی تدبیر سے خود آپ ﷺ کے خاندان اور رفقاء خاص میں پھوٹ ڈلوادیں۔^(۱)

(ابن حجر نے اصباہ میں ام جلدج^(۲) کے حال میں لکھا ہے)

«كانت تحرش بين أزواج النبي ﷺ»^(۳)

وہ ازواج مطہرات کو باہم بھڑکایا کرتی تھیں۔

افک کے واقعہ میں ان کو کامیابی کی جھلک نظر آچکی تھی، رسول اللہ ﷺ پندرہ دن تک حضرت عائشہؓ سے علیحدہ رہے، حضرت حسانؓ افک میں شریک ہو گئے تھے، آپ ﷺ کی سالی حضرت حمہؓ جو حضرت زینبؓ کی بہن تھیں سازش میں آگئی تھیں، چنانچہ اس روایت کو اعلانیہ شہرت دیتی تھیں، حضرت ابو بکرؓ نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے مالی اعانت سے محروم کر دیا تھا، غرض اگر حضرت عائشہؓ کی براءت پر وحی نہ آجاتی تو ایک فتنہ عظیم برپا ہو چکا ہوتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کی کشش خاطر اور کبیدگی کا حال منافقوں کو معلوم ہوا تو ان بد نیتوں نے اشتعال دیکر بھڑکانا چاہا ہوگا، چونکہ مظاہرہ کے ارکان اعظم حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ تھیں، ان کو خیال ہوا ہوگا کہ ان کے ذریعہ سے ان کے والدین (حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ) کو اس سازش میں شریک کر لینا ممکن ہے لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خاک پر قربان کر سکتے ہیں، چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اذن نہ ملا تو انہوں نے پکار کر کہا کہ ”ارشاد ہو تو حضرت حفصہؓ کا سر لے آؤں۔“

آیت میں اشارہ منافقین کی طرف ہے یعنی اگر عائشہؓ و حفصہؓ سازش بھی کریں گی اور منافقین اس سے کام لیں گے تو اللہ تعالیٰ پیغمبر ﷺ کی اعانت کے لیے موجود ہے اور اللہ کے ساتھ جبرائیلؑ و ملائکہ بلکہ تمام عالم ہے^(۴)۔

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۱/۶۲-۷۲

۲۔ ام جلدج اشعب طماع کی والدہ تھی اور ان کا کام ازواج مطہرات کو باہم بھڑکانا تھی۔ (الإصابة في تمييز الصحابة، أحمد بن علی، ابن حجر، العسقلانی، تحقیق: عادل احمد عبدالموجود و دیگر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ۸/۳۶۷)

۳۔ ایضا

۴۔ سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۱/۶۲-۷۲

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ طبقات ابن سعد، تاریخ ابن کثیر، مواہب لدنیہ، سیرۃ رسول اکرم ﷺ اور سیرۃ النبی جیسی کتب میں کمی و بیشی کے ساتھ مذکور ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

ان واقعات میں بے احتیاط راویوں نے بہت زیادہ تلبیسات نقل کی ہیں جن کو بڑے بڑے مؤرخین و ارباب سیرت نے بھی اپنی تصانیف میں سند کے طور پر درج کیا ہیں، اس لیے اس بحث کو قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

اس واقعہ میں اس قدر مشترک ہے اور خود قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کی خاطر کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ حرام کردہ کیا چیز تھی؟ بہت سی روایتوں میں یہ آیا ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ جو آپ ﷺ کی ایک کنیز تھیں جن کو عزیز مصر نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا، اور ماریہ قبطیہ کی یہ روایت تفصیل کے ساتھ مختلف طرق سے مروی ہے۔

ان روایتوں میں واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے، لیکن اس قدر سب کی قدر مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آپ ﷺ کی موطوءہ کنیزوں میں سے تھیں اور آپ ﷺ نے حضرت حفصہ کی ناراضی کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ امام بیہقی سنن الکبریٰ میں روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَلَفَ لِحَفْصَةَ أَنْ لَا يَقْرَبَ أُمَّتَهُ»^(۱)

آپ ﷺ نے حضرت حفصہ کے سامنے قسم کھائی کہ اپنی کنیز سے مقاربت نہیں کریں گے۔ اس کے بعد حافظ موصوف نے مسند، (بیشم بن کلیب) اور طبرانی سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک

یہ ہے:

«دَخَلْتُ حَفْصَةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهَا وَهُوَ يَطُأُ مَارِيَةَ»^(۲)

اور امام طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہؓ اپنے گھر گئی تو آپ ﷺ کو حضرت ماریہ کے ساتھ ہم بستر دیکھا، اس پر انہوں نے آپ ﷺ کو معاتب کیا۔ ابن سعد^(۳) نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔

۱- السنن الکبریٰ وبذیلہ الجوہر النقی، أحمد بن الحسین، البیہقی، تحقیق: علاء الدین، علی بن عثمان المارذینی

الترکمانی، مجلس دائرة المعارف النظامیہ، حیدر آباد، ۱۳۴۲ھ، پہلی اشاعت، ۷/ ۳۵۳

۲- المعجم الکبیر، سلیمان بن أحمد، الطبرانی، تحقیق: حمدی بن عبد المجید السلفی، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرہ، (سن)، ۱۲/ ۱۱۷

۳- الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰م، ۸/ ۶۸

علامہ عینی شرح صحیح بخاری باب النکاح میں لکھتے ہیں:

«والصحيح في سبب نزول الآية انه في قصة العسل لا في قصة مارية المروى في

غير الصحيحين وقال النووي ولم تات قصة مارية من طريق صحيح»^(۱)

اور آیت کی شان نزول کے باب میں صحیح روایت یہ ہے کہ وہ شہد کے واقعہ میں ہے ماریہ کے قصہ کے باب میں نہیں ہے جو صحیحین کے سوا اور کتابوں میں مذکور ہے، نووی نے کہا ہے کہ یہ واقعہ کسی صحیح طریقہ سے مروی نہیں ہے۔^(۲)

یہ حدیث تفسیر ابن جریر^(۳)، طبرانی^(۴)، مسند بیہم^(۵) میں مختلف طرق سے مذکور ہے اس لحاظ سے جب تک ان کی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہ ہو تو قابل بھروسہ نہیں۔

حافظ ابن حجر نے ان میں ایک طریقہ کی توثیق کی ہے، یعنی وہ روایت جس کے راوی اخیر مسروق ہیں۔ لیکن اولاً تو اس روایت میں ماریہ قبٹیہ کا نام مطلق نہیں، صرف اس قدر ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حفصہ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ اپنی کنیز کے پاس نہیں جاؤں گا اور وہ مجھ پر حرام ہے۔^(۶)

اس کے علاوہ مسروق^(۷) تابعی ہیں، یعنی آپ ﷺ کو نہیں دیکھا اس لیے یہ روایت اصول حدیث کی رو سے منقطع ہے۔ یعنی اس کا سلسلہ سند صحابی تک نہیں پہنچتا۔

اس حدیث کے ایک طریق کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں صحیح کہا ہے۔^(۸) لیکن اس طریقہ کے ایک راوی عبد الملک رقاشی ہے جن کے بارے دارقطنی نے لکھا ہے:

- ۱- عمدة القاری شرح صحیح البخاری، بدر الدین العینی، ۱۹/۲۴
- ۲- المنہاج شرح صحیح مسلم، أبوزکریا، محی الدین، النووی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ، ۱۰/۷۴
- ۳- تفسیر طبری، محمد بن جریر، الطبری، تحقیق: أحمد محمد شاكر، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۲۰۰۰م، الطبعة الأولى، ۲۳/۴۷۵
- ۴- المعجم الکبیر، الطبرانی، ۱۲/۱۱۷
- ۵- المستخرج من الأحادیث المختارة مما لم یخرجه البخاری ومسلم فی صحیحہما، ضیاء الدین، محمد بن عبد الواحد، تحقیق: دکتور عبد الملک بن عبد اللہ دھیش، دار خضر، بیروت، ۲۰۰۰م، الطبعة الناشئة، ۵/۷۰
- ۶- فتح الباری، أحمد بن علی، ابن حجر العسقلانی، دار المعرفة، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ۸/۶۵
- ۷- مسروق بن اجدع ایک ثقہ تابعی ہے جن کا تعلق یمن سے تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں مدینہ آئے اور صحابہ کرامؓ اور اجلہ تابعین سے علم حاصل کی اور بعد میں مستقل طور پر کوفی میں سکونت اختیار کی اور حضرت علیؓ کے ساتھ جنگوں میں شریک رہے اور وہ قاضی شریح سے بھی بڑے درجے کے مفتی تھے اور سن ۶۲ھ کو کوفہ میں انتقال کر گئے۔ (الاعلام، زر کلی، ۷/۲۱۵)
- ۸- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ۸/۱۸۰-۱۸۱

(کثیر الخطا فی الاسانید والمتون یحدث من حفظه)^(۱)

سندوں میں اور اصل الفاظ حدیث میں بہت خطا کیا کرتے ہیں اور اپنے حافظہ کی بنیاد پر حدیث بیان کرتے ہیں۔

یہ امر مسلم ہے کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ یہ بات بھی تسلیم ہے کہ سورہ تحریم کا شان نزول جو صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے، (یعنی شہد کا واقعہ) قطعی طریقہ سے ثابت ہے، امام نووی نے جو ائمہ محدثین میں سے ہیں صاف تصریح کی ہے کہ ماریہ کے باب میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں،^(۲) حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن طریقوں کو صحیح کہا ان میں سے ایک منقطع اور دوسرے کاراوی کثیر الخطا ہے ان واقعات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ روایت قابل استناد اور معتبر ہے۔

واقعہ کی درایتی حیثیت

اس واقعہ کو اگر درایت کی روشنی میں دیکھا جائے تو زیادہ گہری بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ رکاکت معنی کی وجہ سے ناقابل قبول ہے جیسا کہ حضرت حفصہ کاتبی کریم ﷺ کو حضرت ماریہ قبٹیہ کے ساتھ ہمستر دیکھنا خلاف عادت نبوی ہے حالانکہ حضرت عائشہ فرماتی ہے کہ میں نے کبھی بھی نبی کریم ﷺ کو حالت خاص میں روشنی کی حالت میں نہیں دیکھا اور نہ انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔ اس واقعہ کے بعض ایسے دوسرے جزئیات جو تاریخ طبری میں مذکور ہیں ان کو اگر ایک معمولی آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں کیے جاسکتے، تو کیسے اس ذات پاک ﷺ کی طرف منسوب کیے جائیں گے جو تقدس و پاک دامنی کے پیکر تھے۔

فصل کا تجزیہ

اس فصل میں سات واقعات سیرت: میثاق مدینہ، غزوہ بدر میں دونوں جوانوں کے ہاتھوں ابو جہل کا قتل، غزوہ احد میں حضرت حمزہ کی لاش کی بے حرمتی، سریہ ابو سلمہ، غزوہ خندق کی کھدائی، واقعہ ایلاء اور بنو قریظہ کی بد عہدی اور ان کا انجام، بالترتیب بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی سند پر بحث کر کے واضح کیا کہ روایت کے راویوں کے بارے میں علماء الرجال کی آراء کیا ہیں اور ان کی روایت کی حیثیت کیا ہے۔

اس تحقیق میں ہر واقعہ کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ہے۔ درست اور حق پر مبنی روایات کی نشاندہی کی کوشش گئی

ہے۔

۱- مسند امام احمد تحقیق: شعیب الارنؤوط، ۵/ ۳۶۶

۲- المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، امام نووی، ۷۷-۷۸

مذکورہ فصل کا پہلا واقعہ تین طرق سے مروی ہے۔ واقعہ کا پہلا راوی ابن اسحاق ہے جس نے اس واقعہ کو بغیر سند کے روایت کی ہے، دوسرا راوی ابن ابی خثیمہ نے ابن اسحاق کی طرح ایک دوسرے مدلس راوی عبد اللہ بن عمرو المزنی سے روایت کی ہے۔ اس واقعہ کا تیسرا راوی امام احمد ہے جس نے اس واقعہ کو حجاج بن ارطاة سے روایت کی ہے اور وہ ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک ضعیف ہے کیونکہ وہ سند حدیث اور متن حدیث دونوں میں غلطیاں کیا کرتا تھا۔

فصل کا دوسرا واقعہ واقدی نے بلا سند روایت کی ہے اور واقدی کا تذکرہ پہلے فصول میں ہو چکا ہے لہذا تفصیلی جائزے کے لیے باب دوم، فصل چہارم کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

تیسرے واقعہ کا مشترک راوی ابن اسحاق ہے اور ان سے روایت کرنے والے بالترتیب سلمۃ الابرش اور محمد بن حمید ہیں جو ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک اپنے استاد ابن اسحاق کی طرح ہیں۔

چوتھے واقعہ کا راوی واقدی متروک ہے جس نے اس واقعہ کو ایک معضل سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

پانچویں واقعہ کو ابن جریر نے ایک متروک راوی کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف سے روایت کیا ہے جو ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک جھوٹا راوی سمجھا جاتا ہے۔

چھٹے واقعہ کا ایک طریق حضرت مسروق تابعی سے منقطع چلا آیا ہے جبکہ دوسرے طرق میں عبد الملک رقاشی پایا جاتا ہے جو سند اور متن دونوں میں غلطیاں کرنے کی وجہ سے ائمہ جرح و تعدیل کے ہاں متروک قرار پایا گیا ہے۔

ساتویں واقعہ کو ابن اسحاق نے مرسل روایت کے ساتھ نقل کیا ہے، تاہم اس واقعہ کے بعض دوسرے صحیح طرق بھی پائے جاتے ہیں۔

زیادہ تر واقعات کے سلسلہ سند میں واقدی ابن اسحاق اور دوسرے مدلسین کے نام ہیں جن کی تفصیلی بحث آئمہ جرح و تعدیل کی روشنی میں جانچنے کے لیے مذکورہ بالا واقعات پر استنادی حیثیت سے موجود تبصروں کی صورت میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، جس کا اہتمام ہر واقعہ کے بعد کیا گیا ہے۔

ایسا ہی مذکورہ بالا واقعات میں درایتی اعتبار سے بھی بہت سے لغزشیں پائی جاتی ہیں جن کی تفصیلات ہر واقعہ کے بعد اس کی استنادی حیثیت پیش کرنے کے بعد اضافہ شدہ درایتی جائزے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

فصل چہارم: کتب تاریخ میں واقعات سیرت کا ایک مطالعاتی جائزہ

اگر ہم کتب تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور دیگر شخصیات کی کردار کشی پر مبنی روایات کا ننانویں فیصد حصہ صرف چند افراد سے مروی ہے۔ یہ سب وہ ہیں جو دوسری یا تیسری صدی ہجری کے مشہور ”اخباری“ ہیں۔ ان میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ، محمد بن سائب الکلبی، ہشام بن محمد الکلبی، محمد بن عمر الواقدی اور سیف بن عمر الیمی نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں لیکن ان سے مروی ایسی روایات کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

مذکورہ مؤرخین کے بارے میں جو تفصیلات جرح و تعدیل کے ماہرین نے بیان کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام کے تمام راوی شدید ضعیف، متعصب اور ناقابل اعتماد تھے۔ ان میں سے اکثر پر یہ الزام ہے کہ جھوٹ گھڑ کر صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔ فن تاریخ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ اگر ایک شخص کسی معاملے میں متعصب ہو، تو اس کی بات کو قبول نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ تمام حضرات عہد صحابہؓ کے ساٹھ ستر سال بعد پیدا ہوئے۔ یہ ان واقعات کے چشم دید گواہ بھی نہیں تھے بلکہ انہوں نے ادھر ادھر سے روایتیں جمع کر کے اپنی کتابیں مرتب کر لیں جو بعد کی کتب کا حصہ بن گئیں۔

پھر یہ جن راویوں کی بنیاد پر یہ واقعات بیان کرتے ہیں، ان میں سے اکثر کے حالات زندگی معلوم نہیں ہیں اور اس بات کا تعین نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ راوی قابل اعتماد تھے یا نہیں۔ عین ممکن ہے کہ ان متعصب اخباریوں نے اپنی روایتوں کے متن کی طرح سندیں بھی گھڑ کر ان کے ساتھ لگالی ہوں۔ چونکہ انہوں نے نامعلوم راویوں کے نام نقل کیے ہیں، اس وجہ سے ہمیں معلوم نہیں کہ وہ راوی بھی قابل اعتماد تھے یا نہیں تھے، یا ان کا کوئی وجود بھی تھا یا نہیں تھا۔^(۱)

کیا راویوں کی چھان بین حسن ظن کے قرآنی حکم کی خلاف ورزی تو نہیں ہے؟

یہاں پر ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب ہمیں قرآن مجید نے حسن ظن کا حکم دیا ہے تو پھر ان راویوں سے متعلق بھی حسن ظن ہی کیوں نہ رکھا جائے اور ان کی باتوں کو قبول کیوں نہ کیا جائے۔ اس کے جواب کے لیے ایک مثال پر غور کیجیے۔ اگر ہمیں کسی شخص سے کروڑوں کی سودا کرنا ہو اور ہمارا کوئی قابل اعتماد دوست ہمیں آکر یہ بتائے کہ یہ شخص دراصل بہت بڑا دھوکے باز ہے تو کیا ہمیں حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس شخص سے معاملہ کر لینا چاہیے؟ یقینی طور پر ہمیں اس شخص سے حسن ظن تو رکھنا چاہیے مگر اس سے سودا میں احتیاط برتنی چاہیے۔ ہم یا تو اس شخص کے بارے میں تحقیقات کریں گے اور اگر تحقیق ممکن نہ ہوئی تو سودا کرنے سے اجتناب کریں گے۔

بعینہ یہی معاملہ ان راویوں کے ساتھ بھی کرنا چاہیے کہ ان سے حسن ظن رکھتے ہوئے ان کی روایتوں کو قبول کرنے میں احتیاط برتنا چاہیے۔ یہ احتیاط حسن ظن کے خلاف نہیں ہے۔ سورۃ الحجرات میں جہاں ہمیں حسن ظن کا حکم دیا گیا ہے، وہاں اس بات کا حکم بھی موجود ہے کہ کسی غلط شہرت رکھنے والے کی بات پر عمل کرنے سے پہلے اس بات کی تحقیق کر لینا چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾^(۱)

اے اہل ایمان! اگر آپ لوگوں کے پاس کوئی فاسق خبر لے آئے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی گروہ کو جہالت میں نقصان پہنچا بیٹھیں اور پھر اپنے فعل پر نادم ہوں۔

اب چونکہ ان راویوں کے بارے میں ہمیں نہایت ہی قابل اعتماد اہل علم میں سے ایک دو نہیں بلکہ دسیوں افراد نے بتا دیا ہے کہ یہ متعصب اور جھوٹ گھڑنے والے لوگ ہیں، اس وجہ سے ہمیں چاہیے کہ ان کی بیان کردہ روایات کی چھان بین ضرور کر لیں۔ ہمیں ان راویوں کی ذات سے کوئی دشمنی نہیں رکھنی چاہیے لیکن ان کی بیان کردہ روایات کو قبول کرنے میں احتیاط برتنی چاہیے۔^(۲)

ان راویوں سے متعلق معلومات کا ماخذ کیا ہے؟

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن ماہرین نے ان مورخین کو غیر مستند قرار دیا ہے، ان کی معلومات کا ماخذ کیا ہے؟ انہوں نے کس بنیاد پر ان مورخین کو غیر مستند قرار دیا ہے۔ اس کے لیے ہمیں فن رجال کے ارتقا کو دیکھنا ہو گا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ دور جاہلیت ہی سے عربوں میں ”فن انساب“ کو غیر معمولی حیثیت حاصل تھی اور ان کے ماہرین مختلف قبائل، ان کے خاندانوں اور نمایاں افراد کے حالات کو ریکارڈ کیا کرتے تھے۔ دور جاہلیت میں کتابیں لکھنے کا رجحان نہیں تھا بلکہ ان معلومات کو سینوں میں محفوظ کیا جاتا تھا۔ جو شخص ان معلومات کا بڑا حافظ ہوتا، اسے معاشرے میں نہایت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا کیونکہ یہی قبائلی تاریخ تھی جس کی بنیاد پر اہل عرب اپنے اپنے قبیلے پر فخر کیا کرتے تھے۔

اسلام کے بعد کتابیں تحریر کرنے کا رجحان پیدا ہوا جو کہ دوسری صدی ہجری میں بہت نمایاں ہو گیا۔ اس میں دیگر علوم کی طرح انساب اور طبقات کی کتابیں بھی لکھی جانے لگیں جن میں مختلف افراد کے حالات زندگی اکٹھے کیے

۱- سورۃ الحجرات، ۶/۴۹

۲- مبشر نذیر، ۲۰۱۷ء/۴/۱۳ وقت ۳:۳۰ اے ایم، www.mubashirnazir.org

جاتے۔ جو لوگ یہ کام کرتے تھے، انہیں افراد یا قبائل سے کوئی ذاتی قسم کا تعلق نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ نہایت ہی غیر جانبداری سے ان افراد کے حالات زندگی مرتب کرتے۔ ممکن ہے کہ کوئی ایک ماہر، کسی ایک شخص کے بارے میں متعصب ہو اور اس کے بارے میں کچھ لکھ دے، لیکن تمام کے تمام ماہرین اس شخص سے تو متعصب نہیں ہو سکتے تھے۔ حالات زندگی مرتب کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ماہرین کا ایک اور طبقہ بھی تھا جسے ”ماہرین جرح و تعدیل“ کہا جاتا ہے۔ ان میں یہ لوگ نمایاں ہیں:

ابن حبان، ابن عدی، دارقطنی، امام نسائی، ابو حاتم الرازی، امام بخاری، احمد بن حنبل، ابن المدینی اور یحییٰ بن معین وغیرہ۔

اس فن کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے متعلق منسوب روایات کا جانچ پڑتال کرنے کے یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کون سی روایت مستند ہے اور کون سی غیر مستند۔ مذکورہ بالا حضرات نے اس فن میں اس لیے مہارت حاصل کی تھی کہ راویوں کے حالات کا جانچ پڑتال کر کے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ رواۃ میں کون سا شخص قابل اعتبار ہے اور پھر اعتماد کے کس درجہ میں ہے اور کون سا شخص ناقابل اعتماد اور پھر کس درجے کا؟

لہذا ماہرین جرح و تعدیل نے رواۃ کو جانچنے کے لیے بارہ درجوں کا ایک پیمانہ ترتیب دیا جس میں چھ درجات جرح (راوی کے عیوب ڈھونڈنے) اور چھ درجات تعدیل (راوی کے اوصاف ڈھونڈنے) کے لیے مقرر کیے۔ ان میں سب سے نچلا درجہ ”کذابین“ کے لیے رکھا گیا ہے جس میں انتہائی درجے کا جھوٹا راوی شامل کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابو مخنف، واقدی، سیف بن عمر اور ہشام کلبی وغیرہ کا شمار اسی آخری طبقے میں ہے۔ جرح و تعدیل کے ماہرین نے عالم اسلام کے مختلف شہروں کے سفر کیے اور ان راویوں سے متعلق معلومات اکٹھا کیں۔ یہ حضرات متعدد بنیادوں پر کسی راوی کو ثقہ یا ضعیف یا کذاب کا نام دیتے تھے۔^(۱)

ایک تو اس راوی کے متعلقین سے راوی کے حالات معلوم کیے جاتے تھے۔ اگر وہ راوی ان کے زمانے میں زندہ ہوتا تو اس سے مل کر اور اس کے حالات کا جانچ پڑتال اپنے آنکھوں سے کرتے ورنہ ان راوی کے شناساؤں سے ان کے بارے رائے لی جاتی اور پھر اپنی سمجھ کے مطابق ان پر کوئی حکم لگا دیتے۔^(۲)

اس راوی کی بیان کردہ روایات کا موازنہ اس کے ہم سبق دیگر راویوں کی بیان کردہ روایات سے کیا کرتے اور اگر یہ دیکھنے کو مل جاتا کہ مطلوبہ راوی کی بیان کردہ روایات میں فرق پایا جاتا ہے تو پھر اس کے بارے میں مزید چھان بین کر

۱ - مبشر نذیر، ۲۰۱۷/۴/۱۳ وقت ۳:۳۰ اے ایم، www.mubashirnazir.org

کے کوئی حتمی فیصلہ قائم کر لیتے، مثلاً ایک استاذ کے دس شاگرد ہیں ان میں سے نو شاگرد تو اپنے استاذ کی روایت کو ایک جیسا بیان کرتے چلتے آرہے ہیں جبکہ دسواں نفس روایت میں اپنے ہم درس سے مختلف بات کرتا پھر اس فرق کی چھان بین کی جاتی اور دیکھا جاتا کہ آیا فرق سنجیدہ نوعیت کا ہے یا معمولی نوعیت کا۔ اس طرح منفرد راوی کی ہر روایت کو دیکھا جاتا کہ ان کے دوسرے روایات اپنی نوعیت کے دوسرے ہم سبق سے بالکل مختلف ہے یا کسی ایک آدھ جگہ اس سے ایسا ہوا ہے۔ جس شخص کی روایات میں انہیں بہت زیادہ فرق ملتا، اس کے فرق کے تناسب سے اس کا درجہ متعین کیا جاتا۔

ان حضرات نے اس فن پر کتابیں لکھیں اور یہ فن مرتب ہوتا چلا گیا۔ آٹھویں صدی ہجری میں اس فن کے ایک بہت بڑے ماہر گزرے جن کا نام ابو الحجاج یوسف المزنی ہے۔ انہوں نے سابقہ ماہرین کی کتابوں کو ایک انسائیکلو پیڈیا کی شکل میں اکٹھا کر دیا، جس کا نام ”تہذیب الکمال“ ہے۔ اس انسائیکلو پیڈیا کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب ۳۵ جلدوں پر مشتمل ہیں جن میں سے ہر ایک جلد ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مصنف ابو الحجاج یوسف المزنی کے ایک شاگرد شمس الدین ذہبی نے ”میزان الاعتدال“ کے نام سے اس کا ایک خلاصہ ترتیب دیا جو اب پانچ پانچ سو صفحات پر مشتمل آٹھ جلدوں میں مطبوع ہے۔ ہم نے اس کتاب میں اسی کو بنیاد بنایا ہے کیونکہ اس میں علم جرح و تعدیل کی سابقہ کتابوں کا خلاصہ نکالا گیا ہے۔ ذہبی نے ایک اور کتاب بھی لکھی جو ”سیر الاعلام النبلاء“ کے نام سے مشہور ہے جس میں انہوں نے ۴۳۰۰ صفحات میں ۶۸۹۵ مشہور راویوں کا تذکرہ کیا ہے یہ کتاب بھی ہمارا ماخذ رہی ہے۔ اور ان جیسے دیگر کتب جرح و تعدیل سے بھی تخریج رواۃ میں استفادہ کیا گیا ہے۔

راویوں سے متعلق معلومات کی استنادی حیثیت

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ماہرین نے جو معلومات مرتب کی ہیں، وہ بذات خود کس درجے میں مستند ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان ماہرین نے اپنے کسی تعصب کے سبب کسی راوی کو کذاب کہہ دیا ہو۔ عقلی اعتبار سے ایسا ممکن ہے کہ ایک ماہر کسی شخص سے تعصب کی بنیاد پر اسے کذاب کہہ دے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر ماہر ہی اسے تعصب کی بنیاد پر کذاب کہے۔ اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ مختلف شہروں اور مختلف زمانوں سے تعلق رکھنے والے ان ماہرین نے مل کر یہ سازش کی ہو کہ چلو فلاں فلاں کو مل کر ”کذاب“ قرار دے ڈالیں۔ جرح و تعدیل کے ماہرین میں آپس میں اختلاف رائے بھی ہوتا ہے لیکن ہمارے زیر بحث مورخ راویوں کے بارے میں یہ سب کے سب متفق ہیں کہ یہ حضرات قابل اعتماد نہیں ہیں۔

ویسے بھی اگر ہمیں کسی سے کوئی کاروباری معاملہ کرنا ہو اور اس کے بارے میں ہمیں کوئی خبر بھی مل جائے کہ وہ قابل اعتماد نہیں تو ہم یا تو اس سے معاملہ کرنے میں احتیاط کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب ان مورخین کے بارے میں

بہت سے ماہرین نے ہمیں یہ بتا دیا کہ یہ ناقابل اعتماد ہیں تو پھر عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی روایات کو قبول کرنے میں احتیاط کی جائے۔

تاریخ پر تحقیق کے لیے علم جرح و تعدیل سے مدد لینے کا حکم

اس سوال کا جواب ہاں میں ہے کیونکہ علم رجال ہی سے ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ روایات بیان کرنے والے لوگ کس درجے کے قابل اعتماد ہیں۔ علم رجال کی تحقیق وہی چیز ہے جسے اہل مغرب (Source Criticism) کہتے ہیں امت کی اکثریت کا موقف یہی رہا کہ اس علم سے استفادہ جائز ہے۔

تاہم بعض لوگوں کا خیال یہ بھی رہا کہ علم جرح و تعدیل کو تاریخ پر تحقیق میں استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں ہم فریقین کے دلائل پیش کر رہے ہیں۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کون سا موقف درست ہے۔^(۱)

علم جرح و تعدیل سے مستفید نہ ہونے والوں کے دلائل

بعض حضرات تاریخی روایات کو جانچنے کے لیے اسماء الرجال کی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں راویوں کو ائمہ رجال نے مجروح قرار دیا ہے، اور فلاں راوی جس وقت کا واقعہ بیان کرتا ہے اس وقت تو وہ بچہ تھا یا پیدا ہی نہیں ہوا تھا، اور فلاں ایک روایت جس کے حوالے سے راوی بیان کرتا ہے اس سے تو وہ کبھی ملا ہی نہیں۔ اسی طرح وہ تاریخی روایات پر تنقید حدیث کے اصول استعمال کرتے ہیں اور اس بنا پر اس کو رد کر دیتے ہیں کہ فلاں واقعہ سند کے بغیر نقل کیا گیا ہے، اور فلاں روایت کی سند میں انقطاع ہے۔

اس بات کو نظر انداز کیا جاتا ہے کہ محدثین نے روایات کی جانچ پڑتال کے یہ طریقے دراصل احادیث احکام کے لیے اختیار کیے ہوئے ہیں، کیوں کہ ان پر حرام و حلال، فرض و واجب اور مکروہ و مستحب جیسے اہم شرعی امور کا فیصلہ ہوتا ہے اور یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ دین میں کیا چیز سنت اور کیا چیز سنت نہیں ہے۔ یہ شرائط اگر تاریخی واقعات کے معاملہ میں لگائی جائیں، تو اسلامی تاریخ کے ادوار مابعد کا تو سوال ہی کیا ہے، قرن اول کی تاریخ کا بھی کم از کم نواں / دسواں حصہ غیر معتبر قرار پائے گا۔^(۲)

خاص طور پر واعدی اور سیف بن عمر اور ان جیسے دوسرے راویوں کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال نقل کر کے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حدیث ہی نہیں، تاریخ میں بھی ان لوگوں کا کوئی بیان قابل قبول نہیں ہے۔ لیکن جن علماء کی کتابوں سے ائمہ جرح و تعدیل کے یہ اقوال نقل کیے جاتے ہیں، انہوں نے صرف حدیث کے معاملہ میں ان لوگوں کی

۱ - مبشر نذیر، ۲۰۱۷ء / ۴ / ۱۳ وقت ۳۰: ۱۱، ایم، www.mubashirnazir.org

۲ - خلافت و ملوکیت، سید ابوالاعلیٰ، مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۰ء، چھپیسوی اشاعت، ص ۳۱۷

روایات کو رد کیا ہے۔ رہی تاریخ، مغازی اور سیر، تو انہی علماء نے اپنی کتابوں میں جہاں کہیں ان موضوعات پر کچھ لکھا ہے، وہاں وہ بکثرت واقعات انہی لوگوں کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر حافظ ابن حجر کو دیکھیے، جن کی ”تہذیب التہذیب“ سے ائمہ رجال کی یہ جرحیں نقل کی جاتی ہیں۔ وہ اپنی تاریخی تصنیفات ہی میں نہیں بلکہ اپنی شرح بخاری (فتح الباری) تک میں جب غزوات اور تاریخی واقعات کی تشریح کرتے ہیں تو اس میں جگہ جگہ واقدی اور سیف بن عمر اور ایسے ہی دوسرے مجروح راویوں کے بیانات بے تکلف نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر اپنی کتاب ”البدایہ والنہایہ“ میں خود ابو مخنف کی سخت مذمت کرتے ہیں، اور پھر خود ہی ابن جریر طبری کی تاریخ سے بکثرت وہ واقعات نقل بھی کرتے ہیں، جو انہوں نے اس کے حوالہ سے بیان کیے ہیں۔

دراصل انہوں نے نہ ان لوگوں کے تمام بیانات کو رد کیا ہے اور نہ سب کو قبول کر لیا ہے۔ وہ ان میں سے چھانٹ چھانٹ کر صرف وہ چیزیں لیتے ہیں، جو ان کے نزدیک نقل کرنے کے قابل ہوتی ہیں، جن کی تائید میں بہت سارا دوسرا تاریخی مواد بھی ان کے سامنے ہوتا ہے، اور جن میں سلسلہ واقعات کے ساتھ مناسبت بھی پائی جاتی ہے۔ اس لیے کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ ابن سعد، ابن عبد البر، ابن کثیر، ابن جریر، ابن اثیر، ابن حجر اور ان جیسے دوسرے ثقہ علماء نے اپنی کتابوں میں جو واقعات مجروح راویوں سے نقل کیے ہیں، انہیں رد کر دیا جائے۔ یا جو باتیں ضعیف یا منقطع سندوں سے لی ہیں، یا بلا سند بیان کی ہیں، ان کے متعلق یہ رائے قائم کر لی جائے کہ وہ بالکل بے بنیاد ہیں۔^(۱)

علم جرح و تعدیل سے استفادہ لینے والوں کے دلائل

عام اہل علم کا موقف یہ ہے کہ علم جرح و تعدیل کا استعمال جیسے حدیث کی چھان بین کے لیے ہوتا ہے، ویسے ہی تاریخ پر بھی کیا جانا چاہیے۔ علم تاریخ میں ماخذ کی تحقیق (Source Criticism) ایک مسلمہ اصول ہے اور سبھی ممالک کے مورخین اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہ بات تو مانی جاسکتی ہے کہ عام سے معاملات میں ماخذ کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے لیکن جن روایات کی بنیاد پر امت میں فرقے بنے ہوئے ہوں، تاریخ ہی نہیں بلکہ عقائد میں بھی اختلاف پیدا ہوا ہو اور جن کی بنیاد پر ماضی کے کسی انسان کے کردار پر انگلی اٹھائی گئی ہو، ان کے معاملے میں تو ضروری ہے کہ علم رجال کی بنیاد پر پوری طرح چھان بین کے بعد ہی کسی بات کو قبول یا مسترد کیا جائے۔ اس کی وضاحت ہم ایک مثال کے ذریعے کرتے ہیں۔

فرض کیجیے کہ ایک بڑے دینی عالم کے بارے میں یہ بات معلوم و معروف ہے کہ مالی امور میں وہ ایک دیانت دار شخص تھے۔ ان کی دیانت داری کے واقعات مشہور و معروف ہیں اور اس معاملے میں ان کے کردار پر ان کے کسی دشمن

نے بھی کبھی اعتراض نہیں کیا ہے۔ یہ عالم ۱۹۵۰ء میں وفات پا جاتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو بالفرض ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے بارے میں یہ بات مشہور و معروف ہے کہ وہ کسی مذہبی دشمن سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، دینی شخصیات کے بارے میں متعصب ہے اور ان کے متعلق جھوٹا پراپیگنڈا کرتا ہے۔ اب یہ شخص کوئی ایسا واقعہ بیان کرے جس کے مطابق وہ عالم اپنے مدرسے کے چندے میں کرپشن کرتے تھے تو کیا ہمیں اس شخص کی بیان کردہ روایت کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لینا چاہیے؟

یقیناً ہمارا جواب نفی میں ہو گا۔ سب سے پہلے تو ہم اس روایت کو اسی بنیاد پر مسترد کر دیں گے کہ اس کو بیان کرنے والا خود قابل اعتماد نہیں ہے اور وہ دینی شخصیات سے متعلق جھوٹا پراپیگنڈا کرتا ہے۔ پھر اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ وہ تو ان عالم کی وفات کے ۱۵ سال بعد پیدا ہوا، وہ اس واقعے کا عینی شاہد تو ہو نہیں سکتا۔ اس نے یہ بات کس سے سنی ہے؟ اگر وہ شخص کسی کا نام نہ بتا سکے تو یہی کہا جائے گا کہ اس نے جو روایت بیان کی ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا نام بتا دے تو اس شخص کے بارے میں بھی لازماً تجزیہ کیا جائے گا کہ وہ شخص کون ہے؟ اس کے حالات کیا تھے؟ کیا وہ کسی کے بارے میں متعصب تھا یا نہیں؟ کیا وہ کسی سیاسی جماعت کے پراپیگنڈاؤنگ میں شامل تو نہیں تھا؟

یہ سب باتیں دیکھی جائیں گی اور تب ہی یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ یہ واقعہ درست ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر جرح و تعدیل کو تاریخ میں استعمال نہ کرنے کے قائلین میں سے کسی شخص کے استاذ یا والدین کے بارے میں کوئی بد عنوانی یا اسی نوعیت کا کوئی گھناؤنا الزام عائد کر دے تو یہ حضرات لازماً انہی اصولوں پر عمل کا مشورہ دیں گے۔ اگر موجودہ دور کی کسی شخصیت کا یہ معاملہ ہے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں متعصب لوگوں کے بارے میں اس سے بڑھ کر ہی احتیاط کرنی چاہیے۔

یہ بات کہ ”قرن اول کی تاریخ کا بھی کم از کم نواں / دسواں حصہ غیر معتبر قرار پائے گا، اور ہمارے مخالفین ان ہی شرائط کو سامنے رکھ کر ان تمام کارناموں کو ساقط الاعتبار قرار دے دیں گے جن پر ہم فخر کرتے ہیں، کیوں کہ اصول حدیث اور اسماء الرجال کی تنقید کے معیار پر ان کا بیشتر حصہ پورا نہیں اترتا۔“ بھی درست نہیں ہے۔ قرن اول میں سے عہد رسالت کی تاریخ کا بڑا حصہ قرآن مجید اور صحیح احادیث میں بیان ہوا ہے۔ عہد صحابہ کی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات، جن میں ان کے تمام مثبت کارنامے شامل ہیں، پورے تو اتر سے ہم تک منتقل ہوئے ہیں اور ان کے بارے میں کوئی غیر مسلم مورخ بھی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ یہ کوئی ایک دور روایتیں نہیں بلکہ ہزار ہا روایتیں ہیں جو مل کر کم از کم معنوی حد تک حد تو اتر تک پہنچتی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کا انکار کرنا چاہے تو وہ دن میں سورج کی موجودگی کا انکار بھی کر سکتا ہے اور یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ زمین پر ہوا اور پانی موجود نہیں ہیں۔

یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ طبری، ابن اثیر، ابن حجر اور ابن کثیر جیسے محققین علماء نے واقدی اور ابو مخنف وغیرہ کی تمام روایتوں کو قبول کیا ہے۔ ان حضرات نے عام سے معاملات میں ان لوگوں کی روایتوں کو قبول کیا ہے لیکن جہاں صحابہ کرامؓ کی کردار کشی جیسا حساس معاملہ ہے، وہاں ان پر تنقید کی ہے۔ طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر کے اقتباسات کا ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتب کے متعلق خود یہ کہہ دیا ہے کہ ہم نے بات کو محض نقل کیا ہے، اس کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کی ذمہ داری اس شخص پر ہے جس کا ہم نے حوالہ دیا ہے۔^(۱)

ناقابل اعتماد راویوں کی اخذ روایتوں کا حکم

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان ناقابل اعتماد راویوں کی تمام روایتوں کو رد کر دیا جائے ایسا کرنے سے عہد صحابہؓ کی تاریخ کا نوے فی صد حصہ ضائع ہو جائے گا اور ہمیں اس ضمن میں کچھ بھی علم نہ ہو سکے گا۔ اول تو یہ دعویٰ ہی درست نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہماری تاریخ انہی چند راویوں کی مرہون منت ہے۔ طبری میں ان چار پانچ افراد یعنی واقدی، سیف بن عمر، ابو مخنف اور ہشام کلبی کی روایتوں کو اکٹھا کر لیا جائے تو یہ نوے فی صد نہیں بلکہ کافی کم بنتا ہے۔ ڈاکٹر خالد کبیر علال^(۲) نے ان راویوں کی کل روایات کی تعداد ۱۸۱۹ گنوائی ہے۔ جو کہ طبری کی روایات کا نوے فی صد بہر حال نہیں ہے۔ پھر ان چاروں راویوں کی تمام روایتوں کو رد کر دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف انہی روایتوں پر تنقید کی جائے گی جن میں انہوں نے خاص طور پر حقائق کو مسخ کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ کی کردار کشی کی کوشش کی ہے۔^(۳)

اس کی وجہ یہ ہے کہ عام تاریخی واقعات میں انہیں کوئی گڑبڑ کرنے کی ضرورت نہ تھی، لیکن جن معاملات میں یہ متعصب تھے، ان میں انہوں نے حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عام طور پر لوگ جھوٹ نہیں بولتے لیکن جہاں معاملہ ان کے مفادات یا تعصبات کا آجائے، وہاں پھر وہ جھوٹ سے کام لیتے ہیں۔ یہی معاملہ ان متعصب راویوں کا ہے کہ جہاں انہیں تعصب کا مرض لاحق ہوا، وہاں انہوں نے بے حقیقت روایت بیان کی یا سچی روایت میں بے بنیاد جملے داخل کر دیے لیکن جہاں تعصب کا معاملہ نہیں تھا، وہاں انہیں بھی جھوٹ بولنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

۱۔ مبشر نذیر، ۲۰۱۷/۴/۱۳ وقت ۳:۳۰ اے ایم، www.mubashirnazir.org

۲۔ ڈاکٹر خالد کبیر علال ۱۹۶۱ء کو الجزائر میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۶ء کو الجزائر یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور ۲۰۰۳ء کو اسلامک ہسٹری میں جامعہ الجزائر سے پی ایچ ڈی کی۔ اور اس وقت وہ جامعہ الجزائر میں استاد محاضر کی حیثیت سے اپنے خدمات سر انجام دے رہا ہے۔ وہ تقریباً تیس کتابوں کے مصنف بھی ہے۔ (دیکھئے مثلاً: مدرسۃ الکذا بین، خالد کبیر علال)

۳۔ مدرسۃ الکذا بین فی روایۃ التاریخ الاسلامی و تدوینہ، د/ خالد علال کبیر، ص ۱۱۵

تاریخی روایات میں انہوں نے بعض واقعات غیر معتبر نقل کیے ہیں لیکن اکثر مشہور تاریخی روایات کے ضمن میں ایک آدھ ایسے جملے یا پیرا گراف کا اضافہ کر دیا ہے کہ جس سے وہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب کا واقعہ مشہور ہے۔ اسے بالعموم یہ ٹھیک بیان کرتے ہیں لیکن بیچ بیچ میں کوئی ایک آدھ لفظ یا جملہ ایسا لگا جاتے ہیں، جس سے ان کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس مثلاً جنگ صفین اور سانحہ کربلا کے واقعات میں پوری پوری بے بنیاد روایتیں موجود ہیں۔ اس وجہ سے لازم ہے کہ ان چاروں راویوں اور ان کے دیگر ساتھیوں کی ان روایات پر قبول نہ کریں جن میں صحابہ کرامؓ کی کردار کشی کی گئی ہو۔ ہاں عام واقعات جن میں ایسا نہ ہو، کو قبول کرنے میں حرج نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی بہت محتاط ہو اور وہ ان راویوں کی کسی روایت کو بھی قبول نہ کرے، تو اس کا طرز عمل بھی ٹھیک ہے اور اس کے طریقہ کار پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے، مگر پھر وہ تفصیلی تاریخ مرتب نہ کر سکے گا۔^(۱)

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی راوی کسی شخص کے بارے میں متعصب ہے لیکن وہ ایسی روایت پیش کرتا ہے جو اس کے اپنے تعصبات کے خلاف ہے تو کیا اس روایت کو قبول کیا جائے؟ اس سوال کا جواب ہاں میں ہے۔ عصر حاضر میں ایک شخص مثلاً جماعت اسلامی سے تعلق رکھتا ہو اور کوئی ایسی بات کہے جو پی ٹی آئی کے حق میں ہو، یا جماعت اسلامی کے خلاف ہو، تو اسے تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ یہ گھر کی گواہی ہے۔ اسی طرح پی ٹی آئی کے لوگوں کی ایسی بات جو ان کے خلاف اور جماعت اسلامی کے حق میں ہو، تسلیم کرنے میں کسی کو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح ابو مخنف، سیف بن عمر، ہشام کلبی اور اس نوعیت کے دیگر راویوں کی جو روایتیں صحابہ کرامؓ کے حق میں ہو، انہیں قبول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔^(۲)

کتب مورخین میں ناقابل اعتماد روایتوں کے دخول کے اسباب

ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ متعصب راویوں کی یہ روایتیں مورخین نے اپنی کتابوں میں درج ہی کیوں کی تھیں اور انہیں اٹھا کر باہر کیوں نہیں پھینکا گیا لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ یہیں مورخین، ان متعصب راویوں پر اعتماد کیا کرتے بلکہ اس کا جواب پہلے ہی سے اوپر مذکور ہے تاہم پھر بھی اس کا اہم پہلو یہاں اختصار کے ساتھ دوبارہ ذکر کر رہے ہیں۔

یہ سوال اصل میں اس دور کے علمی مزاج اور ماحول سے لاعلمی کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔ اس ماحول کی تفصیل ہم پہلے بیان کی گئی ہے۔ تاریخ کے جو اولین مآخذ ہمیں دستیاب ہوئی ہیں، یہ بالعموم تیسری صدی ہجری میں لکھے گئے تھے

۱ - مبشر نذیر، ۲۰۱۷ء/۴/۱۳ وقت ۳:۱۰ء ایم، www.mubashirnazir.org

جب دورِ صحابہؓ کی تاریخ کو دو سو برس سے زائد کا عرصہ گزر چکا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دوسری صدی کے نصف تک مسلم دنیا میں کاغذ نایاب تھا، اس وجہ سے کتابیں لکھ کر پھیلانے کا رواج نہیں تھا بلکہ جو لوگ لکھتے تھے، اس کی حیثیت ان کی ذاتی کتابچہ کی سی ہوا کرتی تھی۔ جب مسلمانوں نے ۱۴۰ ہجری کے لگ بھگ چینیوں سے کاغذ بنانے کا فن سیکھا تو ان کے ہاں کتابیں لکھنے کا آغاز ہوا اور تیسری صدی ہجری کے اوائل اور نصف میں جب کتابیں بڑے پیمانے پر لکھی جانے لگیں تو ان کا اسلوب وہی تھا جو اس سے پہلے زبانی روایت کا چلا آ رہا تھا۔ سب سے پہلے تو ضرورت اس امر کی محسوس ہوئی کہ جو کچھ علم اب تک زبانی یا ذاتی ڈائریوں کی صورت میں چلا آ رہا ہے، اسے مرتب کر لیا جائے۔ چنانچہ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب، شاعری، فلسفہ غرض ہر علم میں جو کچھ دستیاب تھا، اسے لکھا جانے لگا۔

حدیث اور تاریخ کے میدان میں پہلے مرحلے پر ان روایات کو اکٹھا کیا گیا۔ اہل علم کا ذہن یہ تھا کہ علم کو مرتب کیا جائے، صحیح و غلط کو بعد میں اگلے مرحلے پر دیکھ لیا جائے گا۔ یہ مرحلہ دوسری صدی کے آخر سے شروع ہو کر پانچویں صدی کے آخر تک جاری رہا اور اس عمل میں تین سو سال لگے۔ روایات پر تنقید اور چھان بین کے عمل کا آغاز تیسری صدی ہجری کے نصف سے شروع ہوا اور اب تک جاری رہا۔ اس دور کے ناقدین نے اپنی ترجیحات یہ متعین کیں کہ جن روایات میں کوئی دینی مسئلہ ہو، ان کی چھان بین پہلے کر لی جائے۔ تاریخی روایات کی جانچ پڑتال کا معاملہ کچھ دیر سے شروع ہو چکا۔

یہ بات واضح ہے کہ کوئی مصنف جب کتاب لکھتا ہے تو وہ اپنے زمانے کے لوگوں کی علمی اور ذہنی سطح ہی کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتا ہے۔ ابن سعد، طبری اور بلاذری وغیرہ نے بھی جب کتب لکھیں تو ان کے پیش نظر آج کے لوگ نہیں تھے بلکہ ان کے اپنے دور کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ یہ لوگ پہلی دو صدیوں کے کم از کم مشہور راویوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اگر ان کے سامنے مثلاً واقدی یا ابو مخنف کی کوئی روایت پیش کی جاتی تو وہ جانتے تھے کہ واقدی اور ابو مخنف کا علمی مقام کیا ہے اور ان کی روایتوں پر کس درجے میں اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح سے وہ باسانی یہ معلوم کر لیتے کہ قابل اعتماد روایت کون سی ہے اور ناقابل اعتماد کون سی۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین نے ان کی روایتوں کو درج کر دیا کیونکہ ان کے سامنے اپنے دور کے لوگ تھے جو صحیح اور ضعیف روایتوں میں فرق کر سکتے تھے۔^(۱)

اصل میں یہ بعد کے ادوار کے مورخین کی غلطی ہے کہ انہوں نے سابقہ مورخین کی بیان کردہ روایتوں کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیے ہیں اور پھر سند کے بغیر اپنی کتب میں درج بھی کر لیا۔ ان کا کام یہ تھا کہ قدیم مورخین کی بیان کردہ روایتوں کی چھان بین کر کے اپنی کتب میں لکھتے لیکن روایت پرستی کی وجہ سے انہوں نے یہ کام نہیں کیا۔ تاہم محقق مورخین جیسے ابن کثیر اور ابن خلدون نے روایتوں پر تنقید بھی کی ہے لیکن ان حضرات نے بھی ہر اہم مقام پر ایسا

نہیں کیا ہے بلکہ بعض مخصوص مواقع پر ہی ایسا کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ بھی شاید یہ رہی ہوگی کہ تاریخ کے جو معاملات ان کے زمانے میں اہمیت اختیار کر گئے، انہوں نے ان پر تاریخی تنقید کے اصول استعمال کیے لیکن جو معاملات ان کے زمانے میں زیادہ اہم نہیں سمجھے گئے، وہاں انہوں نے تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی۔^(۱)

فصل کا تجزیہ

اس فصل میں سابقہ فصول کا ایک عمومی مطالعہ پیش کیا گیا ہے وہ یہ کہ سابقہ تین فصول کے اٹھارہ (۱۸) واقعات سیرت کے راویوں میں سے سات مجہول اور ضعیف رواۃ ہیں اور ان کے نام محمد بن سائب کلبی، محمد بن عمرو اقدی، سلمۃ الابرش، کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف، محمد بن حمید، عبد اللہ بن عمرو مزنی اور جہم بن ابی جہم ہیں۔ ساتھ رواۃ کے متعلق معلومات کا ماخذ بیان کرتے ہوئے بتا دیا ہے کہ زمانہ قدیم سے عرب کس طرح انساب محفوظ رکھتے تھے۔

مزید برآں اس فصل میں تاریخ کے راویوں پر جرح و تعدیل کا حکم شرعی و عقلی دلائل سے مزین کیا گیا ہے۔ تاریخی روایات کی قبولیت و عدم و قبولیت کے بارے میں چونکہ علماء امت دو گروہوں میں تقسیم ہیں تو دونوں گروہوں کی آراء مع دلائل پیش کیے ہیں کہ آیا جرح و تعدیل کرنی چاہیے یا نہیں۔ اب ان ناقابل اعتماد راویوں کی روایات کا کیا کریں؟ کیا ان کی سب روایات چھوڑ دیں یا سب من و عن قبول کر لیں اگر چھوڑتے ہیں تو دین کا نوے فیصد حصہ ضائع ہو جائے گا۔ لہذا اسے گنوانے کی بجائے تحقیق سے کام لیا جائے اور اصول شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے جہاں سقم نظر آئے اسے ترک کر دیں اور باقی جو اصول شریعت کے مطابق ہو لے لیا جائے۔

باب سوم: کتب سیرت میں واقعات سیرت

فصل اول: بعثت نبوی ﷺ سے ما قبل دور کے واقعات

فصل دوم: مکی دور کے اہم واقعات

فصل سوم: مدنی دور کے اہم واقعات

فصل چہارم: کتب سیرت میں واقعات سیرت کا

ایک مطالعاتی جائزہ

فصل اول: بعثت نبوی ﷺ سے ماقبل دور کے واقعات

واقعہ نمبر ۱۹

عدل و انصاف اور نفاست مصطفیٰ ﷺ سے منسوب واقعہ

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ گہوارہ میں بھی عدل و انصاف پر اس درجہ عمل پیرا تھے کہ میں آپ ﷺ کو کبھی دوسری سمت سے دودھ پلانا چاہتی تو آپ ﷺ نہ پیتے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہی ہو سکتی تھی کہ آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائی عبد اللہ کے حق کا لحاظ رکھتے تھے۔ اسی طرح مزاج میں شروع سے ہی اس قدر نفاست اور شرم تھی کہ آپ ﷺ نے کبھی کپڑوں میں پیشاب و پاخانہ نہیں فرمایا۔ اگر حاجت ہوتی تو روتے تھے۔ جب میں کپڑا اوڑھا دیا کرتی تو خاموش ہو جاتے۔ اور جب میں کسی کام میں مصروف ہوتی، تو ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی آپ ﷺ کو بہلا رہا ہے اور آپ ﷺ اطمینان سے لیٹے ہوئے ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ قدرت نے آپ ﷺ کی فطرت میں شرم و حیاء اور عدل و انصاف کو ودیعت فرمایا تھا۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ دلائل النبوة ابی نعیم، الخصائص الکبریٰ سیوطی، سیرت پاک قاری طیب اور سیرۃ النبی وغیرہ کتب سیرت میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی عدل و انصاف کے قیام سے عبارت ہے، لیکن آپ ﷺ کے بچپن کا یہ واقعہ حضرت حلیمہ سے دو طریقوں سے مروی ہے۔ ایک طریقہ کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مہول شخص ہے۔^(۲) اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی ہے جو محدثین کے ہاں قابل اعتبار نہیں۔^(۳)

پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابویعلیٰ، طبرانی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ اس کا سلسلہ سند یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولیٰ حارث بن حاطب نے بیان کیا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبد اللہ

۱- سیرت پاک، قاری محمد طیب، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۴۰۲ھ، ۲۵-۲۶

۲- میزان الاعتدال، ذہبی، ۱/۲۶۱

۳- ایضا: ۳/۲۶۲-۲۶۱

بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا۔ جس نے عبد اللہ بن جعفر سے سنا اور عبد اللہ بن جعفر نے حضرت حلیمہ سے سنا۔^(۱)

اس روایت میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہم کا اس روایت کو خود عبد اللہ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں بتاتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر سے سنایا کسی نے ان سے سن کر کہا۔ معلوم نہیں وہ کون تھا اور کیسا شخص تھا؟^(۲)

واقعہ کی درایتی حیثیت

ابو نعیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے۔ (یا عدا اگر ادا کیا گیا ہے) اگر بالفرض جہم نے عبد اللہ بن جعفر سے سنا تو عبد اللہ بن جعفر جو آپ ﷺ کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے، اور سن سات ہجری میں حبشہ سے مدینہ آئے تھے۔ ان کا حلیمہ سے ملنا، اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس موقع پر حضرت عبد اللہ بن جعفر کا جو کمسن بچہ تھا، موجود ہونا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے۔ (بلکہ فتح مکہ اور اس کے بعد کے غزوات میں کوئی بچہ آپ کے ہمراہ نہ تھا)^(۳)۔

واقعہ نمبر ۲۰

آپ ﷺ کا بچپن میں بولنے اور چلنے سے منسوب واقعہ

دو مہینے کی عمر میں آپ بیٹھنے لگے تھے اور پانچ مہینے کی عمر میں پیروں پر چلنے لگے تھے، جبکہ سات ماہ کی عمر میں تیز چلتے تھے۔ آٹھ مہینے کی عمر ہوئی تو آپ ﷺ اچھی طرح بولنے لگے تھے۔ آپ کا پہلا کلام لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تھا۔ آپ ﷺ کبھی بچوں کے ساتھ نہیں کھیلے، بلکہ رضاعی بھائی کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تو ان کو منع فرماتے تھے۔ بعض کتب تاریخ میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر بھی پایا جاتا ہے، مگر شاہ عبد الحق دہلوی نے اسے غلط قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات فیض و برکات کا ایسا منبع تھی کہ جو بیمار بچہ پاس آکر بیٹھ جاتا، تندرست ہو جاتا۔ بیمار بکریوں پر اگر ہاتھ پھیرتے، تو شفا مل جاتی۔ حضرت حلیمہ کہتی ہیں آپ ﷺ دیکھتے تھے تو میرے اوپر ایک قسم کی ہیبت طاری ہو جاتی اور یہ کیفیت مجھ پر اس درجہ غالب تھی کہ میں آپ ﷺ کی موجودگی میں کبھی اپنے شوہر سے بھی ملاقات نہ کر سکتی۔ سرکارِ دو عالم جب پورے دو سال کے ہوئے تو حضرت حلیمہ نے آپ ﷺ کا دودھ چھڑا دیا۔ آپ ﷺ نے

۱- مسند، احمد بن علی، ابویعلیٰ الموصلی، تحقیق: حسین سلیم آسہ، دار المأمون للتراث، جدہ، ۱۹۸۹ء، ۱۳/۹۳

۲- مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندہلوی، ۱/۹۰

۳- ایضاً: ۱/۹۰

اس وقت زبان مبارک سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے: ”اللہ اکبر کبیر اور الحمد للہ کثیر اور سبحان اللہ بکرۃ و آصفیلا“ (۱) امام بیہقی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہی روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا کلام یہ تھا۔

ناقلین واقعہ

یہ تمام واقعات سیرت ابن اسحاق، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند ابویعلیٰ، معجم طبرانی اور دلائل النبوة ابی نعیم میں
کئی و بیش کے ساتھ موجود ہیں۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

حضرت حلیمہ کا یہ واقعہ دو طریقوں سے مروی ہے۔ ایک طریقے کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مجہول شخص ہے اور دوسرے طریقے کا مشترک راوی واقدی ہیں، جن کے بارے میں ہم نے محدثین کی آراء کو سابقہ پیرایے میں بیان کیا ہے کہ وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔^(۲)

پہلے طریقے سے اس کو سیرت ابن اسحاق، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند ابویعلیٰ، معجم طبرانی اور دلائل النبوة ابی نعیم میں نقل کیا گیا ہے اور اس کا سلسلہ سند یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولیٰ حارث بن حاطب جمحی نے کہا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا، جس نے عبد اللہ بن جعفر سے اور عبد اللہ بن جعفر نے حضرت حلیمہ سعدیہ سے سنا۔^(۳)

اس روایت میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہم کا اس روایت کو خود عبد اللہ بن جعفرؓ سے سننا یقینی نہیں ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفرؓ کسی نے ان سے سن کر کہا۔ معلوم نہیں وہ کون تھا، اور کیسا شخص تھا؟ ابو نعیم وغیرہ مؤرخین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے۔ (یاعمد اکرا دیا گیا ہے) اگر بالفرض جہم نے عبد اللہ بن جعفرؓ سے سنا تو عبد اللہ بن جعفرؓ جو آپ ﷺ کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے اور سات ہجری کے بعد ملک حبش سے مدینہ آئے تھے۔ ان کا حضرت حلیمہ سے ملنا، اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے، بلکہ علمائے سیر و رجال میں خود حضرت حلیمہ کے اسلام یا نبوت کے بعد آپ ﷺ سے ملاقات میں اختلاف ہے۔ صرف ایک دفعہ غزوہ ہوازن کے موقع پر ان کا آنا کسی نے بیان کیا ہے۔

۱- سیرت خاتم الانبیاء، (اوجز السیر)، مفتی محمد، شفیع عثمانی، دیوبند، دارالکتاب، (س ن)، ۱۵

٢- ايضا: ص ١٥

٣- السيرة، ابن هشام، تحقيق: طه عبد الرؤوف، بيروت، دار الجيل، ١٤١١هـ، ١/١٥٣.

علامہ البانی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔^(۱) (حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت حلیمہ کی بیٹی شیماء اور ان کا خاندان حالت کفر میں گرفتار ہو کر آیا تھا۔ کیونکہ غزوہ ہوا زن حضرت حلیمہ کے خاندان ہی سے ہوئی تھی) مگر اس موقع پر عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا (جو کمسن تھے) موجود ہونا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے۔ (بلکہ فتح مکہ اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی کوئی بچہ آپ ﷺ کے ہمراہ نہ تھا)۔

جہم بن ابی جہم جو اس روایت کی بنیاد ہے، امام ذہبی نے ”میزان الاعتدال“ میں اس کے حوالے سے اس کا نام لکھ کر لکھا ہے: ”لایعرف“^(۲) (یعنی معلوم نہیں یہ کون شخص تھا)۔

دوسرا طریقہ وہ ہے جس کا مرکزی راوی واقدی ہے، اس سلسلہ سے ابن سعد، ابو نعیم اور ابن عساکر نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔ یہ سلسلہ موقوف ہے۔ یعنی یہ سلسلہ کسی صحابی تک نہیں پہنچتا۔ اس کو واقدی زکریا بن یحییٰ بن یزید سعدی سے اور وہ اپنے باپ یحییٰ بن یزید سعدی سے نقل کرتے ہیں۔ ابن سعد نے دوسری جگہ پر ایک اور سلسلہ سے اس کو واقدی سے روایت کیا ہے۔ اور واقدی عبد اللہ بن زید بن اسلم سے، اور عبد اللہ اپنے باپ زید بن اسلم تابعی سے نقل کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ بھی علاوہ ازیں کہ اس کا پہلا راوی واقدی ہیں اور روایت بھی موقوف ہے۔ زید مذکور کی نسبت اہل مدینہ کلام کرتے تھے۔ اور ان کے بیٹے عبد اللہ کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ اس لیے یہ سلسلہ بھی استناد کے قابل نہیں۔ ابو نعیم نے تیسری روایت میں واقدی کے سلسلہ سے ان واقعات کو بے سند لکھا ہے۔^(۳)

ہمارے نزدیک پہلے سلسلہ کی بنیاد دو ہیں۔ ایک جہم بن ابی جہم اور دوسرا محمد بن اسحاق۔ حافظ ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں: ”جہم بن ابی جہم (جنہیں کوئی نہیں جانتا) عبد اللہ بن جعفر سے روایت کرتے ہیں اور ان سے محمد بن اسحاق، انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ والا قصہ بیان کیا ہے۔“^(۴)

۱- قال الألبانی: ضعیف الإسناد، سنن أبی داود، تحقیق: محمد محی الدین، الریاض، المكتبة المعارف، الریاض، (سنن)، کتاب الادب، باب فی بر الوالدین، حدیث: ۵۱۴۴، ص ۹۳۰، حسین سلیم مسند ابی یعلیٰ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: إسناده ضعیف، ۹۳/۱۳

۲- میزان الاعتدال، محمد بن احمد الذہبی، ۴۲۶/۱

۳- قال شعيب الأرئوط: فی سندہ انقطاع، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان، بیروت، مؤسسة الرسالة، ۱۹۹۳ء، ۲۴۷/۱۲

۴- قال الألبانی: ضعیف۔ انظر التعليق: أحمد بن علي بن المثنى؛ قال الشيخ: هو الحافظ أبو يعلى الموصلي، وقد أخرجه في ”مسنده“ (۱۳: ۹۳) بإسناده ومتنه هنا، وصرح ابن إسحاق بالتحديث في سيرة ابن هشام (۱/ ۱۷۲)، لكنّه شكّ فقال: عن عبد الله بن جعفر بن أبي طالب، أو عمّن حدّثه عنه، قال. فذكره. فلم تطمئن النفس لاتصاله، ولا سيما وجههم هذا مجهول الحال؛ لم يؤثقه غير ابن حبان (۴/ ۱۱۳)، وقال الذهبي في ”الميزان“ وغيره: ”لایعرف“ المسند الموضوعی الجامع للكتب العشرة، صهيب عبد الجبار، (http://ar.lib.efatwa.ir)، ۲۰۱۳ء، ۲۱۷/۹

تقریباً یہی الفاظ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بھی ذکر کیے ہیں۔ گویا یہ روایت دراصل جہم پر موقوف ہے، جس سے محمد بن اسحاق کے علاوہ کوئی روایت بھی نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں اس طرح اس روایت میں چار عیوب پیدا ہو گئے:

- ۱- عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے حضرت حلیمہ سے کوئی روایت نہیں سنی
- ۲- خود جہم نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت نہیں سنی
- ۳- جہم سے کوئی شخص واقف نہیں
- ۴- حضرت حلیمہ کا اسلام لانا خود مشکوک ہے۔ کجا کہ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا ان سے واقعہ کا سننا
- ۵- اس کے علاوہ اس روایت میں پانچواں عیب محمد بن اسحاق کی ذات ہے۔ لہذا اس پر کلام کرنا اور اس کی شخصیت کو ظاہر کرنا بھی ضروری ہے۔

اسحاق بن طبع کہتے ہیں۔ کہ میں نے مکہ کے راستہ میں واقدی کو دیکھا ہے۔ یہ تو نماز بھی بری طرح ادا کیا کرتا تھا۔ اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ احادیث وضع کرتا ہے۔ امام ذہبی کہتے ہیں۔ اس کے ضعف پر اجماع ہے۔^(۱)

مختصر یہ کہ محدثین کے ہاں واقدی متروک اور ضعیف شمار ہوتے ہیں^(۲) اور اسانید میں گر بڑھتے ہیں۔^(۳)

واقعہ کی درایتی حیثیت

حیرت ہے کہ حضرت عباسؓ اپنی شیر خوارگی کی دو سالہ عمر میں یہ دیکھنے قبیلہ بنی سعد کیسے پہنچ گئے یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے سلسلہ میں یہ پہلا کلام تھا، ورنہ بولنے کی ابتدا تو لا الہ الا اللہ سے ہوئی تھی۔

حضرت حلیمہ کہتی ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو سال کے تھے تو اچھے خاصے بڑے معلوم ہوتے تھے۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو اپنے گھر سے جدا کیا جائے۔ اور ماں کو واپس کیا جائے۔ مگر دستور کے موافق مجھے دودھ چھڑانے کے بعد آپ کو مکہ لے جانا پڑا۔ تاکہ میں آپ کو آپ کی والدہ کی سپرد کر دوں۔ مگر اتفاق سے جب مکہ پہنچی تو وہاں طاعون کی وبا

۱- میزان الاعتدال، الذہبی، ۳/۶۶۲-۶۶۶؛ مسند بزار میں ہے: وَفِي حَدِيثِهِ نُكْرَةُ (ابو بکر احمد بن عمرو، مسند البزار المنشور باسم

البحر الزخار، تحقيق: محفوظ الرحمن، زين الله وغيره، مكتبة العلوم والحكم، ۱۹۸۸ء-۲۰۰۹ء، ۶/۲۶۵

۲- محمد بن عمر الواقدي قاضي بغداد عن مالك ومغمّر مذكور الحديث قاله البخاري، المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم، احمد بن عبد الله الاصبهاني، تحقيق: محمد حسن اسماعيل الشافعي، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۹۹۶ء، ۸۲/۱

۳- امام احمد ابن حنبل، يقول: الواقدي يرغب الأسانيد، الطوريات، احمد بن محمد الاصبهاني، أبو طاهر السلفي، تحقيق: د. سامح يحيى معالي وغيره، مكتبة أضواء السلف، الرياض ۲۰۰۴ء، ۳۳۶/۲

پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ پریشان تھے۔ مجھے آپ کو واپس لانے کے لیے اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے دادا اور والدہ سے کہا کہ مکہ میں طاعون کی وبا کے زمانہ میں آپ ﷺ کا رہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اگر آپ کہیں تو میں اپنے ہمراہ واپس لے جاؤں۔ اللہ کی عنایت تھی کہ میرا مشورہ قبول ہوا اور سب راضی ہو گئے۔ اس لیے میں آپ کو اپنے ساتھ واپس لے آئی^(۱)۔ ماں کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اب بچے کو علیحدہ رکھا جائے۔ مگر حلیمہ کے اصرار اور وبا کے زور نے واپس کرنا ہی مناسب سمجھا۔ آپ جانے لگے تو ماں نے پیار کیا۔ اور فرمایا بیٹا تھوڑے دن کے لیے ابھی اپنی مشفقہ دائی حلیمہ کے پاس اور رہو، پھر ہم بلا لیں گے۔ آپ ﷺ نے محبت سے ماں کو دیکھا اور دوبارہ قبیلہ بنی سعد واپس آ گئے^(۲)۔

یہ وہ واقعہ ہے جو تاریخ و سیر کی عام کتابوں میں کہیں تفصیلاً اور کہیں اجمالاً مذکور ہے۔ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی مدارج النبوت میں معارج النبوت کے حوالہ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ علامہ شبلی نے اپنی سیرت النبی میں اس قسم کے واقعات نقل نہیں کیے ہیں۔

علامہ شبلی کے شاگرد رشید سید سلیمان ندوی جو محدث و محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر رجال بھی تھے، انہوں نے ”سیرت النبی ﷺ“ کی جلد سوئم میں ان تمام روایات پر محققانہ بحث فرمائی۔ سید سلیمان ندوی تحریر کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے بارے میں سید صاحب لکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کی رضاعت اور شیر خوارگی کے زمانہ کے فضائل اور معجزات جب آپ ﷺ کو حضرت حلیمہ سعدیہ اپنے ساتھ گھر لے جاتی ہیں۔

حلیمہ سعدیہ کا آنا، آپ ﷺ کا ان کو دیکھ کر مسکرانا، حلیمہ کے خشک سینے میں دودھ بھر آنا، آپ کا ایک طرف کے سینے سے سیر ہو جانا، اور دوسری طرف کا اپنے رضائی بھائی کے لیے بنظر انصاف چھوڑ دینا، آپ کے سوار ہوتے ہی حلیمہ کی کمزور اور دہلی پتلی گدھی کا تیز رو، طاقت ور اور فربہ ہو جانا، اور حلیمہ کے قبیلہ کی قحط زدہ زمین کا سرسبز و شاداب اور ہر ابھرا ہو جانا۔ حلیمہ کی بکریوں کا موٹا ہونا اور سب سے زیادہ دودھ دینا۔ آپ کا غیر معمولی نشوونما پانا۔ دو برس کی عمر میں آپ کا سینہ چاک ہونا، حضرت حلیمہ کا اس واقعہ سے ڈر کر آپ کو آمنہ کے پاس واپس لانا۔ اور آمنہ کا حضرت حلیمہ کو تسلی دینا^(۳)۔

۱ - معارج النبوة، عبدالحق دہلوی، ترجمہ: مفتی غلام معین الدین، شبیر برادرزادہ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ۳۷-۳۹

۲ - سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر)، مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۱۵-۱۶

۳ - سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، ۳/۴۰۸-۴۱۱؛ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندھلوی، ۱/۸۹-۹۰؛ عیون الاثر، محمد ابن سید

الناس، تحقیق: محمد عید الخطر اور دیگر، دار ابن کثیر، بیروت، (سن)، ۲/۹۱-۹۳

اس بحث سے با آسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخ میں فرقہ معزلہ، فرقہ جہمیہ، فرقہ قدریہ اور دیگر جو جو فرقے عالم وجود میں آئے۔ ان کے درپردہ سازشی ذہن کار فرما تھا۔ ان کا اصل مقصود اسلام کو باطل قرار دینا اور اس کی اصل صورت کو مسخ اور مٹانا تھا۔ تاکہ مسلمان انہی مسائل میں الجھ کر ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو جائیں۔ اور اسلام کی شان و شوکت ختم ہو کر رہ جائے۔

واقعہ نمبر ۲۱

بادلوں کا آپ ﷺ کے ساتھ چلنے سے منسوب واقعہ

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت حلیمہ پیار و محبت کی وجہ سے آپ کو دھوپ میں نکلنے نہیں دیتی تھیں۔ ایک دن آپ ﷺ اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ میں نکل پڑے۔ حضرت حلیمہ نے دیکھا تو اپنی بیٹی سے ناراض ہو گئی۔ کہ تم دھوپ میں کیوں لے گئیں۔ بیٹی نے کہا اماں جان میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگتی۔ میں نے دیکھا کہ ان پر بادل سایہ کیے ہوئے تھے۔ جدھر یہ جاتے تھے ادھر وہ بھی چلتے تھے۔ اور جہاں یہ رک جاتے تھے وہ بھی رک جاتے تھے۔ اس کیفیت سے وہ یہاں تک پہنچے ہیں۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ طبقات ابن سعد، دلائل النبوة ابی نعیم اصفہانی، تاریخ مدینہ دمشق ابن عساکر، مواہب لدنیہ (سیرت پاک)، مذہبی داستانیں اور سیرۃ النبی وغیرہ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

ابن سعد نے اس واقعہ کو دو طریقوں سے نقل کیا ہے۔ ایک میں صرف واقدی کا حوالہ دیا ہے۔ اور اس کے آگے کوئی نام نہیں دیا اور دوسرے میں ہے کہ واقدی نے معاذ بن محمد سے اور اس نے عطا سے اور عطا نے ابن عباسؓ سے سنا۔^(۲) ابن سعد کے علاوہ ابو نعیم، ابن عساکر اور ابن طرماح نے بھی اسی سلسلہ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ مگر اس سلسلہ میں واقدی کے علاوہ معاذ بن محمد مجہول اور غیر معتبر ہے (اور ابن عباسؓ ہجرت مدینہ سے دو سال قبل پیدا ہوئے تھے)۔

۱- سیرت محمدیہ (مواہب لدنیہ)، ۱/۹۸

۲- الطبقات الکبیر، محمد بن سعد، احسان عباس، دار صادر، بیروت، ۱۹۶۸م، الطبعة الأولى، ۱/۱۲۹

واقعہ کی درایتی حیثیت

اگر آپ ﷺ پر واقعی بادل سایہ کرتے تو یہ کرامت صرف حضرت حلیمہ کی بیٹی نہ دیکھتی بلکہ حضرت حلیمہ بھی اس کو پہلے ہی سے گھر ہی میں ضرور دیکھتی اور آپ کی بیٹی کو یہ بتانا نہ پڑتا کہ میرے اس بھائی پر دھوپ نہیں پڑتی بلکہ بادل سایہ کرتے ہیں۔

واقعہ نمبر ۲۲

آپ ﷺ اور بحیراراہب کے ملاقات سے منسوب واقعہ

حضور ﷺ کی عمر جب بارہ سال دو ماہ ہوئی۔ اس وقت حضرت ابوطالب نے تجارت کی غرض سے شام کا سفر کیا اور حضور ﷺ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ جب مقام یمامہ میں پہنچے تو وہاں ان کو بحیراراہب ملا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ ایک یہودی عالم تھا۔ اور بعض میں ہے کہ وہ ایک نصرانی عالم تھا۔ لیکن صحیح یہ دوسری روایت ہے کہ وہ ایک نصرانی عالم تھے۔ اس نے کتب قدیمہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق آپ ﷺ میں نبوت کی کچھ علامات دیکھیں اور حضرت ابوطالب سے پوچھا یہ لڑکا جو تمہارے ساتھ ہے کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرا بھتیجا ہے۔

بحیرانے کہا کہ کیا آپ کو اس کے ساتھ محبت ہے؟ انہوں نے کہا بے شک۔ بحیرانے کہا کہ میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں۔ لہذا اگر آپ انہیں شام لے گئے تو یہود ان کے دشمن بن جائیں گے اور قتل کرنا چاہیں گے۔ آپ ان کو واپس لے جائیں۔ چنانچہ حضرت ابوطالب حضور ﷺ کو واپس لے آئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو کسی غلام کے ساتھ واپس کیا۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ تاریخ طبری، تاریخ ملت، تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی، سیرۃ المصطفیٰ، مواہب لدنیہ، سیرت نبوی اکرم ضیاء العمری وغیرہ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت کے بارے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں:

۱- مواہب لدنیہ، قسطلانی، ۱/ ۱۸۷-۱۸۸؛ سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۳/ ۴۱۱-۴۱۲؛ تاریخ ملت، مفتی زین العابدین

سجاد میرٹھی و مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۱ء، ۱/ ۳۷؛ تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب

آبادی، دارالاندلس مرکز القادسیہ چوہدری، لاہور، (سن)، ۱/ ۹۶-۹۷

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں؛ وہ سب مرسل ہیں۔ یعنی روایت کاراوی اول تو واقعہ کے وقت خود موجود نہیں تھا۔ اور اس راوی کا بھی نام بیان نہیں کرتا جو شریک واقعہ تھا۔ یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتب میں اور بعض کتب حدیث میں مذکور ہے۔ مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتب سیرت میں اس کے متعلق جس قدر روایتیں پائی جاتی ہیں ان سب کے سلسلے کمزور اور ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اس قصہ کی سب سے محفوظ سند وہ ہے جس میں عبدالرحمان بن غزوٰ بن ابونوح قراد کے نام سے مشہور ہے یونس بن ابی اسحاق سے اور وہ ابو بکر بن ابوموسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابوموسیٰ اشعریؓ سے نقل کرتے ہیں۔ یہ قصہ اس سلسلہ سند کے ساتھ جامع ترمذی، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ، دلائل النبوة بیہقی اور دلائل النبوة ابی نعیم میں مذکور ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن غریب اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ اور علامہ شبلی نے اس روایت پر تنقید کی ہے۔ اور عبدالرحمان بن غزوٰ بن ابونوح کو اس سلسلہ میں مجروح قرار دیا ہے۔ اور حافظ ذہبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو موضوع سمجھتے ہیں۔ روایت کی حیثیت درجہ ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے:

- ۱۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مسلمان ہو کر ۷ ہجری میں مدینہ آئے تھے اور یہ واقعہ ان کے اسلام لانے سے پچاس برس پہلے کا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نہ تو خود آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اور نہ کسی اور شریک واقعہ کی زبان سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں۔ اس لیے یہ روایت مرسل ہے۔
- ۲۔ اس واقعہ کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ان کے صاحبزادے ابو بکر روایت کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کی نسبت کلام ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ ناقدین فن کو اس باب میں شک ہے۔ امام احمد بن حنبل نے تو اس سے قطعی انکار کیا ہے۔ بنا بریں یہ روایت منقطع ہے۔ اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔

- ۳۔ ابو بکر سے یونس بن ابی اسحاق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔ گو متعدد محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ ان میں سخت بے پروائی تھی۔ شعبہ نے ان پر تدلیس کا الزام قائم کیا ہے۔ امام احمد ان کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور عام روایتوں کو مضطرب اور کمزور کہتے ہیں۔ ابو حاتم کی رائے ہے کہ گو وہ راست گو ہیں۔ لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں۔ ساجی کا قول ہے کہ وہ سچے ہیں۔ اور بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ ابو حاکم کا بیان ہے کہ ان کو اکثر اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا تھا۔

- ۴۔ چوتھا راوی عبدالرحمان بن غزوٰ بن ابونوح قراد ہے، جن کا نام امام حاکم نے اپنی کتاب ”مستدرک“ میں اور ابو نعیم نے اپنی کتاب ”دلائل النبوة“ میں ابونوح قراد ذکر کیا ہے، ان کو اگرچہ بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔ تاہم وہ متعدد منکر

روایتوں کے راوی ہیں۔^(۱) ممالیک والی جھوٹی حدیث ان ہی سے روایت ہے ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ انہوں نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ غلطیاں کرتے تھے اور امام مالک اور لیث کی طرف سے ممالیک والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے ان کی طرف سے دل میں خلجان ہے۔

۵۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمان بن غزوان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر بحیرا راہب کا قصہ ہے۔ اس قصہ کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی روایت میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا بھی نہیں تھا۔^(۲)

۶۔ حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے۔ کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ حافظ ذہبی ”تلخیص مستدرک“ میں لکھتے ہیں کہ میں اس روایت کو بنایا ہوا خیال کرتا ہوں کیونکہ اس میں بعض واقعات غلط ہیں۔^(۳)

۷۔ امام بیہقی اس کی صحت کو صرف اس قدر تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ قصہ اہل سیر میں مشہور ہے۔ حافظ سیوطی نے ”الخصائص الکبریٰ“ میں امام بیہقی کے اس کلام سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں۔ اس لیے اصل روایت میں ابن سعد وغیرہ سے چند اور سلسلے بھی نقل کیے ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں۔^(۴)

لیکن علامہ البانی نے اس واقعہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے علامہ البانی کی کتاب ”دفاع عن الحديث النبوي والسيرة“ دیکھا جاسکتا ہے۔^(۵)

۱۔ ومن الرواة عبد الرحمن بن غزوان، وقد تكلم فيه أكثر أهل العلم وقال الذهبي: كان يروى الأحاديث المنكرة، وأشدها نكارة الرواية التي جاءت فيها قصة بحيرا- وأخرج الحاكم هذا الحديث، وقال: ”صحيح على شرط الشيخين“، وعلق عليه الذهبي في ”تلخيص المستدرک“ وقال: ”موضوع، وعبد الرحمن وإي“ (كتاب سيرة النبي صلی اللہ علیہ وسلم، تقی الدین بن بدر الدین، الندوی، مجمع الملک فہد لطباعة المصحف الشریف، المدينة المنورة، سن ۱۴۰۱/۲۲)

۲۔ هذا الحديث ضعفه الذهبي لقوله في آخره " وبعث معه أبو بكر بلالا فإن أبا بكر لم يكن إذ ذاك اشترى بلالا (كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، إسماعيل بن محمد العجلوني، القاهرة، مكتبة القدسي، ۱۳۵۱ھ، ۱/۱۴۱؛ عيون الاثر في فنون المغازی، محمد بن سيد الناس، ۱۰۵-۱۰۸)

۳۔ جیسا کہ گزشتہ حواشی نمبر ۱ میں گزرا ہے۔

۴۔ سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۳/۴۱۲-۴۱۳

۵۔ دفاع عن الحديث النبوي والسيرة، علامہ البانی، ص ۷۰

واقعہ کی درایتی حیثیت

۱۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلالؓ اور حضرت ابو بکرؓ بھی اس سفر میں شریک تھے۔ حالانکہ اس وقت بلالؓ کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابو بکرؓ ابھی بچے تھے۔

۲۔ اس روایت کے آخری راوی حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ ہیں۔ وہ شریک واقعہ نہ تھے۔ اور اوپر کے راوی کا نام تک نہیں بتاتے۔

۳۔ ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد میں جو سلسلہ سند مذکور ہے وہ مرسل^(۱) یا معضل^(۲) ہے۔ یعنی جو روایت مرسل ہے اس میں تابعی خود شریک واقعہ نہیں ہے اور وہ کسی صحابی کا نام بھی نہیں لیتا۔ اور جو روایت معضل ہے۔ اس میں راوی اپنے اوپر کے دور راوی جن میں سے ایک تابعی اور دوسرا صحابی ہے ان کا نام نہیں لیتا۔

۴۔ حافظ ابن حجر کا اس روایت کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہیں کہ اس روایت میں صرف حضرت ابو بکرؓ اور بلالؓ کی شرکت کے حوالے سے جو بات مذکور ہے وہ بالکل غلط ہے جو غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے جبکہ باقی روایت قابل سند ہے۔

اس کی نسبت اس وجہ سے بھی شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے اور ممالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں^(۳)۔

۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشکوٰۃ کی شرح ”اللمعات“ میں لکھتے ہیں یہ واقعہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اس لیے کہ بلالؓ تو اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور ابو بکرؓ آپ سے دو سال چھوٹے تھے۔ لہذا یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور بعض محدثین کہتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے۔

ان ہر دو مصنفین نے اس واقعہ کے آخری جزئیہ کو قطعاً تبدیل کر دیا ہے۔ ورنہ متقدمین مؤرخین کا بیان تو یہ ہے کہ حضرت ابو طالب نے آپ کو حضرت بلالؓ اور ابو بکرؓ کے ساتھ واپس کر دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ابو بکر نے بلال کے ساتھ واپس کر دیا۔

۱۔ مرسل: وہ حدیث جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو۔ (خیر الاصول فی حدیث الرسول، خیر محمد جالندھری، اصح

المطالع، کراچی، (سن)، ص ۶)

۲۔ معضل: دیکھئے مقالہ ہذا صفحہ ۱۵۳

۳۔ میزان الاعتدال، ذہبی، ۴/۳۰۶

اس روایت کی حقیقت درجہ ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے:

۱۔ شام میں حضور کی زندگی کو یہودیوں سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا جبکہ شام میں اس وقت عیسائیوں کی حکومت تھی۔ اور وہاں کے یہودی خود غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اگر کوئی خطرہ پیدا ہونا بھی تھا تو وہ عیسائیوں سے ہو سکتا تھا۔ اور بعض نے بحیرا کے ذریعہ خطرہ یہودیوں کا بیان کیا۔ اور تلاش کے لیے عیسائیوں کو کھینچ لائے۔ یہ عجیب تضاد ہے۔ پھر یہ دونوں مصنفین غزوہ موتہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دعوت اسلام کے لیے خط دے کر حارث بن عمیر ازدی کو حاکم بصری کی جانب روانہ کیا۔ لیکن اس عیسائی حاکم نے انہیں شہید کر دیا۔ جس کی وجہ سے غزوہ موتہ واقع ہوا۔ اور صحیح بخاری کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ تو اس حال میں خطرہ یہودیوں کی جانب سے ہوا یا عیسائیوں کی طرف سے گویا یہ بات بے حقیقت ہوئی۔

۲۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ عیسائیوں سے خطرہ تھا۔ تو آپ ﷺ نے تجارت کے سلسلہ میں حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر شام کے متعدد سفر کیے جن میں سے ایک سفر کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ آخر عالم شباب میں یہ خطرات یکایک کیسے دفع ہو گئے؟ اور وہ تمام علامات نبوت کہاں چلی گئیں جو عیسائی دنیا کا ایک ایک بچہ جانتا تھا؟

۳۔ تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ عبد مناف کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ اور پاؤں سے لنگڑے ہونے کے باعث سفر سے بھی معذور تھا۔ گھر پر ہی عطر بیچا کرتا تھا۔ اس کی تمام زندگی فقر و فاقہ میں گزری۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد کو بھی پیٹ بھر کر نہ کھلا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں شام کا یہ تجارتی سفر کیا معنی رکھتا ہے؟

۴۔ اگر حضرت ابوطالب تاجر تھا۔ اور تجارت کی غرض سے اتنے طویل سفر کیا کرتا تھا۔ تو پھر اپنی اولاد کو اتنی تنگی کی حالت میں نہ رکھتا؟

۵۔ جب بحیرا اہب نے آپ ﷺ کی نبوت کو قبول کیا۔ اور قبل از نبوت ہی آپ ﷺ پر ایمان لے آیا تو گویا سب سے پہلا صاحب ایمان وہی ہوا۔ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت خدیجہؓ اور حضرت زید بن حارثہ اور دیگر سابقین اولین کس درجہ میں شامل ہوتے ہیں۔ کاش ایک محقق مؤرخ اس بات کو سوچ لیتے کہ کس عمدہ طریقے سے سابقین اولین کو عیسائیوں سے بھی پیچھے دھکیل دیا گیا ہے۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔

۶۔ جب راہ میں شجر و حجر آپ ﷺ کو سجدہ کر رہے تھے۔ اور درخت سایہ کرنے کے لیے جھک رہے تھے۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ تمام حالات سب اہل قافلہ نے اپنے سامنے ہوتے ہوئے دیکھے تھے۔ یا صرف اس واقعہ کے راوی کو اپنی تخلیق سے قبل نظر آئے تھے، اگر سب نے دیکھے تھے تو بعد از نبوت ان میں سے کتنے افراد ایمان لائے۔ اور کون کون اس قافلہ میں شریک تھا؟ اور تو کوئی کیا ایمان لا تا جب وہی شخص ایمان نہ لایا جس کے بھتیجے کے لیے یہ تمام کرامات ظاہر ہو رہی تھیں اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھے۔ اور اگر بحیرا اور حضرت ابوطالب کے علاوہ ان واقعات کو کسی اور نے

بھی دیکھا تھا تو حضرت ابوطالب تو غیر مسلم ہی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور بحیرا کا اس واقعہ کے بعد پوری تاریخ اسلام میں کہیں تذکرہ نظر نہیں آتا۔ تو پھر یہ واقعہ راویوں نے کس سے سنا ہے؟

یہ تو چند ملاحظات ہیں جو عقلی طور پر پیدا ہو رہے تھے جبکہ علامہ شبلی نے اس روایت کی سند پر بھی جرح کی ہے۔ رہا یہ سوال کہ شجر و حجر نبی کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ تو وہ نبی کو بھی سجدہ نہیں کرتے۔ وہ تو اللہ کو سجدہ کرتے ہیں ارشاد الہی ہے۔

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ﴾^(۱)

اے نبی کیا آپ ﷺ نہیں دیکھتے کہ آسمانوں و زمینوں میں جتنی چیزیں ہیں۔ اور سورج اور چاند اور ستارے اور درخت اور چوپائے اس ذات الہی کو سجدہ کرتے ہیں۔

ایسی صورت میں یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ شجر و حجر حضور کو سجدہ کر رہے تھے۔ اور اتفاق سے اس تمام صورت حال کو دیکھنے اور بیان کرنے والا کافر تھا۔ اور چچا کی یہ اچھی محبت تھی کہ ایسے خطرات کے باوجود آپ کو ابو بکرؓ کے ساتھ واپس کر دیا جو آپ سے سوادو سال چھوٹے تھے۔

اس روایت میں بے اصل ہونے کا ایک اشارہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ کسی کتاب میں تو یہ ہے کہ حضرت ابوطالب نے آپ کو ابو بکرؓ اور بلالؓ کے ساتھ واپس کر دیا۔ اور کسی روایت میں ہے کہ ابو بکرؓ نے آپ کو واپس کر دیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو اس سفر میں کون اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اگر کہتے ہو کہ حضرت ابوطالب لے کر گیا تو ہمارے نزدیک پھر اس سے زیادہ احمق انسان کوئی نہ تھا جس نے ایسے خطرات کے باوجود اور اتنے طویل سفر میں جو تقریباً ایک ماہ کا تھا ایک ایسے بچہ کو آپ کی حفاظت کے لیے ساتھ کیا جو خود آپ سے دو سال چھوٹا تھا۔ اور اگر یہ کہتے ہو کہ آپ ابو بکرؓ کے ساتھ گئے تھے۔ لہذا ابو بکرؓ نے آپ کو واپس کر دیا۔ تو گویا سالار قافلہ ابو بکرؓ ہوئے۔ جو خود بچہ تھے۔ پھر اس واقعہ میں حضرت ابوطالب جیسے معذور (لنگڑے) تھے کو جانے کی کیا ضرورت تھی۔ لہذا اب ہم اس قصہ کو حکیم فیض عالم شہید^(۲) کے چند الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

۱- سورۃ الحج: ۲۲/۱۸

۲- یہ ایک مشہور اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھنے والے عالم دین تھے جنہوں نے حقیقت مذہب شیعہ کے نام سے اہل تشیع کے مسلک پر ایک مفید کتاب لکھی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: حقیقت مذہب شیعہ، حکیم فیض عالم، مرکز اشاعت دین اسلام، لاہور، (سن)

”وضاعین نے ابو طالب کا قصہ اس تیزی سے تیار کیا کہ ابو طالب کی ہمراہی میں نبی کا سفر شام تک تخلیق کر لیا۔ اور پھر بحیرہ راہب کا قصہ گھڑ لیا۔ حالانکہ ابو طالب بے چارے سفر کے قابل ہی نہ تھے“^(۱)

حافظ ذہبی نے اس واقعے کا سرے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: ”یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔ ابو بکرؓ وہاں کہاں تھے؟ وہ تو بمشکل دس سال کے ہوں گے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اڑھائی سال چھوٹے تھے، پھر بلال اس وقت کہاں سے آگئے؟ ان کو تو حضرت ابو بکرؓ نے خرید ہی بعثت کے بعد ہی بلکہ وہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، پھر اگر بادل آپ کے سر پر سایہ کرتا آ رہا تھا تو درخت کے جھکنے اور سایہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ بادل کا سایہ تو درخت کے سائے میں ویسے ہی ختم ہو جاتا ہے، پھر یہ بات کسی روایت میں نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی ابو طالب کو راہب کی بات یاد دلوائی ہو، نہ کبھی قریش نے اس واقعے کا ذکر کیا اور نہ ان قریشی افراد میں سے کسی نے بیان کیا، حالانکہ وہ اس قسم کے واقعات نقل کرنے میں بڑے تیز اور پر جوش تھے۔ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو لازماً ہر طرف مشہور ہو جاتا اور اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے نبی ہونے کا یقین رہتا۔ اور جب پہلی دفعہ آپ ﷺ پر غار حرا میں وحی آئی تو آپ قطعاً پریشان نہ ہوتے اور ڈرتے ڈرتے حضرت خدیجہؓ کے پاس نہ آتے۔ اس کے علاوہ اگر ابو طالب نے راہب کی باتوں سے ڈر کر آپ کو واپس کر دیا ہوتا تو وہ دوبارہ آپ ﷺ کو خدیجہ کا مال لے کر تجارت کے لیے شام کی طرف کیوں جانے دیتے؟“ اس حدیث کی زبان بھی عجیب سی ہے۔ جو صوفیاء کی زبان اور انھی کی اصطلاحات سے ملتی جلتی ہے۔ ابن عائد نے اسی قسم کی روایت اپنے مغازی میں ابو بکر اور بلال کے ذکر کے بغیر بیان کی ہے۔

مؤرخ ابن اسحاق نے بھی یہ واقعہ ترمذی ہی کی روایت کی طرح بیان کیا ہے لیکن اس میں بھی ابو بکرؓ اور بلالؓ کا ذکر نہیں، البتہ انھوں نے سند بیان نہیں کی۔ لیکن چونکہ وہ امام مغازی ہیں، ان کی روایت کو مانا جاسکتا ہے۔ ویسے بھی ان کی غیر مسند^(۲) روایات کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہوتی ہے۔

واقعہ نمبر ۲۳

آپ ﷺ کا ایک اور سفر شام سے منسوب واقعہ

نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر متعدد بار شام اور یمن تشریف لے گئے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ آپ ﷺ ایک بار بصری بھی تشریف لے گئے تھے۔ قادری صاحب لکھتے ہیں:

۱- حقیقت مذہب شیعہ، حکیم فیض عالم، ص ۱۷۷

۲- مسند: وہ حدیث کہ جس کی سند رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو۔ (خیر الاصول فی حدیث الرسول، خیر محمد جالندھری، ص ۶)

آپ ﷺ کے ساتھ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی تھا۔ اس کی زبانی روایت ہے کہ ہر جگہ آپ ﷺ پر ابرسایہ افکن رہتا۔ کبھی فرشتے اپنے پروں کا سایہ کرتے تھے۔ ایک عیسائی خانقاہ کے قریب جہاں نسطور انامی راہب رہتا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے آرام کیا۔ راہب نے یہ دیکھا تو میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔ اس نے نام و نشان بتایا۔ راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہرا ہے۔ پھر دریافت کیا کہ کیا ان کی آنکھوں میں ہمیشہ یہ سرخی رہتی ہے۔ غلام نے اثبات میں جواب دیا۔ راہب نے کہا تو یقیناً یہ آخری زمانہ کے پیغمبر ہیں۔ تم کبھی ان کی رفاقت نہ چھوڑنا۔^(۱) اسی دوران میں ایک شخص سے خرید و فروخت میں کوئی جھگڑا پیش آیا۔ خریدار نے آپ ﷺ سے کہالات و عزی کی قسم کھاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں ان کی قسم نہیں کھاتا۔ راہب نے میسرہ سے کہا اللہ کی قسم یہ پیغمبر ہیں۔ ان کی صفیتیں ہماری کتابوں میں لکھی ہیں۔

میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کی سخت دھوپ پڑتی۔ تو دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کرتے۔ جب آپ ﷺ تجارت سے فارغ ہو کر مکہ آرہے تھے اتفاق سے حضرت خدیجہؓ اس وقت چند سہیلیوں کے ساتھ کوٹھے پر تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نظر آپ ﷺ پر پڑی کہ آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ افکن ہیں۔ انہوں نے یہ منظر اپنی سہیلیوں کو دکھایا۔ اور میسرہ سے اس کا تذکرہ کیا۔ میسرہ نے کہا پورے سفر میں یہی کچھ دیکھتا آیا ہوں۔^(۲)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرت ابن اسحاق، طبقات ابن سعد، دلائل النبوة ابو نعیم اصفہانی، تاریخ ملت، تاریخ اسلام، سیرت مصطفیٰ، مواہب لدنیہ سیرت النبی، مذہبی دستاویز اور تاریخ دمشق ابن عساکر میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

ابن اسحاق میں اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے۔ بقیہ کتابوں میں اس کی سند یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین نے واقدی سے اور واقدی نے موسیٰ بن شیبہ سے اور وہ عمیرہ بنت عبد اللہ بن کعب رضی اللہ عنہما سے اور عمیرہ رضی اللہ عنہما ان کی روایت

۱۔ تاریخ مسلمانان عالم، قاری احمد قادری، ۲/۱۲۳، بحوالہ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندھلوی، ۱/۱۳۲-۱۳۳

۲۔ أحمد بن سلیمان اور نخبة من الباحثین نے اس روایت کو معضل اور واقدی کو متروک قرار دیا ہے، (دلائل النبوة، ابو نعیم الاصبہانی، ۱/۱۰۵-۱۲۵)؛ قلت: وإسناده ضعيف، وفيه الواقدي وهو متروك، موسوعة محاسن الإسلام ورد شبهات اللئام، أحمد بن سلیمان، دار إيلاف الدولية، المدينة المنورة، ۲۰۱۵ء، پہلی اول، ۴/۴۰۵؛ سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۳/۴۱۳-۴۱۴؛ مدارج النبوة، عبد الحق محدث دہلوی، (مترجم)، مفتی غلام معین ا لدین نعیمی، لاہور: شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ۲/۴۴-۴۵؛ تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، ۱/۹۹؛ سیرۃ رسول اللہ ﷺ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ترجمہ: خلیفہ محمد عاقل، دارالاشاعت، کراچی، (سن)، ص ۱۵-۱۶

کو ام سعد بنت کعبؓ سے اور وہ یعلیٰ بن مزیہ صحابی کی بہن نفیسہ بنت مزیہؓ سے جو صحابیہ تھیں سے روایت کرتے ہیں۔ واقدی کے بے اعتباری تو محتاج بیان نہیں۔ ان کے علاوہ موسیٰ بن شبیبہ^(۱) کی نسبت امام احمد بن حنبل کہتے ہیں اس کی حدیثیں منکر ہیں۔ عمیرہ بنت کعبؓ اور ام سعدؓ کا حال معلوم نہیں۔^(۲)

واقعہ کی درایتی حیثیت

اس واقعہ سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ شام میں آپ کو کسی سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ نہ یہود کی جانب سے اور نہ عیسائیوں سے۔

پہلا: واقعہ تو سراسر جھوٹ لگتا ہے۔ کہ آپ کو شام میں کوئی خطرہ ہے۔

دوئم: نبی کریم ﷺ کے پاس جب کوئی فرشتہ آتا تو یا تو انسانی صورت میں آتا۔ یا نظر آئے بغیر پس پردہ سے اس کی آواز آتی۔ عام دستور وحی یہی تھا۔ لیکن یہ میسرہ نامی ہیر و تمام سفر میں برملا اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو دیکھتا رہا۔ حالانکہ غیر نبی کو فرشتہ نظر نہیں آتا۔ ہاں غیر نبی کو موت کا فرشتہ ضرور نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے تو اس کا مقام نبوت سے بھی بالاتر ہوا۔ اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ جو چیز سایہ کیے ہوئے ہے وہ فرشتہ ہے۔ کیا کفار عرب کو فرشتوں کی شناخت کا کوئی مخصوص علم عطا ہوا تھا؟

سوئم: اس مخصوص درخت کے نیچے انبیاء کرام علیہم السلام ہی قیام کیا کرتے تھے۔ کیا یہ نسطور انامی ولی کا مشاہدہ تھا۔ پھر تو اس کی عمر ہزاروں سال ہوگی۔ یا اس درخت کا ذکر بھی انجیل میں موجود تھا۔ یا اس درخت کی یہ کرامت تھی کہ جو بھی اس کے نیچے بیٹھ جاتا وہ نبی بن جاتا؟

چہارم: میسرہ کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہؓ سہیلیوں کے ساتھ کوٹھے پر چڑھی ہوئی تھیں۔ اور سہیلیوں کو بھی انہوں نے یہ منظر دکھایا تھا۔ کیا کوئی مؤرخ یہ ثابت کر سکتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی فلاں سہیلی آپ ﷺ کی نبوت کے بعد آپ ﷺ پر اس لیے ایمان لائی ہو کہ اس نے یہ منظر دیکھا تھا۔ اور پھر اس نے یہ واقعہ دوسروں سے بھی بیان کیا ہو۔

۱۔ محمد عبد الحمید النعمسی امتاع الاسماع کے حاشیہ پر اس روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں: هو من طریق الواقدي وهو متروك

، وفيه أيضا موسى بن شبیبہ لين الحديث (امتناع الاسماع بالنسبة من الاحوال والاموال والخفة والمتاع، احمد بن علي المقریزی، دار الكتب العلمية، بیروت، ۱۹۹۹ء، پہلی اشاعت، ۴/۹۸)

۲۔ سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۳/۴۱۴؛ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندھلوی، ۱/۱۳۴؛ سیرۃ رسول اکرمؐ، مفتی محمد شفیع،

پنجم: جب اس راہب نے میسرہ کو یہ وصیت کی تھی کہ تو ان کی رفاقت نہ چھوڑنا۔ اور وہ غیب کے مکاشفات دیکھتا آیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں حضور ﷺ کی مکی زندگی میں کسی میسرہ نامی صحابی کا کہیں کوئی تذکرہ نظر نہیں۔

ششم: کہا جاتا ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ کی شادی حضور ﷺ سے ہوئی تو حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ کیا یہ کوٹھے چڑھنے اور سہیلیوں کے ساتھ آتے جاتے لوگوں کی مشاہدے کی عمر ہے۔ پھر مزید لطف یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر تک تو حضرت خدیجہؓ کے یہاں پہلے خاوند سے صرف دو بچے ہوئے اور چالیس سال کی عمر کے بعد حضور ﷺ سے سات بچے ہوئے۔ کیا یہ بھی معجزہ تھا۔

یعنی سند کے لحاظ سے یہ واقعہ تو پہلے واقعے سے بھی ضعیف ہے اور اس لحاظ سے خلاف عقل بھی ہے کہ اگر ایسی صورت پیش آتی تو تمام اہل قافلہ کے مشاہدہ میں یہ بات آتی کہ آپ ﷺ پر فرشتے سایہ کیے ہوئے ہیں۔ اور جب ان کے مشاہدہ میں آتی تو مکہ میں جگہ جگہ اس کے چرچے ہوتے اور شعرائے عرب ان کو اپنے اشعار میں بیان کرتے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو لوگوں کو یہ واقعہ یاد آنا چاہئے تھا۔ اور متعدد افراد کو اس واقعہ کے تعلق سے اسلام لانا چاہیے تھا لیکن ایسا ہر گز نہیں ہوا۔ جو اس واقعہ کے غیر معتبر ہونے کا ایک اور ثبوت ہے^(۱)

واقعہ نمبر ۲۴

نبی ﷺ کا سلسلہ نسب سے منسوب واقعہ

حضرت اسمعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے، جن کا ذکر تورات میں بھی ہے، ان میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیل گئی۔ انہی کی اولاد میں عدنان بھی ہیں اور آپ ﷺ انہی کے خاندان سے ہیں۔ عرب کے نسب دان تمام پشتوں کو محفوظ نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسمعیلؑ تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی ہے۔^(۲)

۱- سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، ۳/۴۱۴؛ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندھلوی، ۱/۱۳۴؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ۴۷-۴۸

۲- السیرۃ النبویۃ، محمد بن اسحاق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۴ء، پہلی اشاعت، ص ۱۸-۱۹؛ روض الانف معہ سیرۃ نبویۃ لابن ہشام، عبد الرحمن بن عبد اللہ، سہیلی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، (سن) ۱/۳۳، ۵۰؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر) مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۱۰؛ سیرۃ رسول اللہ ﷺ، شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی، ص ۱۲؛ اطراف سیرت ﷺ، ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر، نشریات، لاہور، ص ۱۳۴؛ اللؤلؤ المکنون (سیرت انسائیکلو پیڈیا)، محسن فارانی / محمد ابراہیم طاہر دیگر، دار السلام ریسرچ سنٹر، لاہور، ۱۴۳۳ء، ۲/۳۲-۳۵

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، روض الانف، اوجز السیر، سیرۃ رسول اللہ اور اطراف سیرت وغیرہ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت میں ابن اسحاق ہے اور وہ مرسل روایات بیان کرنے میں مشہور ہے اور یہی روایت بھی مرسل ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے^(۱)۔

واقعہ کی درایتی حیثیت

اگر اس واقعہ کے متن کو دیکھا جائے تو صاف طور پر اس کی عدم صحت کا اندازہ ہو جاتا ہے کیونکہ عدنان سے لے کر حضرت اسماعیل تک اگر صرف نو دس پشتیں ہوں تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہو گا اور یہ امر بالکل تاریخی شہادتوں کے خلاف ہے اس لیے تو علامہ سہیلی "روض الانف" میں اس واقعہ کا درایتی تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(و يستحيل في العادة ان يكون بينهما أربعة ابناء او سبعة كما ذكر ابن اسحاق او عشرة

او عشرون فان المدة اطول من ذلك كله)^(۲)۔

اور یہ عادت محال ہے کہ دونوں میں ۴ یا ۵ پشتوں کا فاصلہ ہو جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا یا ۱۰، ۲۰، پشتیں ہوں کیونکہ زمانہ اس سے بہت زیادہ ہے۔

علامہ صاحب نے بہت سے تاریخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسماعیل تک ۴۰ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ اس غلطی نے بعض عیسائی مؤرخوں کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آپ ﷺ خاندان ابراہیمؑ سے ہیں۔

اس غلطی کی زیادہ وجہ یہ ہوئی کہ اہل عرب زیادہ تر مشہور آدمیوں کے نام پر اکتفا کرتے تھے اور بیچ کی پیڑھیوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اہل عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسماعیلؑ کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا۔ اس لیے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلہ نسب صحیح طور سے نام نہا پہنچ جائے۔ اوپر کے اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے، اس لیے چند مشہور آدمیوں کا نام لے کر چھوڑ دیتے تھے، تاہم عرب میں ایسے محققین بھی تھے جو فروگزاشت سے واقف تھے، علامہ طبری نے تاریخ میں لکھا ہے کہ ”مجھ سے بعض نسب دانوں نے

۱- میزان الاعتدال، علامہ ذہبی، ۳/۷۵۷

۲- روض الانف مع سیرۃ نبویہ لابن ہشام، عبد الرحمن بن عبد اللہ، سہیلی، ۱/۳۳

بیان کیا کہ میں نے عرب میں ایسے علماء دیکھے جو معد سے لے کر حضرت اسماعیلؑ تک ۴۰ پشتوں کے نام لیتے تھے اور اس شہادت میں عرب کے اشعار پیش کرتے تھے اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ میں نے اس سلسلہ کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتوں کی تعداد برابر تھی البتہ ناموں میں فرق تھا، اسی مؤرخ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے کہ ”شہر تدمر میں ایک یہودی تھا، جس کا نام ابویعقوب تھا، وہ مسلمان ہو گیا تھا، اس کا بیان تھا کہ ار میا پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا، وہ میرے پاس موجود ہے، اس شجرے میں بھی عدنان سے لے کر حضرت اسماعیلؑ تک چالیس نام ہیں،“ بہر حال یہ واقعہ یقینی ہے کہ عدنان حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہے اور آپ ﷺ عدنان کے خاندان سے ہیں۔^(۱)

واقعہ نمبر ۲۵

ہاتف غیبی سے ولادت نبی ﷺ کی خوشخبری دینے سے منسوب واقعہ

اس طرح کی روایت بھی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی پیدائش کی رات ہاتف غیبی سے آپ ﷺ کی پیدائش کی خوش خبر سنائی دی اور مکہ میں قریش کا بڑا بت اوندھا ہو گیا۔^(۲)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ ہواتف الجان ابی بکر خراطی میں موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایات کی اسناد میں دو راوی عبد اللہ بن محمد بلوی اور عمارہ بن زید بھی ہیں جو جھوٹی حدیثیں گھڑنے میں معروف ہیں۔^(۳)

واقعہ کی درایتی حیثیت

اگر یہ ہاتف غیبی سچ ہوتا تو اہل مکہ ہزاروں کی تعداد میں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے اور آپ ﷺ کی نبوت کے دعوے پر بلا جھجک لبیک کہتے اگر کوئی شاذ و نادر اہل مکہ میں سے انکار بھی کرتا تو دوسرے ان کو ہاتف غیبی والی یہ بات ضرور

۱۔ تاریخ الامم والملوک، محمد بن جریر، طبری، ترجمہ: طارق اقبال گاہندری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۴ء، ۲/۴۴-۴۵

۲۔ سبل الہدی والرشاد، الصالحی الشامی، الباب العاشر فی حزن إبلیس وحجبه من السموات وما سمع من الهواتف لما ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم، ۱/۳۵۲

۳۔ عمارة بن زيد يروي عن أبيه عن عمرو بن شعيب قال: الأزدی يضع الحديث (الضعفاء والمتركون، عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي، تحقيق: عبد الله القاضي، بيروت، دار الكتب العلمية، ۱۴۰۶ھ، ۲/۲۰۴؛ الكشف الخثيث عن رمي بوضع الحديث، برهان الدين الحلبي، تحقيق: صبحي السامرائي، عالم الكتب، مكتبة النهضة العربية، بيروت، ۱۹۸۷م، پہلی اشاعت، ۱/۲۳۵

یاد دلاتے حالانکہ ان لوگوں کا نبی کریم ﷺ کی نبوت سے انکار صرف اس وجہ سے تھا کہ وہ اس بات پر بالکل یقین نہیں کرتے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی برحق ہے۔

واقعہ نمبر ۲۶

روئے زمین پر آپ ﷺ کے سالِ پیدائش کسی لڑکی کا پیدا نہ ہونے سے منسوب واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی ولادت کا وقت آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دے جائیں فرشتے باہم بشارت دیتے پھرتے تھے۔ سورج نے نور کا نیا جوڑا پہنا۔ اس سال دنیا کی تمام عورتوں کو یہ رعایت ملی کہ سب فرزند زریںہ جنیں۔ درختوں میں پھل آگئے۔ آسمان میں زبرِ جُود اور یاقوت کے ستون کھڑے کر دیئے گئے۔ نہر کوثر کے کنارے مشک خالص کے درخت اگائے گئے۔ مکہ کے بت اوندھے ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ مواہب لدنیہ قسطلانی اور خصائص کبریٰ سیوطی، مذہبی داستانیں اور سیرۃ النبی میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ عمرو بن قتیبہ مطعون ہے۔ جبکہ حافظ جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں اس روایت کو منکر کہا ہے۔^(۲)

واقعہ کی درایتی حیثیت

یہ واقعہ علامہ قسطلانی اور جلال الدین سیوطی نے اپنی اپنی کتابوں میں ابو نعیم کے حوالہ سے نقل کی ہے حالانکہ ابو نعیم کی دلائل النبوة مطبوعہ نسخہ میں یہ روایت موجود نہیں۔ یہ واقعہ عمرو بن قتیبہ اپنے والد جو کہ بڑے فاضل ہیں سے روایت کرتا ہے۔

۱۔ السیرۃ النبویۃ، زینی دحلان، ترجمہ: علامہ ذوالفقار علی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ۱/۵۳

۲۔ قال الامام السيوطی: قلت هذا الاثر، والاثران قبله فيها نكارة شديدة ولم أورد في كتابي هذا اشد نكارة منها ولم تكن

نفسی لتطیب بایرادھا لکنی تبعت الحافظ أبا نعیم فی ذلك (، الخصائص الکبریٰ، السيوطی، ۱۹۸۵م، ۱/۸۰)

اگر یہ عمرو بن قتیبہ اور ان کے مجہول ابا جان معتبر بھی ہوتے تب بھی یہ روایت مردود ہوتی۔ اس لیے کہ یہ تو چوتھی صدی کے راوی تھے۔ بقیہ ساڑھے تین سو سال کے راوی کہاں ہیں۔ جب تک روایت موجود نہ ہو اور سب کا ثقہ ہونا اور ایک دوسرے سے روایت کا سننا ثابت نہ ہو جائے۔ اس وقت تک کسی روایت پر غور و فکر بھی جائز نہیں۔

البتہ ہم ان فاضل قتیبہ اور ان کے صاحبزادے سے یہ ضرور عرض کریں گے۔ کہ کم از کم ان کا ذکر کیا جاتا کہ انہوں نے سال کو کس مہینے سے شروع کیا ہے۔ اس لیے کہ محرم سے سن کی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانہ سے ہوئی۔ تو ہم علم الانساب، علم الرجال اور تاریخ کے ذریعہ یہ ضرور معلوم کرتے کہ اس سال مکہ میں کتنی لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ رہا پوری دنیا کا مسئلہ تو اس کا حال معلوم ہونا ہی ممکن نہ تھا، مزید قتیبہ صاحب سے ہم یہ بھی پوچھتے ہیں کہ روایت میں مشک کا درختوں پر آنا مذکور ہے جبکہ مشک خالص درختوں سے پیدا نہیں ہوتا وہ تو ہرن کے نافہ سے حاصل کی جاتی ہے^(۱)۔

واقعہ نمبر ۲

حضرت آمنہ کو وقت ولادت نبوی ﷺ شام کے محلات نظر آنے سے منسوب واقعہ

روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے تو حضرت عبد الرحمن بن عوف کی والدہ شفاء بنت عمرو بن عوف ولادت کے وقت حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں، وہ کہتی ہے کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو پہلے غیب سے آواز آئی پھر مشرق و مغرب کی ساری زمین میرے سامنے روشن ہو گئی۔ یہاں تک کہ شام کے محل مجھ کو نظر آنے لگے۔ میں نے آپ کو کپڑا پہنا کر لٹایا ہی تھا کہ اندھیرا چھا گیا۔ اور میں ڈر کر کانپنے لگی۔ پھر داہنی طرف سے کچھ روشنی نکلی تو یہ آواز سننے میں آئی کہ کہاں لے گئے تھے۔ جواب ملا کہ مغرب کی سمت، ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی۔ میں ڈر کر کانپی۔ پھر آواز آئی کہ کہاں لے گئے تھے۔ جواب ملا کہ مشرق کی سمت۔

حضرت شفاءؓ کہتی ہیں میں نے یہ واقعہ ہمیشہ یاد رکھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور میں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔^(۲)

۱۔ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندھلوی، ۱/۵۱

۲۔ دلائل النبوة، ابو نعیم، ۱/۱۳۶؛ طبقات، ابن سعد، ۱/۸۳-۸۲؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ۱/۲۶۳-۲۶۴۔ سیرۃ المصطفیٰ، ادریس

کاندھلوی، ۱/۵۲؛ مواہب لدنیہ، قسطلانی، ۱/۱۲۹-۱۳۰؛ تجلیات نبوت، صفی الرحمن مبارکپوری، دار السلام، ریاض، ۲۰۱۰ء، ص

۴۱؛ السیرۃ النبویہ، زینی دحلان، ۱/۵۴

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ طبقات ابن سعد، تاریخ ابن کثیر، مواہب لدنیہ، دلائل النبوة ابی نعیم اصفہانی وغیرہ میں کمی وبیشی کے ساتھ روایات کے ساتھ مروی ہیں۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

یہ واقعہ دلائل النبوة ابی نعیم کا ہے جس کے بیچ کاراوی احمد بن محمد بن عبد العزیز الزہری^(۱) غیر معتبر ہے، جبکہ باقی راوی مجہول الحال ہیں۔

واقعہ کی درایتی حیثیت

اس روایت میں درایت کے اعتبار سے کئی ایسے تضادات موجود ہیں جو اس روایت کے غیر معتبر ہونے پر واضح دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ ”الاستیعاب“ میں ہے کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف عام الفیل کے بیس سال بعد پیدا ہوئے تھے^(۲) جب کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باتفاق مؤرخین و محدثین عام الفیل ہی کے سال ہوئی تھی۔ اور دلائل النبوة کے روایت نمبر ۷۷ میں عبد الرحمن بن عوفؓ کی اپنی والدہ سے ایک روایت میں اس بات کے تصریح کی گئی ہے کہ عبد الرحمن بن عوفؓ اور حضرت محمد ﷺ دونوں ہم عمر تھے اور یہ اختلاف دونوں روایتوں میں کھلا تضاد ہے۔

۲۔ ”الإصابة“ میں شفاء بنت عمرو کی جگہ شفاء بنت عوف بن عبد عوفؓ^(۳) مذکور ہے جو ایک اور اضطراب کا سبب بنتا ہے۔

۳۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی والدہ کی عمر کے بارے میں یہ اضطراب پایا جاتا ہے کہ واقعی حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی والدہ شفاءؓ کی اتنی عمر بھی تھی یا نہیں۔ کیونکہ حضرت عبد الرحمنؓ جس وقت اسلام لائے اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔ گویا جب حضور ﷺ کی عمر تیس سال تھی تب عبد الرحمنؓ پیدا ہوئے۔ اب عبد الرحمنؓ کی پیدائش سے تیس سال قبل شفاءؓ کی عمر کیا ہوگی؟ جب ہم سوچتے ہیں تو ہمارا تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ زچگی کے وقت کوئی کنواری لڑکی موجود نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے انہیں کم از کم بیس سال قبل پیدا ہونا چاہیئے اور عبد الرحمنؓ کی

۱۔ میزان الاعتدال، الذہبی، ۱/ ۱۳۰-۱۳۲؛ قال البخاری محمد بن عبد العزیز بن عمر بن عبد الرحمن بن عوف القاضی منکر الحدیث ویقال بمشورته جلد الإمام مالک، وقال النسائی متروک، وقال الدارقطنی ضعیف، ت: الشیخ علی

محمد معوض والشیخ عادل أحمد عبد الموجود، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۹۹۵م، ۶/ ۲۳۸

۲۔ موسوعة صحابة رسول الله (۱۱-۱۱-۲۰۱۶)، ۵۴: ۹، پی ایم، www.sahaba.rasoolona.com

۳۔ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندھلوی، ۱/ ۴۵

پیدائش کے وقت ان کی عمر تینتالیس سال ہونی چاہیے۔ اس طرح یہ حضور ﷺ سے عمر میں کم از کم بیس سال بڑی ہوں گی۔ جب کہ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ صحابیات میں کوئی عورت ایسی نہیں جو حضور ﷺ سے عمر میں بڑی ہو اور چونکہ شفاءؓ صحابیہ ہیں۔ لہذا وہ بھی لازماً حضور ﷺ سے چھوٹی ہوں گی۔ اس لحاظ سے اس واقعہ کا ان کی جانب منسوب کرنا جہاں کھلا جھوٹ ہے وہاں ان راویوں کی جہالت کی بھی دلیل ہے۔

یہ بھی ہر ایک کے لیے عیاں ہے کہ زچگی کے وقت عورت کو کھلے میدان میں نہیں لٹایا جاتا۔ بلکہ مکان کا ایسا گوشہ اختیار کیا جاتا ہے جہاں ہوا کم از کم گزر ہو، تاکہ زچہ و بچہ کو ہوانہ لگ جائے۔ ورنہ زچہ کے جسم پر ورم آ جاتا ہے۔ اور بسا اوقات بخار بھی پیدا ہو جاتا ہے جو انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ اب ایسی صورت میں کمرہ، یا کوٹھڑی کے اندر مشرق و مغرب اور شام کے محلات کا نظر آنا۔ کیونکر ممکن ہے۔ اور زچگی کے وقت میں گھر میں اندھیرا نہیں رکھا جاتا، تو اندھیرا چھا جانے کا کیا مطلب ہے۔ کیونکہ اگر عارضی روشنی ختم بھی ہو جائے گی تو گھر کے چراغ کی روشنی قائم رہے گی۔ اور اگر ایسا واقعہ پیش آتا تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ شفاءؓ اس واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابتدا ہی میں اسلام لے آئیں۔ حالانکہ وہ کافی تاخیر سے اسلام لائیں۔ اور اپنے بیٹے کو اسلام لانے پر اذیتیں دیتی رہیں۔

ان راوی کو یہ بھی پتہ نہیں کہ نوزائیدہ بچے کو کپڑے نہیں پہنائے جاتے بلکہ اسے کپڑے میں لپیٹ لیا جاتا ہے کیا حضور کی ﷺ والدہ آمنہ یا حضرت عبدالرحمنؓ کی والدہ شفاءؓ اتنا بھی نہیں جانتی تھیں۔ اس کا تجربہ تو ہر صاحب اولاد کو ہوتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا زن۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس حکایت کا واقعہ بیوی اور بچوں کی نعمت ہی سے محروم رہا ہو۔ ورنہ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوں جائینگے کہ ایسی بیان بنانے سے وہ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ اور آپ ﷺ کی امہات کا مذاق اڑانا چاہتا ہے۔^(۱)

واقعہ نمبر ۲۸

ولادت نبی ﷺ کے وقت آتش کدوں کے بجھ جانے سے منسوب واقعہ

روایت ہے کہ ولادت کی رات کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا۔ اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ اور ساوہ کی نہر (واقعہ فارس) اور بعض روایتوں میں طبریہ کی نہر (واقعہ شام) خشک ہو گئی۔ اور فارس کا آتش کدہ جو ہزاروں برس سے روشن تھا، بجھ گیا اور کسریٰ نے ایک ہولناک خواب دیکھا جس کی تعبیر یمن کے ایک کاہن سطح سے دریافت کی گئی۔^(۲)

۱ - دلائل النبوة، ابی نعیم اصفہانی، ۱/۱۳۶

۲ - سیرۃ النبی، شبلی نعمانی، ۳/۴۰۱؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ۱/۲۶۸؛ مواہب لدنیہ، قسطلانی، ۱/۱۳۱-۱۳۲؛ السیرۃ النبویہ، زینی

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ دلائل النبوة امام بیہقی، ہواتف جان خرائطی، ابن عساكر، دلائل النبوة ابی نعیم، تاریخ ابن کثیر، تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی، مواہب دنیہ قسطلانی اور سیرۃ النبی میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

ان سب کامرکزی راوی مخزوم بن ہانی ہے۔ جو اپنے باپ ہانی مخزومی سے جس کی عمر ڈیڑھ سو برس کی تھی، نقل کرتا ہے۔ ہانی نام کا کوئی صحابی جو مخزومی قریشی ہو اور جو ڈیڑھ سو برس کی عمر رکھتا ہو، معلوم نہیں۔ بلکہ اس نام کا بنو مخزوم میں کوئی صحابی نہیں گزرا۔ الاصابہ میں اسی روایت کے سلسلے میں ان کا نام مشکوک طور پر آیا ہے۔ ان کے صاحبزادہ مخزوم بن ہانی سے محدثین میں کوئی بھی شناسا نہیں۔ نیچے کے راویوں کا بھی یہی حال ہے۔

اس روایت کو ابن عساكر جیسے ضعیف روایتوں کو نقل کرنے والے نے بھی غریب کہا ہے۔ اور ابن حجر نے اس روایت پر مرسل کا حکم لگایا ہے۔ اور ابو نعیم کی روایت میں محمد بن جعفر مشہور وضاع ہے۔^(۱) یہاں تک تو حقیقی واقعے پر بحث ہوئی جو بیداری کی صورت میں ہو۔ لیکن ابن ہشام نے محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ یہ ایک خواب تھا جو آپ ﷺ کی والدہ نے دیکھا تھا۔ اور ایک حدیث سے خواب کی جانب اشارہ بھی ملتا ہے اگرچہ اس میں خواب بیان نہیں کیا گیا، لیکن اس واقعے کے الفاظ درجہ ذیل ہیں: ”میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا، اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔“^(۲)

واقعہ کی درایتی حیثیت

مگر اس خواب سے مراد یہی خواب ہے تو خواب کا ہر گز مقصود یہ نہیں ہوتا کہ اسی وقت تعبیر سامنے آ جائے بلکہ بعض اوقات ایک عرصہ دراز کے بعد تعبیر سامنے آتی ہے۔ مثلاً حضور ﷺ نے اپنی امت کے دو لشکروں کو

۱ - قال بن کثیر: قلت أما هذا الحديث فلا أصل له في شيء من كتب الإسلام المعهودة ولم أره بإسناد أصلا ویروی مثله

في خبر خالد بن سنان العبسی ولا یصح أيضا (البدایة والنهاية، ابن کثیر، مکتبة المعارف، بیروت، (سنن)، ۲/۲۶۸)

۲ - تاریخ دمشق، علی بن الحسن بن عساكر، تحقیق: عمر بن غرامة، بیروت، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء، ۱/۱۶۶۔

عن عرباض بن ساریة رضی اللہ عنہ قال : سمعت رسول اللہ ﷺ يقول : إني عبد الله وخاتم النبيين وأبى منجدل في طينته و سأخبركم عن ذلك أنا دعوة أبى إبراهيم و بشارة عيسى و رؤيا أُمى آمنة التي رأت --- ثم تلا: {يا أيها النبي إنا أرسلناك شاهدا و مبشرا و نذيرا} (الاحزاب: ۴۵) هذا حديث صحيح الإسناد و لم يخرجاه - تعليق الذهبي في التلخيص: صحيح (المستدرک، حاکم، تحقیق: مصطفى عبد القادر، دار الكتب العلمية، بیروت، ۱۹۹۰م، کتاب

التفسير، حدیث نمبر ۳۵۶۶، ۲/۴۵۳)

سمندر میں جہاد کی غرض سے سفر کرتے دیکھا۔ پہلا بحری جہاد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں امیر معاویہؓ کی ماتحتی میں ہوا اور دوسرا بحری جہاد امیر معاویہؓ کے دور میں یزید کے ماتحتی میں ہوا۔

اسی طرح اس خواب سے مراد حکومت فارس و ایران کی تباہی ہے۔ جو آپ ﷺ کی امت کے ذریعہ آپ ﷺ کے بعد عمل میں آتی۔ سن سولہ ہجری میں حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص نے قادسیہ کے میدان میں ایرانیوں کو شکستِ فاش دے کر مدائن پر قبضہ کیا۔ اور نو شیران کے محل میں جمعہ پڑھایا۔ یہ تھا وہ زلزلہ جو کسریٰ کے ایران میں آیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے آخر زمانہ تک مسلمان ایران میں جہاں تک بڑھتے رہے وہاں تک کے آتشکدے بجھتے رہے۔

مزید یہ کہ ایران میں صرف ایک ہی آتش کدہ نہ تھا۔ بلکہ ہر ہر شہر اور ہر ہر گاؤں میں آتش کدے روشن تھے۔ سب سے بڑا آتش کدہ بخارہ میں تھا جو بہار کے نام سے مشہور تھا۔ یہ آتش کدہ خلیفہ ولید بن عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں ختم ہوا۔

واقعہ نمبر ۲۹

نبی کریم ﷺ کا مختون پیدا ہونے سے منسوب واقعہ

یہ مشہور ہے کہ نبی کریم ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے۔^(۱)

ناقلین واقعہ

اس واقعہ کو طبرانی نے اوسط میں، ابی نعیم نے دلائل النبوة، خطیب (بغدادی)، ابن عساکر، المعجم الاوسط، مجمع الزوائد اور کنز العمال میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے۔ مگر ان میں کوئی طریقہ بھی ایسا نہیں جو ضعیف نہ ہو۔ امام حاکم نے ”مستدرک“ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا مختون پیدا ہونا متواتر روایتوں سے ثابت ہے۔^(۲) اس پر علامہ ذہبی نے تنقید کی ہے کہ تواتر تو کجا صحیح طریقہ سے یہ روایت ہی

۱۔ تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، ۱/ ۹۳؛ ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، ۱/ ۲۶۵؛ سیرۃ المصطفیٰ، ادریس کاندھلوی، ۱/ ۶۱؛ السیرۃ

النبویہ، زینی دحلان، ۱/ ۵۳؛ سیرت النبی، شبلی، ۳/ ۳۹۸؛ الوفا باحوال المصطفیٰ، ابن الجوزی، ص ۱۲۵

۲۔ مستدرک علی الصحیحین، الحاکم، تحقیق: مصطفیٰ عطاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء، کتاب تواریخ المتقدّمین من الانبیاء

والمرسلین، حدیث نمبر، ۴۱۷۷، ۲/ ۶۵۷

ثابت نہیں^(۱) اور بقول علامہ ابن القیم اگر ثابت بھی ہو تو اس میں آپ ﷺ کی کوئی فضیلت نہیں کیونکہ ایسے بچے اکثر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔^(۲) اس کے ساتھ ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے ساتویں دن آپ ﷺ کا ختنہ کروادیا اور تمام اہل مکہ کی دعوت کی۔ اسی طرح امام ابن القیم نے اپنے زمانہ کے کئی افراد کا ذکر کیا ہے کہ یہ حضرات مختون پیدا ہوئے تھے اور یہ حضور کی کوئی تخصیص نہیں۔^(۳)

واقعہ کی درایتی حیثیت

اگر واقعی نبی اکرم ﷺ مختون پیدا ہوتے تو آپ ﷺ کی اس صفت مبارکہ کا بھی حدیث کی کتابوں میں دوسرے شامل کی طرح احادیث صحیحہ میں تذکرہ ضرور ملتا، حالانکہ ایسا کوئی تذکرہ موجود نہیں۔

واقعہ نمبر ۳۰

بعد ولادت آپ ﷺ پر رکھی گئی ہانڈی کے پھٹ جانے سے منسوب واقعہ

ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پتھر کی ایک ہانڈی کے نیچے رکھا گیا تو وہ ہانڈی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور اس دوران آپ ﷺ کی والدہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھیں آسمان کی طرف بالکل کھلی ہیں۔^(۴)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ طبقات ابن سعد، مواہب لدنیہ اور دلائل بیہقی میں کمی وبیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس طرح کی تمام روایات مرسل ہیں۔ دلائل النبوة بیہقی میں یہ روایت ابو حکم تنوخی سے مرسل مروی ہے اور وہ ایک مجہول تابعی ہیں، جن کو ابوالحکم کی کنیت سے نام لیے بغیر ابی مندہ اصفہانی نے ”فتح الباب فی الکنی والالقب“ میں اور

۱۔ کتاب کے حاشیہ پر امام ذہبی لکھتے ہیں: ما أعلم صحة لذلك، فکیف یكون متواترا (متدرک علی الصحیحین، الحاکم، ۲/

۶۵۷؛ إمتاع الأسماع، المقریزی، ۴/۵۷۔

۲۔ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن کاندہلوی، ۸۵/۱

۳۔ زاد المعاد، محمد بن ابی بکر، ابن القیم، تحقیق: شعیب الارنؤوط ودیگر، بیروت، مؤسسة الرسالۃ، ۱۹۹۸ء، ۸۱/۱

۴۔ دلائل النبوة، بیہقی، ۱-۲/۵۷؛ ابن الجوزی، الوفا باحوال المصطفیٰ، ۱-۲/۱۲۳، ۱۷۵، السیرۃ النبویہ، زینی دحلان، ۵۶/۱

ابن ابی حاتم نے ”الجرح والتعديل“ میں ذکر کیا ہے۔ نیز اس کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن صالح گو صدوق ہیں مگر کثیر الغلط ہے۔^(۱)

واقعہ کی درایتی حیثیت

اگر نبی کریم ﷺ پر رکھی ہوئی ہانڈی اسی طرح معجزانہ طور پر پھٹ جاتی تو اس بات کا نبوت کے بعد بھی چرچا عام و خاص ہونا چاہیے تھا اور سینکڑوں لوگوں کے اسلام لانے کا سبب بننا چاہیے تھا، حالانکہ کسی نے بھی اہل مکہ میں سے اس معجزہ کو یاد کرتے ہوئے اسلام قبول نہیں کیا۔

واقعہ نمبر ۳۱

یہودیوں کا آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبہ سے منسوب واقعہ

حضرت حلیمہ کے پاس قیام کے زمانہ میں ایک اور واقعہ بھی راویوں نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر بعض یہودیوں نے یا عرب قیافہ شناسوں نے یہ معلوم کر لیا کہ آپ ﷺ نبی آخر الزماں ہیں۔ اور یہی ہمارے آبائی مذہب کو دنیا سے مٹائیں گے۔ یہ سمجھ کر انہوں نے خود آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہا۔ یا یہ کہ دوسروں کو آپ ﷺ کے قتل پر آمادہ کرنا چاہا۔ (روایت میں اختلاف ہے) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت حلیمہ پہلے پہل مکہ معظمہ سے لے کر عکاظ کے میلہ میں آئیں۔ وہاں قبیلہ ہذیل کا ایک قیافہ شناس بوڑھا تھا۔ عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لے کر اس کے پاس آتی تھیں اور فال نگواتی تھیں۔ اس کی نظر جب آپ ﷺ پر پڑی تو وہ چلا اٹھا کہ اسے قتل کر ڈالو۔ مگر آپ ﷺ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو چکے تھے۔ حضرت حلیمہؓ آپ ﷺ کو لے کر چل دی تھیں۔ لوگوں نے بوڑھے سے واقعہ پوچھا۔ تو اس نے کہا میں نے ابھی وہ بچہ دیکھا جو تمہارے اہل مذہب کو قتل کرے گا۔ اور تمہارے بتوں کو توڑے گا اور کامیاب ہو گا۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ ﷺ کو بہت ڈھونڈا مگر آپ ﷺ نہ ملے۔ حضرت حلیمہ نے اس کے بعد آپ کو پھر کسی قیافہ شناس اور فال دیکھنے والے کے سامنے پیش نہیں کیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس بوڑھے کی عقل جاتی رہی اور حالت کفر میں مر گیا۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت آمنہ نے حضرت حلیمہ کو کہہ دیا تھا کہ میرے بچہ کو یہودیوں سے بچائے رکھنا۔ اتفاق سے جب وہ آپ ﷺ کو لے کر چلیں تو کچھ یہودی راستہ میں مل گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کا حال سن کر ایک دوسرے سے کہا کہ

۱۔ فتح الباب فی الکتی والالقب، محمد بن اسحاق، ابن مندہ، تحقیق: ابو قتیبہ، نظر محمد الفریابی، مکتبۃ الکواثر، الریاض، ۱۴۱۷ھ /

۱۹۹۶م، پہلی اشاعت، ص ۲۵۷: الجرّح والتّعدیل، امام ابی حاتم الرازی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء، ۴/ ۳۵۸؛

معجم اسامی الرواة الذین ترجم لهم العلامة الالبانی، محمد ناصر الدین، دار ابن حزم، بیروت، ۲۰۰۰ء، ۴/ ۵۵۳

اس کو مار ڈالو۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ حضرت حلیمہ نے کہا نہیں۔ میں اس کی ماں ہوں۔ اور اپنے شوہر کا بتایا کہ وہ اس کا باپ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ یتیم ہو تا تو ہم اس کو قتل کر ڈالتے۔ اور چونکہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ یتیمی کی علامت بچہ میں نہیں پائی جاتی۔ اس سے ان کا یقین جاتا رہا۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ طبقات ابن سعد، دلائل النبوة ابی نعیم، الخصائص الکبریٰ، سیرت پاک، السیرة النبویة سید احمد بن زینی اور سیرة النبی وغیرہ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

سید سلیمان ندوی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ روایتیں ابن سعد میں ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ پہلی روایتوں کا ماخذ واقدی کی سی ہیں۔ اور اس پر بھی ان کے سلسلے نام تمام ہیں۔ آخری روایت کا سلسلہ یہ ہے۔ عمرو بن عاصم کلابی، ہمام بن یحییٰ اور اسحاق بن عبد اللہ۔ گو یہ تینوں عموماً ثقہ اصحاب ہیں مگر ان کی روایت موقوف ہے۔ یعنی آخری راوی اسحاق بن عبد اللہ کو تابعی ہیں۔ مگر کسی صحابی سے اس کا سننا ظاہر نہیں کرتے۔ معلوم نہیں یہ روایت کہاں سے پہنچی۔^(۲)

یہاں ہمیں ندوی صاحب کی اس رائے سے (کہ یہ تینوں عموماً ثقہ راوی ہیں) اختلاف ہے۔

جہاں تک ہمام بن یحییٰ البصری کا تعلق ہے۔ بے شک وہ بصرہ کے مشہور ثقہ علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں کچھ خامیاں بھی ہیں۔ حافظ ذہبی ان کے تذکرہ میں کہتے ہیں:

حافظ ابو حاتم کہتے ہیں یہ ثقہ ہیں لیکن ان کا حافظہ کچھ خراب ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان ان کے حافظہ کے باعث ان سے قطعاً راضی نہ تھے۔ امام احمد کہتے ہیں: میں نے یحییٰ بن سعید القطان کو دیکھا ہے کہ وہ تین افراد کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ ایک جاج بن ارطاة، دوسرے محمد بن اسحاق اور تیسرے یہ ہمام۔ حتیٰ کہ وہ ان تینوں کے سلسلہ میں کسی سے گفتگو کے لیے بھی تیار نہ تھے۔

عمرو بن علی کا بیان ہے کہ عبد الرحمن بن مہدی تو اس ہمام سے روایت کرتے، لیکن یحییٰ نہ اس سے کوئی روایت لیتے اور نہ وہ اس کے حافظہ سے خوش تھے، اور نہ ان کی لکھی ہوئی احادیث سے۔

۱۔ دلائل النبوة، ابی نعیم اصفہانی، ۱/ ۱۳۷؛ سیرت النبی، شبلی، ۳/ ۴۱۱-۴۱۰؛ سیرت پاک، محمد اسلم قاسمی، ادارہ

اسلامیات، لاہور، ۱۴۰۲ھ، ص ۳۰-۳۱؛ السیرة النبویة، سید احمد دحلان، ۱/ ۷۱-۷۲؛ سیرت پاک، قاری محمد طیب،

ص ۳۰-۳۱، طبقات، ابن سعد، ۱/ ۱۳۰-۱۳۱

۲۔ سیرت النبی، شبلی نعمانی، ۳/ ۴۱۰-۴۱۱

عفان کا بیان ہے کہ ہمام اپنی لکھی ہوئی یادداشت کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھے کیونکہ وہ اسے عیب تصور کرتے اور پھر اگر کسی وقت اچانک مسودہ پر نظر پڑتی تو کہتے ہم اللہ سے استغفار چاہتے ہیں۔ ہم تو بہت غلطیاں کرتے رہے ہیں۔ ۱۶۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ مجموعی طور پر ہمام کا حافظہ خراب تھا۔ اس لیے ان کی روایت پر اعتماد نہیں کیا سکتا۔^(۱)

ہمام سے یہ روایت عمرو بن عاصم کلابی نقل کرتے ہیں۔ یہ بھی مشہور سچے عالم ہیں۔ یحییٰ بن معین نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں میں ان کی روایت سے خوش نہیں۔ اگر بندہ اس سے روایت نہ لیتے تو میں اس کی روایت ترک کر دیتا۔ ابو حاتم اس کی روایت کو حجت نہ سمجھتے تھے۔^(۲)

رہا اسحاق بن عبد اللہ کا معاملہ، تو اس نام سے متعدد افراد موسوم ہیں۔ سید صاحب نے اس کا ترجمہ بیان نہیں کیا۔ صرف یہ لکھا کہ وہ تابعی ہے۔ تو تابعین میں پانچ اسحاق بن عبد اللہ نامی موجود ہیں۔ ایک اسحاق بن عبد اللہ بن جعفر الہاشمی ہیں جن کا کچھ حال معلوم نہیں۔ ایک اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث بن نوفل الہاشمی ہیں جو ثقہ ہیں۔ ایک اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث بن کنانة العامری ہیں یہ کام چلاؤ ہیں۔ ایک اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحة الانصاری المدنی ہیں یہ ثقہ ہیں حجت ہیں اور ایک اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروة المدنی ہے یہ ناقابل اعتبار ہے۔^(۳) اور یہ روایت اسی آخری شخص سے مروی ہے۔

اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروة کی استنادی حیثیت

ابن ابی فروة حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد کے غلام تھے، جو بلا سند روایات نقل کرنے میں مشہور تھے۔ ایک بار امام زہری نے ان کو بلا سند حدیث بیان کرتے دیکھا تو فرمایا اے ابن ابی فروة اللہ تجھے قتل کرے۔ تو اللہ کے معاملہ میں کتنا بے خوف ہے۔ تو حدیث کی سند کیوں بیان نہیں کرتا۔ ایسی روایات کیوں بیان کرتا ہے۔ جن کی نہ کوئی مہار ہو نہ لگام^(۴)۔

امام بخاری کہتے ہیں محدثین نے ان کی روایت کو ترک کر دیا ہے۔ امام جوزجانی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ میرے نزدیک اس اسحاق کی روایات بیان کرنا بھی حلال نہیں۔ امام ابو زرعة کہتے ہیں یہ متروک ہے۔ امام یحییٰ بن معین

۱۔ میزان الاعتدال، الذہبی، ۴/۳۰۹-۳۱۰

۲۔ امام ابن حجر کہتے ہیں: صدوق فی حفظہ شیء (المطالِبُ العالیۃ بِرَوَائِدِ المسانید الثمانيۃ، ابن حجر، دار العاصمة، ۲۰۰۰م)، ۸/۴۵۰

۳۔ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروة عن نافع وغيره مدنی ترکوه قال خ ترکوه ونهی احمد عن حدیثه وقال مرة لا تحل الروایة عنه (المغنی فی الضعفاء، الذہبی)، ۱/۷۱

۴۔ الکامل فی ضعف الرجال، ابن عدی، تحقیق: یحییٰ مختار غزاوی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۸م، ۱/۳۲۷۔ أبو یعلیٰ الخلیلی کہتے ہیں: ضعفوه جدا تکلم فیہ مالک والشافعی، و ترکاه، قال له الزہری یوما: یا إسحاق، تجیء بأحدیث لیست لها أزمة ولا خطام إذا حدثت فأسند (الإرشاد فی معرفة علماء الحدیث، أبو یعلیٰ، تحقیق: محمد سعید بن عمر ادیس، مکتبة الرشد، الرياض، (سن)، ۱/۱۹۳۔

وغیرہ کہتے ہیں ان کی روایت نہ لکھی جائے۔ ابن عدی نے ان کی کئی روایات کو منکر قرار دیا ہے اور خاص طور پر اہل حجاز سے جتنی بھی روایات نقل کرتے ہیں، وہ منکر ہوتی ہیں۔ ان کا انتقال ۱۴۴ھ میں ہوا۔^(۱) ان کی روایات ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں پائی جاتی ہیں۔

تقریباً اس واقعہ کو ابو نعیم نے دلائل میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت حلیمہ جب آپ ﷺ کو مکہ سے لے کر روانہ ہوئیں تو ایک وادی میں پہنچ کر ان کو حبش کے کچھ لوگ ملے۔ حضرت حلیمہ ان کے ساتھ ہو گئیں۔ انہوں نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ کی نسبت کچھ دریافت کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو خوب غور سے دیکھنا شروع کیا۔ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں مہر نبوت تھی۔ وہ دیکھی۔ آپ ﷺ کی آنکھوں میں تھوڑی سرخی تھی اس کو دیکھتے رہے۔ پھر پوچھا کہ کیا بچے کی آنکھوں میں یہ سرخی کسی بیماری سے ہے یا ہمیشہ سے اسی طرح کی ہے۔ حضرت حلیمہ نے کہا نہیں ہمیشہ سے اسی طرح ہے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم یہ پیغمبر ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے چاہا کہ بچے کو حضرت حلیمہ سے چھین لیں لیکن اللہ نے آپ ﷺ کی حفاظت کی۔^(۲) ابو نعیم کی اس روایت کا سلسلہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور ان کی روایت میں مجہول الحال لوگ ہیں۔

واقعہ کی درایتی حیثیت

ان روایات کو پڑھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ ان روایات کی مؤرخین نے حضور ﷺ کی طرف منسوب ان روایات کی تحقیق نہیں کی۔ اسی لیے تو آپ ﷺ کو کبھی یہود سے خطرہ نقل کرتے ہیں، کبھی عیسائیوں سے، کبھی عربوں سے اور کبھی قیافہ شناسوں اور کاہنوں سے۔

اگر ان روایات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ان میں اور بھی بہت سے عیوب نظر آئیں گے۔ مثلاً جب پہلے پہل حلیمہ آپ ﷺ کو لے کر مکہ سے چلیں تو عکاظ کے میلے میں پہنچ گئیں۔ آپ کی پیدائش ربیع الاول میں ہوئی۔ دو یا تین روز والدہ کا دودھ پیا۔ پھر سات روز ثویبہ کا دودھ پیا، پھر آپ کو حلیمہ لے گئیں۔ اور عکاظ کا میلہ ذی الحجہ میں حج کے بعد لگا کرتا تھا۔ کیا وہ دس ماہ تک مکہ میں ہی ٹھہری رہی اور اس کے بعد سفر شروع کیا یا اس طویل عرصہ میں مسلسل سفر میں رہیں؟ حالانکہ پہلی روایات اس کی تردید کر رہی ہیں۔

۱۔ میزان الاعتدال، ذہبی، ۱/ ۱۹۳؛ محمود بن محمد الملاح کہتے ہیں: إسحاق بن عبد الله - وهو: ابن أبي فروة - قال البخاری: (تركوه). وقال أحمد: (لا تحل عندی الروایة عنه). وكذبہ بعضهم. (التعلیق علی الریح المختوم، تحقیق: ابو عبد

الرحمن / محمد ابن محمد الملاح، الدار العالمیة، القاہرہ، ۲۰۱۰م، پہلی اشاعت، ۱/ ۷۶-۷۷).

۲۔ دلائل النبوة، ابی نعیم اصفہانی، تحقیق: محمد واس قلجی، دار النفائس، بیروت، ۱۹۸۶م، دوسری اشاعت، ۱/ ۱۶۰

ان متعدد روایات میں یہ پایا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ حالانکہ کتبِ احادیث میں صحابہ کرامؓ جو حلیہ مبارک بیان کر رہے ہیں۔ اس میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اکمل العینین تھے۔ اکمل العینین اس شخص کو کہا جاتا ہے۔ جس کی آنکھوں میں سپیدی کی جگہ خوب گہری سپیدی اور سیاہی کی جگہ خوب گہری سیاہی ہو اور ایسی آنکھیں حسین تصور کی جاتی ہیں۔ آنکھوں میں سرخی ہونا حسن کی علامت نہیں۔ اور حضور ﷺ سب سے زیادہ حسین تھے۔ یہ آپ ﷺ کے اصل حلیہ مبارک کو تبدیل کیا گیا ہے۔ اسی سے آپ ان روایات کا اندازہ فرمائیں۔^(۱)

فصل کا تجزیہ

اس فصل میں کل تیرا واقعات سیرت مذکور ہیں اور ان واقعات میں سے سات کا تعلق آپ ﷺ کی قبل پیدائش سے ہے جبکہ باقی پانچ میں سے تین کا تعلق آپ ﷺ کی بچپن اور لڑکپن کے زمانہ اور دو کا تعلق جوانی کے اسفارِ شام سے ہے۔ جن کا اچھی طرح روایتی و درایتی جائزہ لیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے عدل و نفاست سے منسوب واقعہ دو طرق سے مروی ایک میں واقدی اور دوسرے میں جہم بن ابی جہم ہے جو ناقابل اعتبار ہیں، درایہ بھی ان کا سماع ممکن نہیں تو کیسے روایت کو ٹھیک مانا جائے۔

آپ ﷺ کے چلنے اور بولنے کے واقعہ بھی دو طرق سے مروی ہے اس میں بھی واقدی اور جہم بن ابی جہم ہی ہیں درایہ بھی اگر دیکھا جائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن سے یہ روایت مروی ہے کیسے دو سال کی عمر میں یہ سب کچھ دیکھ پائے؟ کیسے یاد رکھا اور مکہ سے قبیلہ بنو سعد میں کیسے گئے؟

واقعہ نمبر اکیس جو آپ ﷺ کے ساتھ بادلوں کے سایہ کرنے سے متعلق ہے اس کی سند میں واقدی ہے جس کے بارے میں گزر چکا کہ علماء اسماء الرجال کے ہاں وہ قابل اعتماد نہیں۔ دریتہ بھی نقد کیا جاتا ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ بادل چلیں اور اکیلے حضرت حلیمہ کی بیٹی دیکھتی رہتی اور کسی دوسرے کو علم تک بھی نہ ہو سکا۔

بجیرہ راہب سے منسوب واقعہ مرسل ہے، بعض طرق میں ہے کہ اس سفر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے حالانکہ اس وقت حضرت بلال کا وجود بھی نہیں تھا۔

سفر شام کا واقعہ کہیں بلا سند اور کہیں واقدی کے واسطے سے منقول ہے دوسرا آپ ﷺ کے پاس فرشتہ یا تو انسانی شکل میں آتا تھا یا ہاتفِ غیبی ہوا کرتی تھی۔ کسی بھی انسان نے فرشتے کو نہیں دیکھا۔ یہاں کیسے ممکن ہوا کہ میسرہ پورے سفر میں فرشتے کو دیکھتا رہا؟

ہاتفِ غیبی والے واقعے میں میں راوی عبد اللہ بن محمد بلوی اور عمارہ بن زید جھوٹی احادیث گھڑنے میں مشہور ہیں۔ مزید یہ کہ یہ غیبی آوازاہل مکہ بھی ضرور سنتے حالانکہ کسی نے بھی اس آواز کے سننے کا دعویٰ نہیں کیا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ کی پیدائش والے سال کوئی لڑکی پیدا نہیں ہوئی اس روایت میں عمر بن قتیبہ مطعون ہے یہ چوتھی صدی کے راوی ہیں اوپر کی سند ذکر نہیں کرتا۔

آپ ﷺ کی ولادت کے موقع پر شام کے محلات کا نظر آنا اس روایت کے راوی مجہول الحال ہیں۔

آتش کدوں کے بجھ جانے سے متعلق روایت مخزوم بن ہانی سے ہے اس نام کا کوئی صحابی جو ڈیڑھ سو سال عمر رکھتا ہو معلوم نہیں ہوتا۔

آپ ﷺ کا مختون پیدا ہونے سے متعلق واقعہ مختلف طرق سے مروی ہے، اور تمام طرق ضعیف ہیں۔

ہانڈی پھٹ جانے سے متعلق روایت ابو حکم تنوخی سے مرسل روایت ہے جو ایک مجہول تابعی ہیں۔

آپ ﷺ کو شیر خواری میں قتل کی کوشش کا واقعہ واقدی سے مروی ہے اور دوسرے طریق میں روایت موقوف ہے۔

فصل دوم: مکی دور کے اہم واقعات

واقعہ نمبر ۳۲

بعثت سے قبل آپ ﷺ کا لہو ولہب سے اجتناب کرنے سے منسوب واقعہ

شیخ غزالی نے ابن الاثیر کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رسالت سے مشرف ہونے سے قبل دو مرتبہ میں نے ویسے (لہو ولہب کے) کام کرنے چاہے جیسے اہل جاہلیت کیا کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔ جو لڑکا میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا اس سے ایک مرتبہ میں نے کہا کہ تم میری بکریاں دیکھو، میں مکہ جا کر کچھ تفریح کر کے آتا ہوں۔ وہ تیار ہو گیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی پہلے گھر کے پاس میں نے گانے بجانے کی آواز سنی۔ پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا فلاں کی شادی ہو رہی ہے۔ میں بیٹھ کر سننے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنی گہری نیند طاری کر دی کہ صبح دھوپ سے میری آنکھ کھل گئی۔ دوسرے دن پھر میں نے ارادہ کیا، مگر اس دن بھی ویسا ہی ہوا جیسا پہلے دن ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر کبھی میں نے ایسا کام نہیں کیا۔“^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ الکامل ابن الاثیر، فقہ السیرۃ محمد غزالی، تاریخ ابن کثیر، مذہبی داستانیں اور سیرۃ النبی شبلی نعمانی وغیرہ میں مکی ویشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت کو امام البانی نے کئی ایک وجوہات پر ضعیف قرار دیا ہے جن کی تفصیل فقہ السیرۃ میں دیکھی جاسکتی ہے۔^(۲)

یہ حدیث ضعیف ہے۔ اسے حاکم نے ابن اسحاق کی سند سے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا ہے، پھر لکھا ہے یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ ذہبی نے اس کی تائید کی ہے۔ لیکن یہ دونوں کا وہم ہے، اس کی دو وجہیں ہیں۔

۱- فقہ السیرۃ، محمد الغزالی، ص ۷۲؛ مقدمہ ابن خلدون، عبد الرحمن بن خلدون، ترجمہ: راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی اردو

بازار، لاہور، (سن) ۱/ ۲۰۰-۲۰۱؛ سیرۃ المصطفیٰ، علامہ، محمد ادریس صاحب، کاندھلوی، ۱/ ۲۷۴-۲۷۵

۲- فقہ السیرۃ، محمد الغزالی، ص ۷۲

اول: امام مسلم ابن اسحاق سے ہمیشہ دوسرے راویوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جیسا کہ خود ذہبی نے ”المیزان“ میں لکھا ہے، جب کہ حاکم نے اس حدیث کو ابن اسحاق سے تنہا روایت کیا ہے۔ اس لیے یہ مسلم کی شرط پر نہیں ہے۔

دوم: اس کی سند میں ایک راوی محمد بن عبد اللہ بن قیس ہے جو مشہور العداۃ نہیں ہے۔ اسے صرف ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور کسی کے بارے میں تنہا ابن حبان کی توثیق قابل اعتماد نہیں ہے، اس لیے کہ وہ بسا اوقات مجہول راویوں کو ثقہ کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ”اللسان“ میں لکھا ہے۔ اسی لیے حافظ نے ”التقریب“ میں ابن قیس کو ثقہ نہیں قرار دیا ہے، بلکہ ”مقبول“ کہا ہے، یعنی متابع نہ ہونے کی صورت میں ان کی روایت ضعیف ہے۔ پھر یہ مسلم کے راویوں میں سے نہیں ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہے۔

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ ”البدایۃ والنہایۃ“ میں ضعیف قرار دیا ہے۔ انہوں نے بیہقی کی روایت سے مذکور سند سے اسے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ”یہ حدیث بہت زیادہ غریب ہے۔“ ممکن ہے یہ حضرت علیؓ پر موقوف ہو۔ ابن اسحاق کے شیخ کا تذکرہ ابن حبان نے ”الانثقات“ میں کیا ہے اور بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ صحیح کے راویوں میں سے ہیں۔ ہمارے شیخ نے ”التہذیب“ میں لکھا ہے: ”میں اس سے واقف نہیں (لم اقف علیہ) واللہ اعلم۔“ یہ حدیث مجھے تاریخ مکہ للفکاہی اور تاریخ ابن جریر میں مذکورہ سند سے ملی۔ طبرانی نے المعجم الصغیر میں حضرت عمار بن یاسر سے اسکی روایت کی ہے۔ اسکی سند میں متعدد حضرات ایسے ہیں جن سے میں واقف نہیں (لم اعرہم) اس کے مثل حافظ بیہقی نے مجمع الزوائد میں بیان کیا ہے۔^(۱)

واقعہ کی درایتی حیثیت

یہ واقعہ درایت کے اعتبار سے بالکل غیر معتبر ہے کیونکہ جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں سے نبوت کے لیے چنا ہو اور سید الانبیاء بنایا ہو ان کا دل نہ کبھی لہو و لعب کی طرف مائل ہو سکتا ہے اور نہ کبھی اس میں شریک ہو سکتا ہے، دوسری بات یہ کہ یہ واقعہ شق صدر کی حکمت کا بھی خلاف ہے آپ ﷺ کا شق صدر اس لیے تو ہوا تھا تاکہ آپ ﷺ کے دل سے حظِ شیطان نکالا جائے تاکہ وہ عام بچوں کی طرح لہو و لعب کی طرف کبھی مائل نہ ہو۔

واقعہ نمبر ۳۳

قس بن ساعدہ کا واقعہ

اس میں شبہ نہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے فیض الہی کی خفیف شعاعیں عرب میں پھیلتی شروع ہو گئی تھیں، چنانچہ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا۔ ان میں سے آپ ﷺ نے زید سے ملاقات کی تھی، جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے، ورقہ عیسائی ہو گئے تھے اور چونکہ حضرت خدیجہؓ کے عم زاد (چچا زاد) تھے اور مکہ ہی میں رہتے تھے، اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ان سے بھی ملے ہوں گے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان سے آپ کی دوستی تھی۔

ادب و محاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض کتب تاریخ میں بھی مذکور ہے کہ قس بن ساعدہ نے عکاظ میں جو مشہور خطبہ دیا تھا، آپ ﷺ اس خطبہ میں شریک تھے، اس خطبہ کا بڑا حصہ اکثر اہل ادب نے نقل کیا ہے اور چونکہ اس کے فقرے بظاہر قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں کی طرح چھوٹے چھوٹے اور مقفیٰ ہیں اس لیے عیسائی مورخین نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ طرز انہی سے لیا ہے، چنانچہ بعض فقرے یہ ہیں:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ، اسْتَمِعُوا وَاسْمَعُوا وَعُوا كُلُّ مَنْ عَاشَ مَاتَ، وَكُلُّ مَنْ مَاتَ فَاتَ، وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ آتٍ. لَيْلٌ دَاجٍ، وَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ، وَنُجُومٌ تَزْهَرُ، وَبَحَارٌ تَزْخَرُ، وَجِبَالٌ مُرْسَاةٌ، وَأَنْهَارٌ مُجْرَاةٌ. إِنَّ فِي السَّمَاءِ لَخَبِيرًا، وَإِنَّ فِي الْأَرْضِ لَعَبِيرًا، أَرَى النَّاسَ يَمْشُونَ وَلَا يَرْجِعُونَ، أَرْضُوا بِالْإِقَامَةِ فَأَقَامُوا؟ أَمْ تُرْكُوا فَنَامُوا؟) (۱)۔

ناقلین واقعہ

قس بن ساعدہ کی روایت اور اس کا خطبہ مختصر و مطول بہ عبارات مختلفہ: محمد بن جعفر بن سہل الخراطی نے ہوائف الجان میں، اسماعیل بن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں، محمد بن عبد الکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں، محمد ابراہیم الفیومی نے تاریخ الفکر الدینی الجاہلی میں، النصرانیہ و آدابہا میں عرب الجاہلیہ میں، اور مسعودی نے مروج الذهب میں، نقل کیا ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

پورا واقعہ ضعیف ہے، اس کے رواۃ عموماً غیر ثقہ ہیں، چنانچہ سیوطی نے ”موضوعات“ میں اس روایت کے تمام طریقوں کو نقل کر کے ان کے رواۃ سے بحث کی ہے اور امام ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے اقوال تفصیل سے نقل کیے

ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے، لیکن ہر طریقہ میں کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہے جو بے اصل حدیثیں بیان کرتا تھا، اس کا ایک مشترک راوی محمد بن حجاج ہے، اس کی نسبت ابن معین کا قول ہے کہ ”کذاب اور خبیث ہے۔“ ابن عدی نے لکھا ہے کہ ”ہر سہ کی حدیث اسی نے وضع کی ہے۔“ ایک طریقہ کا راوی سعید بن ہبیرہ ہے، اس کی نسبت ابن حبان نے لکھا ہے کہ ”ثقہ لوگوں کی زبانی جھوٹی حدیثیں روایت کرتا تھا، یا تو وہ خود یہ حدیثیں تصنیف کرتا تھا، یا اور لوگ اس کے لیے بنادیا کرتے۔“ ایک طریقہ کے راوی قاسم بن عبد اللہ اور احمد بن سعید ہیں اور یہ دونوں حدیث بنانے میں بدنام ہیں، بیہقی نے اس روایت کے متعلق ایک بڑا قصہ نقل کیا ہے جس میں حضرت ابو بکرؓ نے قس بن ساعدہ کا پورا خطبہ اپنی یاد سے بیان کیا ہے، یہ روایت پوری کی پوری موضوع ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس روایت کے اور طریقے بھی نقل کیے ہیں اور ان کی تضعیف کی ہے^(۱)۔

واقعہ کی درایتی حیثیت

یہ واقعہ درایت کے اعتبار سے بھی درست نہیں کیونکہ اس واقعہ میں کئی درایتی و عقلی اعتبار سے بھی ضعیف باتیں پائی جاتی ہیں۔

- ۱۔ اس واقعہ کو ناقلین نے اتنے تضادات کے ساتھ نقل کیا ہے کہ اس کے الفاظ تک میں توافق ممکن نہیں۔
- ۲۔ اگر واقعہ میں کسی قسم کا لفظی تعارض بھی نہ ہوتا پھر بھی نبی کریم ﷺ کا کسی کا خطبہ سننا انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے قانون خداوندی کے بالکل خلاف ہے کیونکہ انبیاء کرام کا حصول علم براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے وہ دنیا میں کسی عام انسان کے شاگرد نہیں ہوا کرتے۔
- ۳۔ اگر نبی کریم ﷺ کسی بھی موقع پر قس بن ساعدہ یا کسی اور کی تقریر سے کوئی علمی استفادہ کر لیتے تو کفار مکہ اور دوسرے اہل کتاب کے لیے اعتراض کرنے کا ایک قوی موقع مل جاتا کہ نبی ﷺ نے نعوذ باللہ یہ سارا کچھ قس بن ساعدہ سے یا اس جیسے کسی اور سے سیکھا ہے، جیسا کہ کفار مکہ کا پہلے ہی سے ایک بے دلیل دعویٰ بھی چلتا آ رہا تھا کہ آپ ﷺ نے یہ سارا کچھ جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اہل کتاب ہی سے سیکھا ہے، پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو بچپن میں کوئی ایسا کام کرنے دیے جو یا تو منصب نبوت کے شانہ شان نہ ہو اور یا کسی نبی کی بعثت کے بعد ان کے دعوت حق میں رکاوٹ بنے۔

واقعہ نمبر ۳۴

اہل طائف سے منسوب واقعہ

مشرکین مکہ سے مایوس ہو کر آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ اہل طائف کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ طائف مکہ سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر ایک سرسبز علاقہ ہے۔ آپ ﷺ نے وہاں کے سرداروں سے ملاقات کی اور ان تک اللہ کا پیغام پہنچایا، لیکن وہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ بری طرح سے پیش آئے اور آپ ﷺ کی دعوت کو سختی سے رد کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”تم لوگ اگر نہیں مانتے تو کم از کم یہاں میرے آنے کے معاملے کو تو مخفی رکھو۔“ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی یہ بات بھی نہ مانی اور آپ ﷺ کے پیچھے اوباشوں کو لگا دیا، جو آپ ﷺ پر پتھر برساتے تھے۔ آخر کار آپ ﷺ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ وہاں بیٹھ کر آپ ﷺ نے بارگاہ الہی میں اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور دیر تک دعا کرتے رہے^(۱)۔

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، معجم الکبیر اور تاریخ طبری میں موجود ہے۔

واقعہ کا استنادی حیثیت

علامہ البانی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ابن اسحاق نے محمد بن کعب قرظی سے صحیح سند سے مرسل روایت کیا ہے، لیکن انہوں نے آپ کے ارشاد: ”تم لوگ نہیں مانتے تو کم از کم یہاں میرے آنے کے معاملہ کو تو مخفی رکھو۔“ اور آپ کی دعا کو بغیر سند کے بیان کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریر نے بھی اسے ابن اسحاق کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس واقعہ کو طبرانی نے ”المعجم الکبیر“ میں عبد اللہ بن جعفر کی روایت سے مختصر بیان کیا ہے جس میں مذکورہ دعا بھی ہے۔ بیہی کہتے ہیں: ”اس روایت کی سند میں ابن اسحاق ہیں جو ثقہ، لیکن مدلس ہیں۔ اس اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے“^(۲)۔

۱۔ تاریخ ملت، مفتی، زین العابدین، سجاد میرٹھی، ص ۱/۴۸؛ تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، ۱/۱۳۱-۱۳۳؛ سیرۃ المصطفیٰ، مولانا، محمد ادریس صاحب کاندھلوی، ۱/۲۷۴-۲۷۵؛ سیرت محمدیہ (مواہب لدنیہ)، القسطلانی، ۱/۱۸۱-۱۸۳؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ص ۹۸-۱۰۲؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر) مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۴۵؛ سیرت پاک، مولانا قاری محمد طیب صاحب، ص ۱۶۵-۱۷۰؛ تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی، ۱/۳۷؛ سید الانبیاء (الوفا باحوال المصطفیٰ)، عبد الرحمن بن جوزی، ص ۲۶۰

۲۔ فقہ السیرۃ، محمد الغزالی، ص ۳۲

واقعہ کی درایتی حیثیت

اس واقعہ میں مذکور ایک ٹکڑا کہ ”اگر تم لوگ نہیں مانتے تو کم از کم یہاں میرے آنے کے معاملہ کو تو مخفی رکھو“ اس پورے واقعہ کا بے حقیقت ہونے کے لیے کافی ہے۔ پہلی تو یہ بات کہ یہ ٹکڑا ابن اسحاق مدلس نے بغیر سند کا ذکر کیا ہے۔ دوسری بات یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ سید الابرار جن کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور ایمان عام لوگ تو درکنار تمام دوسرے انبیائے کرام سے بھی زیادہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی حفاظت کی گارنٹی بھی دی تھی اس کے باوجود وہ کفار کے سامنے اتنا جھکاؤ اور بزدلی کے مذکورہ الفاظ کیسے استعمال کر سکتا ہے۔ اور آپ ﷺ کے پندرہویں صدی کے کمزور ترین ہندوستانی، برہمن اور دیگر ملکوں میں مسلمان مجاہدین کے سینکڑوں واقعات پڑھنے کو ملتی ہیں کہ وہ کتنی سخت اذیتیں بغیر آہ و بکا کے غیرت ایمانی سے مسکراہٹ کے ساتھ جان دینے تک برداشت کر لیتے ہیں۔

واقعہ نمبر ۳۵

”غرائیقِ علا“ سے منسوب واقعہ

ہجرت حبشہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ مہاجرین حبشہ تک یہ افواہ پہنچی کہ مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو گئی ہے اور مسلمان اذیتوں سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ کچھ مہاجرین واپس لوٹ آئے، مگر جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تو یہ خبر غلط نکلی۔ اس افواہ کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ سورہ نجم کی آیات تلاوت فرما رہے تھے:

﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۖ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۚ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۖ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۚ إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمِيَّتُهَا أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدَىٰ﴾^(۱)

اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات اور اس عزیٰ اور تیسری ایک دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور کیا ہے؟ کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے؟ یہ تو پھر بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی۔ دراصل یہ کچھ نہیں ہیں، مگر بس چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔

تو شیطان نے ”وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ“ کے بعد آپ کے منہ سے یہ نکلوا دیا ”تلك الغرائيق العلا ان شفاعتهن لترتجى“ (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں، ان کی شفاعت ضرور مقبول ہوگی) چنانچہ پوری سورت پڑھنے کے بعد جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مشرکین بھی سجدہ ریز ہو گئے۔^(۲)

۱- سورة النجم: ۵۳/۱۹-۲۳

۲- سیرت محمدیہ (مواہب لدنیہ)، القطلانی، ۱۵۳-۱۵۴

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ مواہب لدنیہ، تاریخ طبری، مذہبی داستانیں، فقہ السیرۃ اور سیرۃ النبی وغیرہ کتب میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

مندرجہ بالا قصہ پر بحث کرتے ہوئے البانی صاحب کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا روایات میں کوئی ثبوت موجود نہیں۔ علامہ صاحب مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”یہ ماننے میں کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ افسانہ بعد میں گھڑا گیا ہو۔ یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس لیے کہ اس کی روایت کسی صحابی سے معتبر سند سے مروی نہیں ہے۔ اور اس کے تمام طرق مرسل ہیں۔ پتہ نہیں عہد نبوت کے کس شخص نے اس کی روایت کی ہے“^(۱)۔

واقعہ کی درایتی حیثیت

شیخ محمد غزالی نے اس قصہ کو سرسری طور پر ذکر کر کے لکھا ہے کہ مذکورہ آیات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے درمیان یہ الحاقی جملے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتے ہیں۔ کاش تاریخ و تفسیر کی کتابوں میں اس انتہائی مہمل اور لغو روایت کو نقل ہی نہ کیا جاتا۔ انہوں نے اس کی یہ تاویل و توجیہ کی ہے کہ سورہ نجم کی آخری آیات میں گزشتہ قوموں کی تباہی و بربادی کا تذکرہ کر کے منکرین حق کو ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔ ممکن ہے ان آیات کی ہیبت سے مشرکین مکہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدہ میں گر پڑے ہوں۔ بعد میں انہیں اپنے اس عمل پر ندامت ہوئی ہو تو انہوں نے بات بنانے کے لیے یہ اڑادی ہو کہ محمد ﷺ نے ان کے بتوں کے لیے کلمات خیر کہے تھے اسی لیے انہوں نے سجدہ کیا تھا^(۲)۔

۱- فقہ السیرۃ، محمد الغزالی، ص ۱۱۸

۲- ایضاً: ص ۱۱۸

واقعہ نمبر ۳۶

آپ ﷺ کی ہجرت سے منسوب واقعہ

”حضرت جبرائیلؑ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم پہنچایا اور ہدایت کی کہ آج رات اپنے بستر پر نہ سوئیں“^(۱)۔

ناقلمین واقعہ

یہ واقعہ سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، مواہب لدینہ، تاریخ ملت، تاریخ اسلام، سیرت مصطفیٰ، سیرت رسول اکرم اور فقہ السیرۃ النبویہ میں کمی و بیشی کے ساتھ مذکور ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سعد اور دلائل النبوة ابی نعیم اصفہانی جیسے متقدمین ماخذوں میں بھی قوی اسناد سے مروی نہیں ہے۔ ابن سعد نے اس کی روایت واقدی سے کی ہے جسے محدثین نے کذاب کہا ہے اور ابن ہشام نے اسے ابن اسحاق سے ایک راوی کے سقوط کے ساتھ یوں روایت کی ہے کہ ”مجھ سے ایک معتبر شخص نے عبد اللہ بن نجیح سے یہ روایت بیان کی ہے“۔ اور اس واقعہ کو ابو نعیم اصفہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوة میں دو ضعیف راویوں فضل اور سلمۃ کے سند سے ذکر کی ہے۔^(۲)

واقعہ کی درایتی حیثیت

محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر واقدی نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ نقل نہیں کیا کہ آخر کار آپ ﷺ کے گھر کے لوگ یعنی آپ ﷺ کی اس وقت بقید حیات زوجہ مبارکہ حضرت سودہؓ، آپ ﷺ کی بیٹیاں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ، آپ ﷺ کی دائی مبارکہ حضرت برکتہ (ام ایمن) اور آپ ﷺ کے منہ بولا بیٹا (لے پالک) حضرت زیدؓ ہجرت کی رات کہاں ٹھہرے تھے؟ صرف حضرت علیؓ کو اکیلے ٹھہرانا کوئی اچھا حسن تدبیر بھی نہیں لگتا کیونکہ اس کا گھر میں اکیلا سلانا کئی ایک خطرات کو جنم لے سکتا تھا وہ یہ کہ سب سے پہلے اکیلے ٹھہرنے میں اس کی ذات کو زیادہ خطرہ ہو سکتا تھا بنسبت نبی کریم ﷺ کی بیوی بچوں کے ساتھ ٹھہرنے کے۔ دوسری بات یہ کہ اگر آپ ﷺ کا خاندان واقعی کسی

۱- فقہ السیرۃ النبویہ، محمد سعید رمضان بوطی، ص ۱۹۳-۱۹۴؛ تاریخ ملت، مفتی زین العابدین، سجاد میرٹھی، / ۵۴؛ تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، ص ۱۵۰-۱۵۷؛ سیرۃ المصطفیٰ، حضرت العلامة مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، ۱/ ۳۵۶-۳۶۷؛ سیرت محمدیہ (مواہب لدنیہ)، احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القطلانی الشافعی، ۱/ ۱۹۱-۱۹۳۔

۲- فقہ السیرۃ النبویہ، ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوطی، ترجمہ: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸-۱۹۔

اور کے گھر ٹھہر جاتا تو کفار مکہ آپ ﷺ کو اپنے بستر پر نہ پاتے ہوئے فوراً آپ ﷺ کی بیوی بچوں کے تفتیش کرتے اور ان کو یا تو معلومات حاصل کرنے کے لیے ڈھونڈ لاتے یا اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے سزا دیتے۔ تیسری بات عرب کے دستور کے مطابق یہ سخت معیوب سمجھا جاتا تھا کہ کسی دشمن کے گھر میں رات کے وقت داخل ہو ایسا ہوا بھی کہ انہوں نے رات کے وقت گھر کو محصور تو رکھا لیکن آپ ﷺ کے گھر میں صبح داخل ہوئے اور یہ دستور آپ ﷺ کو بھی ضرور معلوم ہو گا تو خطرہ نہ ہونے کے باوجود حضرت علیؓ کو ہجرت کی رات آپ ﷺ کا اپنے بستر پر سنانے کی کیا ضرورت تھی۔ لوگوں کی امانتیں تو ویسے بھی حضرت علیؓ نے ان کو دن کے وقت واپس کیں۔

اس کے علاوہ امام بخاری نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری میں کتاب مناقب الانصار میں آپ ﷺ کا واقعہ ہجرت کو ذکر کیا ہے،^(۱) لیکن اس میں حضرت علیؓ کو آپ ﷺ کی بستر پر سونے کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کا وقت ہجرت رات کے بجائے دوپہر کا ذکر کیا ہے لہذا معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت صحیح حدیث کے بالکل خلاف ہے۔^(۲)

واقعہ نمبر ۳

غار ثور میں چھپنے اور کفار کا آپ ﷺ کے تعاقب سے منسوب واقعہ

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت حضرت ابو بکرؓ کے گھر پر گئے، دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی، اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے، حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا: ”کچھ مشورہ کرنا ہے، سب کو ہٹا دو۔“ بولے کہ ”یہاں آپ کے حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔“ (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی) آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔“ حضرت ابو بکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا: ”میرا باپ آپ ﷺ پر فدا ہو، کیا مجھے بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہو گا؟“ ارشاد ہوا ”ہاں۔“ حضرت ابو بکرؓ نے ہجرت کے لیے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں، عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرمائیں، محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا، ارشاد ہوا ”اچھا، مگر بہ قیمت۔“ حضرت ابو بکرؓ نے مجبوراً قبول کیا۔ حضرت عائشہؓ اس وقت کمسن تھیں، ان کی بڑی بہن اسماءؓ نے جو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی ماں تھیں، سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق (جس کو عورتیں کمر سے لپیٹی ہیں) پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک ان کو ”ذات النطاقین“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱ - صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی ﷺ وَاَصْحَابِهِ اِلَى الْمَدِیْنَةِ، حدیث نمبر: ۵۸/۵، ۳۹۰۵

۲ - مشہور واقعات کی حقیقت، ابو عبد الرحمن، الفوزی، ترجمہ: محمد صدیق رضا، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۷۵-۷۸

کفار نے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا، آپ ﷺ نے ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، کعبہ کو دیکھا اور فرمایا: ”مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھ کو یہاں رہنے نہیں دیتے۔“ حضرت ابو بکرؓ سے پہلے بات طے ہو چکی تھی، دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے، یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلاق ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبداللہؓ جو نوخیز جوان تھے، شب کو غار میں ساتھ سوتے، صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں۔ جو کچھ خبر ملتی شام کو آکر آپ ﷺ سے عرض کرتے، حضرت ابو بکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا اور آپ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ ان کا دودھ پی لیتے، تین دن تک یہی غذا تھی، لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا دیتی تھی، اسی طرح تین راتیں غار میں گزاریں۔

صبح کو قریش کی جب آنکھیں کھلیں تو بستر پر آپ ﷺ کی بجائے حضرت علیؓ کو موجود پایا، خالموں نے آپؐ کو پکڑا اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھنے کے بعد چھوڑ دیا۔ پھر آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانے تک آگئے، آہٹ پا کر حضرت ابو بکرؓ غمزدہ ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کی کہ ”اب دشمن اس قدر قریب آگئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾^(۱)

گھبراؤ مت، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

مشہور ہے کہ جب کفار غار کے قریب آگئے تو خدا نے حکم دیا۔ دفعتاً بول کا درخت اگا اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر آپ ﷺ کو چھپا لیا، ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسل بنا کر انڈے دیے، حرم کے کبوتر انہی کبوتروں کی نسل میں سے ہیں^(۲)۔

امام احمد جیسے محدث نے بھی اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے ”مشرکین قدم کے نشانات دیکھتے ہوئے جبل ثور تک پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انہیں کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ پہاڑ پر چڑھے اور اس غار کے پاس سے گزرے جس میں آپ ﷺ حضرت

۱- سورة التوبة: ۴۰/۹

۲- مواہب لدنیہ، علامہ قسطلانی، ۱/۱۸۷-۱۹۰؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر)، مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۵۳؛ تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی، ۱/۴۰-۴۱؛ تاریخ مدینہ منورہ، ص ۴۲-۵۲؛ سید الانبیاء (الوفاباحوال المصطفیٰ)، عبدالرحمن بن جوزی،

ابو بکرؓ کے ساتھ چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کے دہانے پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے: اگر کوئی اس کے اندر گیا ہوتا تو اس کے دہانے پر یہ جالا باقی نہ رہتا۔ آپ ﷺ نے اس غار میں تین راتیں گزاریں^(۱)۔

علامہ شبلی نعمانی اس واقعہ کو سیرۃ النبی میں یوں بیان کرتے ہیں:

نبوت کا تیر ہوا سال شروع ہوا۔ اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ گئے تو وحی الہی کے مطابق آپ ﷺ نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ یہ واقعہ نہایت پر اثر ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہ اس وقت آٹھ برس کی تھیں۔ لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا بیان ہے کہ انہی سے سن کر کہا ہو گا۔ اور ابتدائے واقعہ میں وہ خود بھی موجود تھیں۔ قریش نے جب دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جا رہے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بناء پر انہوں نے دار الندوہ میں جو دار الشوری تھا۔ اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے روساء یعنی عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، نصر بن حارث بن کلدہ، ابوالنختری بن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابو جہل، نبیہ، منبہ اور امیہ بن خلف وغیرہ سب شریک تھے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کی۔ ایک نے کہا محمد کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔ دوسرے نے کہا جلاوطن کرنا کافی ہے۔ ابو جہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص منتخب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ ملکر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا۔ اور اہل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس اخیر رائے پر اتفاق ہو گیا^(۲)۔

اور حضرت ابو بکرؓ سے پہلے یہ قرار داد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب پہلے غار ثور میں چھپ گئے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ عالم اسلام ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبداللہؓ جو نوخیز نوجوان تھے۔ شب کو غار میں سوتے۔ صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں۔ جو نئی خبر ملتی۔ شام کو آکر آپ ﷺ سے عرض کرتے۔ حضرت ابو بکرؓ کا غلام رات گئے بکریاں چرا کر حاضر کرتا۔ اور آپ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ ان کا دودھ پی لیا کرتے۔ تین دن تک یہی غذا معمول تھی۔ لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچاتی تھیں۔ اس طرح آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تین راتیں غار میں گزری۔

۱۔ مسند امام احمد، احمد بن حنبل، تحقیق: شعب الارنؤوط وآخرون، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعة الاولى، ۲۰۰۱ء، حدیث نمبر:

۵۵-۵۴، ۳۲۵۱/۵، ۳۰۱؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر)، مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۵۴-۵۵

۲۔ سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، ۱/۱۶۱-۱۶۳

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو چار پائی پر آپ ﷺ کے بجائے حضرت علیؓ کو پایا۔ تو ظالموں نے آپؐ کو پکڑ کر تھوڑی دیر تک حرم میں لے جا کر رکھا۔ اور پھر چھوڑ دیا۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرت ابن اسحاق، طبقات ابن سعد، دلائل بیہقی، دلائل ابی نعیم، مواہب لدینہ اور مسند احمد میں کمی و بیشی کے ساتھ مذکور ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت کا اصل راوی عون بن عمرو ہے، اس کی نسبت امام فن رجال یحییٰ بن معین کا قول ہے ”لا شیء“ یعنی بچ ہے، امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے۔ اس روایت کا ایک اور راوی ابو معصب مکی ہے، وہ مجہول الحال ہے۔^(۲)

اس واقعہ کی سند پر بحث کرتے ہوئے علامہ البانی کہتے ہیں:

مسند احمد میں یہ روایت عثمان الجزری سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام مقسم نے حضرت ابن عباسؓ سے سن کر یہ روایت بیان کی ہے لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ عثمان الجزری جو عمرو ابن ساج کے بیٹے ہیں^(۳)۔

ان کے بارے میں عقیلی نے لکھا ہے:

”ان کی روایات اتنی ضعیف ہیں کہ ان کے لیے متابعات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں (لا یتابع فی حدیثہ)^(۴)“ اسی لیے حافظ ابن حجر نے ”التقریب“ میں لکھا ہے کہ اس میں ضعف پایا جاتا ہے“^(۵) اور حسن بصری کی روایت جو اس روایت کی شاہد ہے اس سے بھی اس میں کچھ تقویت نہیں پیدا ہوتی، اس لیے کہ ایک تو وہ مرسل

۱- سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، ۱/۱۶۱-۱۶۳

۲- میزان الاعتدال، الذہبی، ۵/۳۶۹

۳- فقہ السیرۃ، محمد الغزالی، تحقیق: علامہ البانی، ص ۱۶۳

۴- الضعفا الکبیر، ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی، (تحقیق: عبدالمعطی قلعجی، دارالمکتبۃ العلمیۃ بیروت، ۱۹۸۴ء، عنوان نمبر: ۱۲۰۵،

۲۰۴/۳

۵- تقریب التہذیب، احمد بن علی بن حجر، ۱۹۸۶ء، ص ۳۸۶

ہے، دوسرے اس کا ایک راوی بشار الخفاف بن موسیٰ ہے جس کے بارے میں ابن معین اور نسائی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔ دیگر ماہرین رجال نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔^(۱)

واقعہ کی درایتی حیثیت

یہ ہجرت کے واقعہ کا ابتدائی حصہ ہے۔ جو مکہ سے غار ثور تک کے واقعات پر مبنی ہے۔ اس حصہ میں خالص طور پر چند امور سامنے آتے ہیں۔

- ۱۔ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے قبل مدینہ چلے گئے تھے۔ اور اپنا مال و متاع بھی ساتھ لے گئے تھے۔
- ۲۔ ہجرت کے روز نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکر کے گھر دوبارہ تشریف لے گئے۔ ایک بار عین دوپہر کے وقت اور ایک بار رات کے وقت دن میں صرف اطلاع دینے تشریف لے گئے تھے۔
- ۳۔ آپ نے ہجرت رات کے وقت اپنے گھر سے فرمائی۔
- ۴۔ اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سلایا۔
- کفار نے آپ ﷺ کے خلاف قتل کا منصوبہ تیار کیا جس میں ابو عبد مناف کے علاوہ تمام قریش کے با اثر اشخاص شامل تھے۔

- ۶۔ سب نے آپ ﷺ کے مکان کو گھیر لیا۔ لیکن آپ اس کے سروں پر مٹی ڈال کر چلے آئے۔
- ۷۔ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تانا۔ اور پرندوں نے انڈے دیئے۔
- ابو بکر کے گھر سے غار ثور تک کے واقعات کا کوئی ذکر حکیم عبد الرؤوف دانا پوری صاحب نے نہیں کیا۔
- یہ تمام واقعات طبری اور ابن سعد میں واقعی اور ابن ہشام میں محمد بن اسحاق سے مروی ہیں۔ جن کا تفصیلی حلیہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن عقلی طور پر بھی یہاں چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔
- ۱۔ ان تمام واقعات کا مشاہدہ کرنے والا کون تھا؟ ابن اسحاق اور واقعی اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔
- ۲۔ ابو بکر کے گھر سے لے کر غار ثور تک کے تمام واقعات جن کا تعلق حضرت ابو بکرؓ اور ان کے گھرانے سے ہے۔

۳۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت رات کے وقت ہوئی۔ حالانکہ اہل مکہ ہمیشہ رات ہی میں سفر کرتے۔ اور رات ہی میں ان کا کاروبار ہوتا۔ جیسا کہ آج تک مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ کہ اہل عرب زیادہ تر رات جاگ کر گزارتے ہیں۔ اور دن میں سوتے ہیں۔ اس لحاظ سے رات کا وقت آمد و رفت کا وقت

تھا۔ اور ہجرت کے لیے انتہائی خطرناک وقت۔ مناسب تو یہ تھا کہ ہجرت دوپہر کے وقت کی جاتی جب گرمی کی شدت کے باعث لوگ گھروں میں بند ہو۔ اور واقعہ بھی ایسا ہی پیش آیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں آرہا ہے۔

۵۔ اگر مٹی ڈالنے سے مقصود یہ تھا کہ وہ دیکھ نہ سکیں تو پھر تو مٹی آنکھوں میں ڈالنی چاہئے تھی۔ سروں پر مٹی ڈالنے سے اس کے علاوہ اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ دشمن ہوشیار ہو جائے اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

۶۔ حکیم عبدالرؤف داناپوری صاحب نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ حضور ﷺ سے قبل تمام صحابہ کرامؓ اپنا مال و متاع لے کر ہجرت کر گئے تھے۔ تو ان کی خدمت میں پہلی عرض تو یہ ہے کہ سب ہی نے تو ہجرت نہیں کی تھی۔ اور متعدد افراد اور عورتیں کفار کے گھروں میں محصور تھیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنا مال و متاع لے کر چلے گئے تھے۔ تو کیا اچھا ہوتا کہ حکیم عبدالرؤف داناپوری اس بات کا مقابلہ قرآن پاک سے کرتے۔ وہ مہاجرین کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ﴾^(۱)

وہ لوگ جو اپنے شہروں اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے۔

اور تاریخ کے ناطے اس پر غور کر لیتے کہ پھر انصار سے ان کے بھائی چارے کی کیا ضرورت تھی۔ اور انصار نے جو اپنے کھجور کے درخت انہیں پیش کیے اس کی کیا ضرورت واقع ہوئی تھی اور ان تمام واقعات کی تفصیل خود حکیم عبدالرؤف داناپوری صاحب اصح السیر نے بیان کی ہے۔ یہ تمام امور اس کی تردید کے لیے کافی ہیں۔ تاریخ کا ہر واقعہ میں یہ نہیں ہوتا کہ آگے پیچھے سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ اور عقل کو بالائے طاق کر دی جائے۔ یہ کام تو وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پیش نظر کوئی خاص مخفی منصوبہ ہو۔

۷۔ حکیم عبدالرؤف کے بقول اس مجلس میں عتبہ، ابوسفیان اور زمعتہ بن الاسود بن المطلب شریک ہی نہ تھے۔ کیونکہ ان تینوں کا تعلق بنو عبد مناف سے تھا۔ اور علامہ شبلیؒ نے ان تینوں کا نام فہرست میں شامل کیا تھا۔ اور اتفاق سے دونوں حضرات نے اس فہرست کے لیے کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔ گویا یہ فہرست تو خود ساختہ ہے اس دور کے جتنے افراد کے نام ذہن میں آتے گئے لکھتے گئے۔ اور اس کا سب سے اہم ثبوت یہ ہے کہ اس فہرست میں حکیم ابن حزام کا نام موجود ہے۔ حالانکہ شبلیؒ نے خود مختلف مقامات پر لکھا ہے کہ یہ زید بن عمرو بن نفیل سے متاثر تھے۔ اسی لیے بت پرستی سے نفرت کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے بچپن کے دوست تھے۔ جنگ بدر انہوں نے رکوانے کی کوشش کی تھی اور جب حضور ﷺ شعب بن ہاشم میں محصور تھے تو یہ چپ کر غلہ بھیجا کرتے تھے۔ ایک جانب تو حالت کفر میں بھی ان کی یہ

خوبیاں گنوائی جائیں اور انہیں حضور ﷺ کا دوست ثابت کیا جائے۔ دوسری جانب منصوبہ قتل میں ان کا نام شامل ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی خاص مقصد کے تحت ہمارے مؤرخین نے ان کا نام شامل کیا ہے۔

علامہ شبلی نے یہ واقعہ صحیح بخاری سے نقل کیا ہے۔ لیکن صحیح بخاری میں یہ ایسا موجود نہیں۔ کیونکہ بخاری میں تو اسی دن کا واقعہ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ اسی وقت ابو بکرؓ کے گھر سے ہجرت شروع ہو گئی۔ شبلی نے ابو بکرؓ کے گھر جانے اور اس تمام گفتگو کو دو تین دن قبل کا واقعہ بیان کیا ہے۔ تاکہ صحیح بخاری کا نام بھی باقی رہے اور واقعی و ابن اسحاق کی روایت بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ دراصل اس مقام پر علامہ شبلی نے دو کشتیوں میں پاؤں ٹکار کھے ہیں یعنی حدیث اور تاریخ۔ اور چاہتے ہیں کہ کوئی کشتی قابو سے باہر نہ ہو۔ لیکن اس کام کے لیے تاریخی واقعہ کا ساتھ چھوڑنے کے لیے تو وہ ہر گز تیار نہیں۔ بلکہ اس کی بقاء کے لیے جا بجا حدیث میں ضرور تحریف سے کام لیا ہے۔

ایک جانب تو یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابو بکرؓ آپ کے ساتھ تھے اور راہ کے تمام واقعات حضرت عائشہؓ نے ان ہی سے نقل کیے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ نے اپنے گھر سے ہجرت کی تھی تو ابو بکرؓ کس وقت، اور کہاں آپ سے آکر ملے۔ حکیم عبدالرؤف نے اس کا یہ حل نکالا کہ رات کو دوبارہ حضور ﷺ کو حضرت ابو بکرؓ کے گھر بھیجا۔ تاکہ آپ وہاں سے زاد راہ لے سکیں اور سواری پر سوار ہو سکیں۔ لیکن شبلی نے زاد راہ تین دن قبل بندھوا لیا۔ حالانکہ کھانا تین روز قبل کوئی نہیں بندھواتا۔ اور وہ اشکالات علیٰ حالہ قائم رہے۔ یہ اشکالات اسی صورت میں دفع ہو سکتے تھے۔ جب کہ صحیح بخاری کی یہ روایت کو من دغن قبول کیا جاتا۔ لیکن پھر حضرت علیؓ کے لیے کانٹوں کا بستر کیسے تیار ہوتا۔ اور ان کی یہ فضیلت کیسے ثابت ہوتی۔ حالانکہ نہ ہر فضیلت ہر صحابی کو حاصل ہوتی ہے اور نہ ہر صحابی کو ہر واقعہ میں زبردستی گھسیٹا جاسکتا ہے۔

شبلی نے کم از کم سروں پر خاک ڈالنے اور پھر ہر ایک کے سر سے خاک جھڑوانے کے عمل کا تذکرہ نہیں کیا۔ کیونکہ انہیں بھی اس کے مہمل ہونے کا احساس ہو گیا۔ لیکن ہم تاکید سے یہ کہتے ہیں کہ بخاری میں گھر کے محاصرہ کرنے اور رات کے نکلنے کا کوئی تذکرہ نہیں۔

حیرت ہے کہ شب کی تاریکی میں کعبہ کیسے نظر آیا۔

یہ جملہ مولانا شبلی نعمانی نے علامہ طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن جب بقول شبلی عرب زنا خانے میں داخل نہیں ہوتے تھے تو پھر مکان میں داخل ہوئے بغیر حضرت علیؓ بستر پر کیسے نظر آ گئے۔

اگر یہ کیا جاتا کہ حضرت علیؓ جب ضرورت سے باہر نکلے تو ان سے پوچھ گچھ کی گئی۔ اسے عقل سلیم قبول کر لیتی۔ لیکن پھر بستر پر سنانے کا عمل بے کار ہو جاتا۔ ہاں طبری کے بیان سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ حضرت علیؓ کے لیے

کوئی خطرہ نہ تھا بلا وجہ بستر کو کانٹوں کا بستر بنایا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ جس رد عمل کو ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی وہاں وہ رد عمل کچھ بھی ظاہر نہ ہوا۔ اور چند منٹ حرم میں بٹھانے کے بعد حضرت علیؓ کو چھوڑ دیا۔

امام بخاری نے اس واقعہ کو جس اعلیٰ سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس پر کتب تاریخ کی تمام سندات قربان کی جا سکتی ہیں۔ یعنی امام یحییٰ بن کبیر، امام لیث بن سعد، عقیل، امام زہری، عروۃ بن الزبیر ان میں سے ہر راوی جہاں ثقہ اور مسلم امام ہیں۔ وہاں ان میں سے ہر ایک اپنے استاد کی خدمت میں سالوں سال رہے ہیں۔ کوئی راہ چلتے سنی سنائی بات نہیں۔ الغرض امام بخاری حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں۔^(۱)

1- صحیح البخاری، الامام محمد بن اسماعیل، تحقیق: زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاة بیروت، ۱۴۲۲ھ، الطبعة الاولى، (حدیث نمبر: ۳۶۵۳، ۳۹۰۵)، ۴-۵/۵۸؛ مذہبی داستانیں، حبیب الرحمن دہلوی، ۱/۱۷۳-۱۸۰

فصل کا تجزیہ

اس فصل میں چھ واقعاتِ سیرت پر استنادی و درایتی حیثیت سے بحث ہو چکی ہے جن میں سے ایک کا تعلق آپ ﷺ کی بچپن جبکہ باقی میں سے دو واقعات کا آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ، دو کا تعلق ہجرتِ مدینہ اور ایک کا تعلق آپ ﷺ کا زمانہ جاہلیت کے ایک موحد قس بن ساعدہ کی تقریر سماعت کرنے سے ہے۔ ان تمام واقعات کا اچھی طرح روایتی و درایتی لحاظ سے جائزہ لیا گیا ہے۔

لہو لہب سے اجتناب والی روایت ضعیف ہے قس بن ساعدہ کے واقعہ سے منسوب قصہ اپنے تمام تر طرق سے ضعیف ہے۔ اہل طائف سے منسوب واقعہ کی روایت بھی ضعیف ہے، غرائیقِ علا والی روایت کا علامہ البانی کے نزدیک کوئی ثبوت ہی نہیں، ہجرت سے منسوب واقعہ قوی سند سے مذکور نہیں، غار ثور میں چھپنے کی بابت واقعہ کی سند میں ایک راوی عون بن عمرو ہے جن کے بارے میں یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ”لا شیء ہے“ یعنی ناقابلِ بھروسہ ہے۔

فصل سوم: مدنی دور کے اہم واقعات

واقعہ نمبر ۳۸

آپ ﷺ سے حضرت علیؓ کی مواخات سے منسوب واقعہ

مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے دوسرا اہم کام یہ کیا کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان ”مواخات“ کرائی، یعنی بعض صحابہؓ کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا۔ وہ ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے تھے حتیٰ کہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اس سلسلے میں شیخ غزالی نے لکھا ہے:

اس اخوت کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اور حضرت علیؓ کے درمیان، حضرت حمزہؓ اور حضرت زیدؓ کے درمیان، حضرت عمرؓ اور حضرت عتبہ بن مالکؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت خارجہؓ کے درمیان مواخات کرائی۔ بعض علماء اس معاملے میں شک کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؓ کے درمیان مواخات ہوئی تھی، لیکن صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا: ”تمہارا میرے نزدیک وہی مقام ہے جو ہارونؓ کا موسیٰؓ کے نزدیک تھا۔“^(۱)

اس سے حضرت ابو بکرؓ کے مقام و مرتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرۃ المصطفیٰ محمد ادریس کاندھلوی، فقہ السیرۃ شیخ غزالی، سیرت پاک محمد طیب، سیرت ختم الانبیاء، مذہبی داستانیں اور سیرۃ النبیؐ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

مذکورہ بالا واقعہ پر علامہ البانی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ہر گز نہیں، مذکور صحیح روایت سے اس واقعہ کی تائید نہیں ہوتی۔ اخوت ثابت کرنے کے لیے مخصوص نص کی ضرورت ہے۔ اس موضوع کے بارے میں تمام روایات کا تتبع کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ان میں سے ہر ایک روایت میں کوئی نہ کوئی کذاب راوی ضرور موجود ہے۔ ان میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جس کی تخریج ترمذی نے حکیم بن جبیر عن جمیع بن عمیر عن ابن عمرؓ کی سند سے کی ہے۔

اس میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے درمیان مواخات کرائی تو حضرت علیؓ آئے، ان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کے درمیان

۱۔ فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۱۹۴-۱۹۵؛ سیرۃ المصطفیٰ، مولانا محمد ادریس صاحب، کاندھلوی، ۱/۳۳۵-۳۳۷

مواخات کرادی۔ لیکن مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ ترمذی نے یہ روایت درج کرنے کے بعد فرمایا ہے: ”یہ حدیث حسن غریب ہے۔“ شارح مبارک پوری نے لکھا ہے: ”حکیم بن جبیر ضعیف ہے۔“

شارح مبارک پوری اور ترمذی دونوں سے اس روایت کی حقیقی علت مخفی رہ گئی۔ اور وہ جمیع بن عمیر ہے۔ ذہبی نے اس کے بارے میں ”المیزان“ میں لکھا ہے: ”ابن حبان نے فرمایا ہے: وہ حدیثیں گھڑتا ہے۔“ مزید فرمایا ہے: ”عمیر سب سے جھوٹا آدمی تھا۔“

اس کی روایت سالم بن ابی حنیفہ الکاهلی نے بھی کی ہے۔ اس کی تخریج حاکم نے حکیم بن جبیر کی متابع روایت کی حیثیت سے کی ہے۔ اس پر ذہبی نے ”تلخیص المستدرک“ میں لکھا ہے: ”جمیع متہم ہے اور کاہلی ہلاک کرنے والا ہے۔“ ابن ابی شیبہ اور موسیٰ بن ہارون نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔

علامہ البانی کہتے ہیں کہ دارقطنی نے لکھا ہے: اس کا شمار حدیثیں گھڑنے والوں میں ہوتا ہے۔^(۱)

واقعہ نمبر ۳۹

غزوہ بدر میں حضرت حبابؓ سے منسوب واقعہ

غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں نے میدان جنگ کے سب سے قریبی چشمے پر پڑاؤ ڈالا۔ اس پر حضرت حباب بن منذرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اگر آپ ﷺ نے یہاں پڑاؤ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈالا ہے۔ تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر جنگی حکمت عملی کے طور پر ایسا کیا ہے تو یہاں پڑاؤ درست نہیں، بلکہ ہمیں چاہئے کہ دشمنوں کے سب سے قریب واقع چشمے پر پڑاؤ ڈالیں، دوسرے کنوؤں کو برباد کر دیں اور اپنے کنوئیں پر حوض بنا کر اسے پانی سے بھر لیں۔ اس طرح جنگ کے دوران ہمارے پاس پینے کے لیے پانی ہوگا، جب کہ دشمن اس سے محروم رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ تجویز پسند آئی، چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا گیا۔^(۲)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرۃ مصطفیٰ عبدالمصطفیٰ اعظمی، سیرۃ رسول اکرم مفتی محمد شفیع، رسول رحمت اور سیرت خاتم الانبیاء میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

۱- فقہ السیرۃ، محمد الغزالی، ص ۱۹۵

۲- سیرت مصطفیٰ، عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی، ص ۱۴۴-۱۴۵؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ص ۱۸۲-

۱۸۳، رسول رحمت، مولانا ابوالکلام آزاد، ص ۲۷۵؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر)، مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۷۴-۷۵

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی کہتے ہیں کہ اس کی روایت ابن ہشام نے ابن اسحاق سے اور انہوں نے قبیلہ بنو سلمہ کے بعض لوگوں سے کی ہے۔ یہ ضعیف سند ہے۔ اس لیے کہ اس میں ابن اسحاق اور بنو سلمہ کے بعض افراد کے درمیان کا واسطہ نامعلوم ہے۔ اس کی روایت حاکم نے موصولاً کی ہے، لیکن اس کی سند میں بعض راوی ایسے ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔ ذہبی نے ”التلخیص“ میں لکھا ہے: ”یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند کمزور ہے۔“ اس کی روایت اموی نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے، جیسا کہ البدایہ میں مذکور ہے، لیکن اس کی سند میں کلبی ہے جو مہتمم بالکذب ہے۔^(۱)

واقعہ کی درایتی حیثیت

یہ واقعہ ابن اسحاق نے عروہ سے نقل کی ہیں جن کی سند صحیح نہیں، کیونکہ ابن اسحاق کے حافظہ میں کلام ہیں البتہ علمائے محققین ان کی حدیث دو شرطوں کے ساتھ قبول کرتے ہیں ایک یہ کہ اگر یہ لفظ ”حدثنا“ کی تصریح کریں دوسرا یہ کہ اگر یہ اوثق راویوں کی مخالفت نہ کریں اور واقعہ کے راوی عروہ تابعی ہے اور شریک واقعہ بھی نہیں تو یہ اسناد مرسل ہو گیا جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے^(۲)۔

اس لیے یہ واقعہ غیر معتبر اور بے بنیاد ہے۔

واقعہ نمبر ۴۰

عروہ بنو نضیر سے منسوب واقعہ

یہود کا ایک دوسرا قبیلہ بنو نضیر تھا جو مدینہ کے مضافات میں آباد تھا اور اس سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔ ایک موقع پر دیت کے ایک معاملے میں رسول اللہ ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ ان کے پاس گئے کہ ان سے کچھ مالی تعاون حاصل کریں۔ اس موقع پر انہوں نے سازش کی کہ آپ ﷺ جس جگہ کھڑے ہوئے تھے اوپر سے ایک بڑا پتھر گرا دیں۔ وحی الہی سے آپ ﷺ کو خبر ہو گئی، آپ ﷺ کسی کو کچھ بتائے بغیر وہاں سے مدینہ تشریف لے آئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے قبیلہ بنو نضیر کو جلا وطن کرنے کا حکم دے دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں دس دن کی مہلت دی اور فرمایا کہ اس کے بعد اس قبیلہ کا کوئی فرد یہاں اگر پایا گیا تو اس کی گردن اڑادی جائے گی^(۳)۔

۱- دفاع عن الحدیث النبوی والسیرة، ناصر الدین، البانی، مؤسسہ و مکتبۃ الخافقین، دمشق، (س ن)، ص ۸۱

۲- ایضاً، ص ۷۱-۷۴

۳- فقہ السیرة، محمد غزالی، ص ۳۰۱-۳۰۲؛ سیرت مصطفیٰ، عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی، ص ۲۳۵-۲۳۹؛ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق

محدث دہلوی، ص ۱۹۴/۲-۱۹۹؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوز السیر)، مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۸۴-۸۵

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرت مصطفیٰ عبدالمصطفیٰ، مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، سیرت ختم الانبیاء محمد شفیع اور فقہ السیرۃ شیخ غزالی وغیرہ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کی روایت ابن سعد نے ”طبقات کبریٰ“ میں غزوہ بنو نضیر کے زیر عنوان بغیر سند کے کی ہے۔ لیکن ابن کثیر کے بیان کے مطابق بیہقی نے اس کی روایت اپنی سند سے محمد بن مسلمہؒ سے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بنو نضیر کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ انہیں صرف تین دن کی مہلت دیں۔ اس سند میں تمام راوی ثقہ ہیں سوائے محمود بن مسلمہ کے۔ ابن ابی حاتم نے ان کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ان کے بارے میں جرح کی ہے نہ کہ تعدیل۔ اس لیے ان کا شمار مجہول لوگوں میں ہوگا۔^(۱)

واقعہ نمبر ۴۱

غزوہ بنی المصطلق سے منسوب واقعہ

رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قبیلہ بنی المصطلق مسلمانوں سے جنگ لڑنے کے لیے خفیہ طور پر بڑے پیمانے پر تیاری کر رہی ہے۔ آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے نکلے اور انہیں مرسیع نامی چشمے پر جالیا۔ شیخ غزالی نے لکھا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن الخطاب کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے سامنے اسلام پیش کریں۔ حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے اعلان کیا: ”لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو، اس طرح تم اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر سکیں گے۔“ ان لوگوں نے انکار کر لیا، چنانچہ دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہو گئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یک مشت حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ پورا قبیلہ گرفتار کیا گیا۔ کفار میں سے صرف دس افراد مارے گئے جبکہ مسلمانوں میں سے صرف ایک شہید ہوا اور وہ بھی اپنی غلطی سے^(۲)۔

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرۃ ابن اسحاق، تاریخ ابن جریر، سیرۃ النبی، سیرۃ ابن ہشام اور زاد المعاد ابن القیم وغیرہ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

۱- فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۳۰۲

۲- ایضاً، ص ۳۰۷-۳۰۸

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ البانی کہتے ہیں کہ اسی سے ملتے جلتے الفاظ میں ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ابن اسحاق کی سند سے مرسل روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کی روایت ابن ہشام نے بھی السیرۃ میں کی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں حضرت عمرؓ کے اہل قبیلہ کے سامنے اسلام پیش کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ زرقانی نے الموہب میں اس اضافہ کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کی بات صحیح ہے۔ ابن قیم نے زاد المعاد میں پہلے اس غزوہ میں قتال ہونے کا تذکرہ کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن خلف نے اپنی سیرت میں اور بعض دیگر حضرات نے بھی یہی بات لکھی ہے لیکن یہ وہم ہے، اس لیے کہ اس غزوہ میں قتال کی نوبت نہیں آئی تھی۔ آپ ﷺ نے مرسیع نامی چشمے سے اس قبیلے پر اچانک حملہ کر کے ان کو گرفتار کر لیا تھا اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیا تھا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ تفصیل کے لیے فتح الباری کا مطالعہ کریں۔^(۱)

واقعہ نمبر ۴۲

عمرۃ القضاء سے منسوب واقعہ

ذی القعدہ سن ۶ ہجری میں پیر کے دن رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ کیا اور صحابہ کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ کی جانب عازم سفر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کو خدشہ تھا کہ قریش خواہ مخواہ آپ سے لڑائی مول لیں گے یا آپ ﷺ کو بیت اللہ جانے سے روکیں گے، مشرکین مکہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ہر قیمت پر تہیہ کر لیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ مشرکوں نے مسلمانوں کو اشتعال دلانے کے لیے متعدد حرکتیں کی، مگر مسلمانوں نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اسی سلسلے میں شیخ غزالی نے ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ قریش نے چالیس افراد کو بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کے لشکر کے گرد چکر لگائیں اور اگر کوئی مسلمان مل جائے تو اسے پکڑ لائے۔ یہ سب لوگ خود پکڑے گئے اور نبی ﷺ کے خدمت میں لائے گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا اور واپس لوٹنے دیا، حالانکہ

ان لوگوں نے اسلامی لشکر پر پتھر برسائے تھے اور ساتھ ہی تیر چلائے تھے۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ تاریخ ملت مفتی زین العابدین، تاریخ اسلام اکبر شاہ، سیرت مصطفیٰ عبدالمصطفیٰ، رحمت عالم سید سلیمان ندوی، سیرۃ رسول اکرم مفتی شفیع اور الوفا بحوالہ المصطفیٰ وغیرہ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کی روایت ابن ہشام نے ابن اسحاق سے کی ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی کا نام مذکور نہیں ہے۔ اسی سے مثل ایک مختصر روایت امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن فضل سے صحیح سند سے بیان کی ہے اس میں قریش کے تیس نوجوانوں کا تذکرہ ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ انہی لوگوں کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِطَنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾^(۲)

وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے
حالانکہ وہ ان پر تمہیں غلبہ عطا کر چکا تھا^(۳)

واقعہ نمبر ۴۳

یہود خیبر کی معرکہ آرائی سے منسوب واقعہ

خیبر کے یہود قلعہ بند ہو گئے تھے۔ ان کے شہ سوار قلعہ سے نکل کر حملہ کرنے کی کوشش کرتے اور پھر قلعہ میں پناہ لے لیتے تھے۔ ان کے ایک مشہور شہ سوار کا نام مرحب تھا۔ اس نے قلعہ سے نکل کر پکارا کہ اس سے مقابلہ کرنے کے لیے کون سامنے آتا ہے؟ شیخ غزالی نے لکھا ہے کہ اس سے مقابلہ کرنے کے لیے حضرت علی بن ابی

۱۔ تاریخ ملت، مفتی زین العابدین، سجاد میرٹھی و دیگر، ۷۶/۱؛ تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، ۱/۲۲۴-۲۳۰؛ سیرت مصطفیٰ، عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی، ص ۲۷۸-۲۸۳؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ص ۲۲۸-۲۲۹؛ رحمت عالم ﷺ، سید سلیمان ندوی، ص ۱۱۱-۱۱۵؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر)، مفتی محمد شفیع، عثمانی، ص ۸۷-۸۸؛ سید الانبیاء (الوفا بحوالہ المصطفیٰ)، عبد الرحمن بن جوزی، ص ۷۲-۷۹

۲۔ سورۃ الفتح: ۲۸/۲۴

۳۔ فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۷۲

طالب آگے بڑھے اور اسے قتل کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اسے قتل کرنے والے حضرت محمد بن مسلمہؓ تھے۔ اسے قتل کر کے انہوں نے اپنے بھائی حضرت محمود بن مسلمہؓ کا انتقام لیا تھا جو دورانِ عمر کہ شہید ہو گئے تھے۔^(۱)

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ مَرَحِب کو حضرت علی بن ابی طالبؓ نے قتل کیا تھا۔ صحیح مسلم اور مستدرک حاکم میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ حاکم نے لکھا ہے: ”بہت سی متواتر روایات سے ثابت ہے کہ مَرَحِب کو قتل کرنے والے حضرت علیؓ تھے۔“

شیخ غزالی نے لکھا ہے کہ مَرَحِب کے قتل کے بعد اس کا بھائی یاسر نکل آیا۔ اس سے حضرت زبیرؓ نے مقابلہ کیا۔ لشکر کے ساتھ ان کی ماں حضرت صفیہؓ بھی تھیں۔ وہ ڈریں کہ کہیں یاسر ان کے بیٹے کو قتل نہ کر دے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ”نہیں، بلکہ ان شاء اللہ تیرا بیٹا اسے قتل کر دے گا۔“ چنانچہ یاسر حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔^(۲) اس واقعہ کے بارے میں علامہ البانی لکھتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے اس کی تخریج ابن ہشام نے ابن اسحاق عن ہشام بن عروہ کی سند سے معضلاً کی ہے^(۳)

واقعہ نمبر ۴۴

غزوہ موتہ سے منسوب واقعہ

غزوہ موتہ ۸ھ میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ہوا تھا۔ مسلمانوں کے لشکر کو روانہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے سپہ سالار زید بن حارثہؓ ہوں گے، اگر وہ شہید ہو جائیں تو پھر عبد اللہ بن رواحہؓ ہوں گے، اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر لیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں سالار لشکر بنالیں۔“ صحیح بخاری، مسند احمد، طبقات ابن سعد۔ صحیح

۱- فقہ السیرۃ، محمد غزالی؛ تاریخ ملت، مفتی زین العابدین، سجاد میرٹھی، ۸۳/۱؛ تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، ۱۸۱/۱-۱۸۳؛ البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ۴/۱۴۷-۱۵۷؛ سیرت مصطفیٰ، عبد المصطفیٰ اعظمی مجدوی، ص ۳۰۹-۳۱۱؛ مدارج النبوة، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ۲/۲۹۶-۲۹۹؛ سید الانبیاء (الوفابا حوال المصطفیٰ)، عبدالرحمن بن جوزی، ص ۲۹-۳۰

۲- فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۳۷۲

۳- ایضاً، ص ۳۷۲

بخاری میں روایت کا آخری حصہ ”اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر لیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں سالار بنالیں“ موجود نہیں ہے۔^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ تاریخ ابن کثیر، تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی، تاریخ ملت مفتی زین العابدین، سیرت مصطفیٰ، رحمت عالم اور فقہ السیرۃ النبویہ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس واقعہ پر بحث کرتے ہوئے ناصر الدین البانی کہتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ میں چند باتیں قابلِ گرفت ہیں:

اول: صحیح بخاری، مسند احمد اور طبقات ابن سعد کا حوالہ دے کر یہ لکھنا کہ روایت کا آخری حصہ صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے، یہ مفہوم دیتا ہے کہ وہ حصہ مسند احمد میں موجود ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ روایت مسند احمد میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ (میں نے فقہ السیرۃ للغزالی کی تخریج میں اس کے صفحات نمبر درج کر دیے ہیں) لیکن یہ اضافہ کسی جگہ نہیں ہے۔

دوم: صحیح بخاری کی روایت ہوتے ہوئے طبقات ابن سعد کی روایت کو ترجیح دینا درست نہیں ہے کیوں کہ صحیح بخاری کی تمام روایات صحیح ہیں، جب کہ طبقات ابن سعد کا حال ایسا نہیں ہے۔

سوم: یہ حدیث طبقات ابن سعد میں بلا سند مذکور ہے۔ ابن کثیر نے البدایہ میں اس کی جو سند بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سعد نے اس روایت کو اپنے شیخ واقدی سے لیا ہے جو متہم بالوضع ہے۔ واقدی ہی کی سند سے ابن عساکر نے بھی اسے اپنی کتاب تاریخ دمشق میں بیان کیا ہے^(۲)

واقعہ کی درایتی حیثیت

اس روایت کے آخر میں ایسی بات ہے جو اس کے منکر اور باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں ہے کہ ”جب اہل مدینہ کو لشکرِ موتہ کے واپس آنے کی خبر ملی تو انہوں نے اسے مقامِ جرف میں جالیا، ان کے چہروں پر مٹی ڈالنے لگے اور کہنے لگے: بھاگنے والو! تم اللہ کے راستے سے بھاگے ہو“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ لوگ بھاگنے والے نہیں

۱- تاریخ ملت، مفتی زین العابدین، سجاد میر ٹھی، ۸۵-۸۶؛ تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، ۱/ ۲۴۳-۲۴۴؛ سیرت مصطفیٰ، عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی، ص ۳۲۰-۳۲۵؛ فقہ السیرۃ النبویہ، محمد سعید رمضان البوطی، ص ۳۷۹-۳۸۳؛ رحمت عالم ﷺ، سید سلیمان ندوی، ص ۱۲۷-۱۲۹؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ۴/ ۱۹۸-۲۰۱۔

۲- دفاع عن الحدیث النبوی والسیرۃ، علامہ ناصر الدین البانی، ص ۳۳

ہیں، بلکہ ان شاء اللہ پھر حملہ کرنے والے ہیں“^(۱)۔ جب کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔ ”یہاں تک کہ اللہ کے تلواروں میں سے ایک تلوار نے علم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔“
یہ بات ناقابل فہم ہے کہ جس لشکر کو اپنی تعداد اور سامان جنگ میں کمی کے باوجود روم کے عظیم الشان لشکر پر فتح حاصل ہوئی ہو، مسلمان اس کا استقبال اس پر مٹی ڈال کر کریں اور اسے راہ فرار اختیار کرنے والا کہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ ڈاکٹر بوٹی نے صحیح بخاری کی حدیث نقل کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے: ”اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے اخیر میں فتح حاصل ہوئی تھی۔“ اس کے باوجود طبقات ابن سعد کے اس اضافہ کو نقل کیا ہے اور اس کی یہ تاویل ہے: مسلمانوں نے یہ بات اس لیے کہی تھی کیوں کہ رومی جب شکست کھا کر بھاگنے لگے تو مسلمانوں نے ان کا پیچھا نہیں کیا تھا“ جب کہ یہ تاویل بعید ہے۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں اس منکر روایت کو ابن اسحاق کی سند سے عروہ سے مرسل بیان کیا ہے، پھر لکھا ہے: ”یہ روایت اس سند سے مرسل ہے۔ اس میں غرابت پائی جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابن اسحاق کو اس سلسلے میں وہم ہو گیا ہے اور انہوں نے گمان کر لیا کہ فرار ہونے والی بات مسلمانوں نے لشکر سے کہی تھی۔ حالانکہ یہ بات ان لوگوں سے کہی گئی تھی جو میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ رہے بقیہ لوگ جنہوں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے فتح یاب ہونے کی خوش خبری دی تھی، مسلمانوں نے انہیں بھگوڑے نہیں کہا تھا بلکہ ان کا اعزاز و اکرام کے ساتھ استقبال کیا تھا“^(۲)

واقعہ نمبر ۴۵

فضالہ بن عمیر سے منسوب واقعہ

فتح مکہ کے موقع کے واقعات کے ضمن میں شیخ غزالی نے بیان کیا ہے۔ کہ فضالہ بن عمیر^(۳) رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے قریب ہوا۔ آپ ﷺ اس کی نیت بھانپ گئے۔ اسے بلا کر دریافت کیا: کیا سوچ رہے تھے؟ اس نے جواب دیا: ”کچھ نہیں، اللہ کو یاد کر رہا تھا“ یہ سن کر آپ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا: اللہ سے معافی مانگو، پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھ دیا۔ فضالہ نے بیان کیا کہ جوں ہی آپ ﷺ نے میرے سینے سے ہاتھ

۱- دفاع عن الحدیث النبوی والسیرۃ، علامہ ناصر الدین البانی، ص ۳۱

۲- ایضاً، ص ۳۱-۳۲

۳- فضالہ بن عمیر: آپ کے والد کے نام میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک عبد اللہ اور بعض کے نزدیک وہب تھا۔ فتح مکہ کے دن بتوں کو توڑنے کے بارے میں اشعار انہوں نے کہے تھے۔ آپ کا تعلق بصرہ سے تھا (اسد الغابہ، ابن اثیر، ۲/ ۳۹۷)

ہٹایا، آپ ﷺ کی ذات گرامی مجھے اتنی محبوب ہو گئی کہ اللہ کی تمام مخلوق میں مجھے آپ ﷺ سے زیادہ اور کوئی محبوب نہ تھا" (۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ فقہ السیرۃ شیخ غزالی، مواہب لدنیہ، دلائل النبوة ابی نعیم اصفہانی اور سیرۃ النبی میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت کے بارے میں علامہ البانی کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اسے ابن ہشام نے سند متصل کے ساتھ نقل نہیں کیا بلکہ معضل سند سے روایت کیا اور بولا ہے کہ مجھے یہ حدیث ایک ایسے آدمی نے بیان کیا جو ثقہ ہے۔ اس کے علاوہ علامہ صاحب کہتے ہیں کہ فضالہ بن عمیر نے جاہلیت کا دور پایا ہے سرے سے مسلمان بھی نہیں۔ (۲)

واقعہ نمبر ۴۶

غزوہ طائف سے منسوب واقعہ

غزوہ حنین میں شکست کھانے کے بعد قبیلہ ثقیف کے لوگ طائف واپس آکر اپنے قلعوں میں محصور ہو گئے۔ آپ ﷺ نے بھی صحابہ کے ساتھ طائف کا رخ کیا۔ آپ ﷺ نے تقریباً پندرہ دنوں تک ان کا محاصرہ کیا، لیکن فتح نہ ہو سکا تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ پہلے صحابہ کی رائے محاصرہ جاری رکھنے کی تھی، مگر پھر وہ محاصرہ اٹھانے پر تیار ہو گئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ نے حضرت نوفل بن معاویہ سے مشورہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہاں ٹھہرنے کے سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ انہوں نے جواب دیا: ”اے اللہ کے رسول! سانپ سوراخ میں ہے۔ اگر آپ ﷺ ٹھہرے رہیں گے تو اسے پکڑ لیں گے اور اگر اسے چھوڑ دیں گے تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔“ (۳)

۱- دفاع عن الحدیث النبوی والسیرۃ، علامہ ناصر الدین البانی، ص ۳۱؛ سیرت محمدیہ (مواہب لدنیہ)، احمد بن محمد بن ابی بکر، الخطیب القطلانی الشافعی، ۱/ ۴۲۴

۲- دفاع عن الحدیث النبوی والسیرۃ، ناصر الدین البانی، ص ۳۳

۳- فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۴۳۲-۴۳۱؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ص ۲۶۶-۲۶۷؛ البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ۴/ ۲۷۰-۲۶۶؛ سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر) مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۹۵

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرۃ رسول اکرم، تاریخ ابن کثیر، سیرۃ خاتم الانبیاء، رحمۃ للعالمین، سیرت رسول پاک، فقہ السیرۃ اور سیرۃ النبی وغیرہ میں کمی و بیشی کے ساتھ مذکور ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی شیخ غزالی کی نقل کردہ اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ بہت ضعیف ہیں کیونکہ یہ واقعہ واقدی نے روایت کیا ہے جیسا کہ (البدایۃ والنہایۃ) میں مذکور ہے^(۱) اور واقدی متہم بالکذب ہے۔^(۲)

واقعہ نمبر ۴

حضرت عثمانؓ کی فیاضی سے منسوب واقعہ

غزوہ تبوک کے موقع پر اصحاب ثروت مسلمانوں نے دل کھول کر اپنا مال و اسباب اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ غزالی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس معاملے میں خوب فیاضی دکھائی اور بہت سے صحابہ کرامؓ پر سبقت لے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے خوش ہو کر اللہ سے دعا کی: ”اے اللہ تو عثمان سے راضی ہو جا، میں بھی اس سے خوش ہوں“^(۳)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ مدارج النبوة شیخ عبدالحق، سیرت خاتم الانبیاء، فقہ السیرۃ شیخ غزالی، سیرۃ رسول اکرم ﷺ اور سیرۃ النبی میں مذکور ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

علامہ البانی کہتے ہیں کہ اس روایت کا مذکورہ الفاظ کے ساتھ سند بہت ضعیف ہے۔ اسے ابن ہشام نے معضل سند سے روایت کیا ہے۔ نیز اس کی روایت ابن شاہین نے اپنی ”کتاب شرح مذاہب اہل السنة“ میں حضرت عائشہؓ سے کی ہے، لیکن اس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا دوسرے موقع پر کی تھی۔ اس کی سند بہت ضعیف، بلکہ موضوع ہے۔ آپ ﷺ نے حبش العسرة (غزوہ تبوک) کے موقع پر حضرت عثمانؓ کے بارے میں فرمایا تھا: ”آج

۱- البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ۴/۲۶۶-۲۶۷

۲- فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۴۳۲؛ میزان الاعتدال، ذہبی، ۳/۶۶۲-۶۶۶

۳- مدارج النبوة، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ۲/۴۰۷؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مفتی محمد شفیع، ص ۲۶۷

کے بعد عثمان جو کچھ کریں انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔“ اسے ابن شاہین، حاکم اور دیگر محدثین نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ سے روایت کیا ہے۔^(۱)

واقعہ نمبر ۲۸

منافقین کے بہانے سے منسوب واقعہ

غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر طرح طرح کے حیلے بہانے تراشے اور آپ ﷺ کے ساتھ جہاد پر نکلنے سے معذرت ظاہر کی۔

غزوہ تبوک کے موقع پر منافق جد بن قیس خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ”اے اللہ کے رسول! مجھ کو معذور سمجھئے اور فتنے میں نہ ڈالیے۔ اللہ کی قسم میری قوم خوب جانتی ہے کہ مجھ سے زیادہ عورتوں کا شوقین کوئی نہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں بنو اسفر کی عورتوں کو دیکھ لوں گا تو خود پر قابو نہ رکھ سکوں گا۔“ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا۔^(۲)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، مدارج النبوت، فقہ السیرۃ شیخ غزالی، مذہبی داستانیں اور سیرۃ النبی میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ البانی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت ابن ہشام نے ابن اسحاق سے مرسل سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ اسی طرح اس کی روایت ابن جریر نے ابن اسحاق سے کی ہے۔^(۳)

۱- فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۳۳۸

۲- ایضاً: ص ۳۳۹؛ سیرۃ رسول اکرم ﷺ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ۲/ ۴۱۰-۴۱۱

۳- فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۳۳۹

واقعہ نمبر ۴۹

حضرت محمد ﷺ کا مرض وفات سے منسوب واقعہ

مرض الموت کے وقت ”آپ ﷺ کے سامنے پانی کا ایک کٹورا تھا۔ آپ ﷺ دونوں ہاتھ پانی میں ڈالتے، پھر چہرے پر پھیر لیتے اور فرماتے: اے اللہ موت کے سکرات برداشت کرنے میں میری مدد فرما۔“^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرۃ رسول اکرم مفتی شفیع، فقہ السیرۃ النبویۃ محمد سعید رمضان، الوفا باحوال المصطفیٰ عبد الرحمن بن جوزی اور فقہ السیرۃ شیخ غزالی وغیرہ میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت کے بارے میں علامہ البانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ترمذی وغیرہ نے اسے موسیٰ بن سرجس کی سند سے روایت کی ہے، اور امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہہ کر ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ موسیٰ مجہول ہے کسی نے بھی اس کی توثیق نہیں کی ہے۔“^(۲)

واقعہ نمبر ۵۰

آپ ﷺ کے آخری لمحات سے منسوب واقعہ

آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری دنوں میں لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اپنی دانست میں کسی شخص پر کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی ہے، لیکن اگر کسی کو مجھ سے شکایت ہے تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگو! جس شخص کو اپنے بارے میں کچھ اندیشہ ہو، وہ اٹھ کر بیان کرے، میں اس کے لیے دعا کروں گا۔“ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! میں جھوٹا ہوں، بدگو ہوں، بہت زیادہ سوتا ہوں۔“ نبی ﷺ نے اس کے حق میں دعا کی: ”اے اللہ! اسے سچائی اور ایمان کی توفیق عطا فرما اور اسکی نیند دور کر دے۔“ ایک دوسرا شخص اٹھا اور کہنے لگا: ”اے اللہ کے رسول! میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں، میں نے ہر طرح کا گناہ کیا ہے۔“ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اس سے کہا: ”تم نے اپنے آپ کو رسوا کر دیا۔“ نبی ﷺ نے

۱- فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۴۹۹؛ فقہ السیرۃ النبویۃ، محمد سعید رمضان، ص ۴۹۵۔ سیرت خاتم الانبیاء: (اجز السیر)، مفتی محمد شفیع

عثمانی، ص ۱۰۱-۱۰۲؛ سید الانبیاء (الوفا باحوال المصطفیٰ)، عبد الرحمن بن جوزی، ص ۷۸۸-۷۸۹

۲- فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۴۹۹

فرمایا: ”اے ابن خطاب! دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے ہلکی ہے۔ اے اللہ، اسے سچائی اور ایمان کی توفیق عطا فرما اور اس کا معاملہ بہتر فرما۔“^(۱)

ناقلین واقعہ

یہ واقعہ سیرت خاتم الانبیاء، رحمۃ للعالمین، مدارج النبوت، فقہ السیرۃ شیخ غزالی اور سیرۃ النبی میں کمی و بیشی کے ساتھ موجود ہے۔

واقعہ کی استنادی حیثیت

اس روایت کے بارے میں علامہ البانی میں لکھا ہے کہ یہ روایت بہت ضعیف ہے۔ اسے عقیلی نے الضعفاء میں اور بیہقی نے الدلائل میں قاسم بن یزید بن عبد اللہ بن قسیط عن ابیہ عن عطاء عن ابن عباس عن اخیه الفضل کی سند سے روایت کیا ہے۔ علی بن المدینی نے فرمایا ہے: ”میرے نزدیک عطاء سے مراد عطاء بن یسار ہیں“ حالانکہ اس روایت کی اصل نہ عطاء بن ابی رباح کی حدیث میں ہے نہ عطاء بن یسار کی حدیث میں: میرا گمان ہے کہ یہ عطاء خراسانی ہے، اس لیے کہ وہ حضرت ابن عباسؓ سے مرسل روایت کرتا ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے: ”میرا گمان ہے کہ یہ روایت جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے۔“ اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: ”اس روایت کی سند اور متن دونوں میں شدید غرابت پائی جاتی ہے۔“^(۲)

فصل کا تجزیہ

اس فصل میں تیرہ واقعات سیرت مذکور ہیں جن میں سے آٹھ کا تعلق آپ ﷺ کے غزوات سے متعلقہ امور سے ہیں جبکہ باقی پانچ میں سے دو کا تعلق آپ ﷺ کے مرض الموت اور تین کا تعلق دیگر مختلف امور عمرۃ القضاء، مواخات علیؓ اور فضالہ بن عمیر کے خفیہ سازش سے ہیں۔

مذکورہ سات واقعات کو ابن ہشام نے ابن اسحاق مدلس سے مرسل سند کے ساتھ روایت کی ہیں جبکہ باقی ماندہ چھ واقعات میں سے دو کو ابن سعد نے ایک واقدی کی سند سے اور دوسرے بغیر سند کے روایت کی ہے۔ اور چار کے سلسلہ سند میں واقدی، عطاء خراسانی، جمیع اور موسیٰ بن سر جس جیسے واضعین حدیث موجود ہیں۔

اس کے علاوہ ہر واقعہ درایتی اعتبار سے بھی بے بنیاد معلوم ہوتا ہے اس لیے زیر بحث واقعات پر جگہ جگہ درایتی روشنی بھی ڈالی گئی ہے، جس سے روایات کی درایتی حیثیت کا اندازا بھی لگایا جاسکتا ہے۔

۱- سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر)، مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۱۰۲-۱۰۳

۲- فقہ السیرۃ، محمد غزالی، ص ۴۹۶

علماء محققین کی علمی کاوش کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ انہوں نے کس طرح ایک ایک واقعہ کو ذکر کیا اور اس کے بارے میں تمام تر تفصیل ذکر کر دی۔ اور یہ کام تقریباً ہر دور کے علماء نے اپنے زمانے کی ضرورت کے مطابق انجام دیا۔ آئندہ بھی اس کی ضرورت باقی رہے گی۔ کہ علماء محققین اپنی صلاحیتوں کو اسلام کی خدمت میں صرف کریں اور جہاں کہیں سقم محسوس کریں اسے واضح کریں۔

فصل چہارم: کتب سیرت میں واقعات سیرت کا ایک مطالعاتی جائزہ

موجودہ حالات میں امت مسلمہ کے اختلافات، انتشار اور فرقوں میں تقسیم کو دیکھتے ہوئے ایک معتدل اور امت کا درد رکھنے والا سیرت نگار ضرور تاریخ اسلامی کی تدوین جدید کی آواز اٹھائے گا، تدوین جدید کے لیے کیا جانے والا جدید مطالعہ درج ذیل نکات کی روشنی میں ہو تو زیادہ مفید، مؤثر اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے:

۱۔ شریعتِ مطہرہ میں درایت و عقل کے خلاف روایت مردود ہے، چنانچہ علماء نے صراحت کی ہے کہ جو روایت بھی درایت اور عقل کے خلاف ہو، یا اصولِ شریعت کے مناقض ہو تو جان لیں تو وہ روایت موضوع ہے اور اس کے راویوں کا کوئی اعتبار نہیں اسی طرح جو روایت حس اور مشاہدہ کے خلاف ہو، یا قرآن کریم، سنت متواترہ اور اجماع قطعی کے متباہن ہو تو وہ روایت بھی قابل قبول نہیں۔^(۱)

۲۔ صحابہ و ائمہ دین کی عیب جوئی سے متعلق کوئی روایت بھی قابل اعتبار نہیں، کیونکہ روایات وضع کرنے والوں میں بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین کی برائیاں اور عیب بیان کرنے کے لیے، یا اپنے دیگر مذموم اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے صحابی کی طرف منسوب روایات وضع کی ہیں، ان کا یہ عمل یا بغض و عناد کی وجہ سے ہے یا تعصب و فساد کی وجہ سے ہے، پس ان لوگوں کی روایات کا کوئی اعتبار نہیں، جب تک کہ ان کی کوئی معتمدہ سند نہ پائی جائے، یا سلف صالحین میں سے کسی نے اس پر اعتماد کا علم نہ ہو جائے۔^(۲)

علامہ نووی نے قاضی عیاض اور علامہ مازری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ہر بُری خصلت کی ان سے نفی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا اگر ان کے بارے میں کسی روایت میں اعتراض پایا جائے اور اس کی صحیح تاویل کی کوئی گنجائش بھی نہ نکل سکے تو اس صورت میں ہم اس روایت کے راویوں کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے۔^(۳)

عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ اس بارے میں اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کی مناسب تاویل کی جائے اور اگر مناسب تاویل ممکن نہ ہو تو اس روایت کو رد کر کے سکوت اختیار کرنا واجب ہے اور طعن کو

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ص ۷۷ مقالہ هذا

۲۔ الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الکلمة، ابو الحسنات، عبد الحی لکھنوی، تحقیق: عبد الفتاح ابو غدة، مکتبة المطبوعات الاسلامیة، بیروت، ۱۹۸۲م، ص ۲۹

۳۔ المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، النووی، کتاب الجہاد، باب حکم الفیء، ۲/۱۲؛ شرح آلفیة العراقی المسماة بالتبصرة والتذکرة، أبو الفضل، زین الدین عبد الرحیم، العراقی، دار الکتب العلمیة، بیروت، (سن)، ۳/۲۳-۲۶

بالیقین ترک کرنا ہوگا، اس لیے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے تمام صحابہ کرامؓ سے مغفرت اور جنت کا وعدہ کیا ہے۔^(۱)

۳۔ نہایت اعتدال کے ساتھ ان تمام سیرت نگاروں اور مؤرخین کی کتابوں سے ثقہ اور جھوٹے ہر دوراویوں کی روایات میں تمیز کی جائے، جنہوں نے اپنی کتابوں میں دونوں طرح کی روایات کو جگہ دی ہے، جیسا کہ خلیفہ بن خیاط، محمد بن سعد، زبیر بن بکار، موسیٰ بن عقبہ، وہب بن منبہ، ابن جریر طبری اور ابن اثیر وغیرہ۔

۴۔ سیرت اور تاریخی روایات کی سند اور متن ہر دو اعتبار سے نقد و تمحیص و تحقیق کے مسلمہ قواعد کی روشنی میں جائزہ لے کر ان پر محتاط و محققانہ کلام کیا جائے۔

۵۔ اس بات میں بھی تفریق ضروری ہے کہ مؤلف اور صاحب تاریخ خود تو ثقہ ہیں، لیکن اس نے نقل واقعات و روایات میں دروغ گو اور کذاب راویوں پر اعتماد کیا ہے، جیسا کہ ابن جریر طبری کا حال ہے، ایسی صورت میں اس سیرت نگار اور مؤرخ کی صرف ثقہ راویوں والی روایات مقبول قرار پائیں گی، دروغ گو و کذاب راویوں کی روایات مردود سمجھی جائیں گی۔

۶۔ اگر صاحب سیرت و تاریخ خود کذاب و دروغ گو ہو تو پھر اس کی کتاب میں موجود ثقہ لوگوں کی روایات بھی غیر معتبر قرار دے دی جائیں گی۔

۷۔ اصل اور ضابطہ تو کذاب راویوں کی روایات کے بارے میں عدم قبولیت کا ہے، البتہ اگر ان کی کوئی روایت، قرآن کریم، سنت مبارکہ اور اجماع امت کے مخالف نہ ہو تو دیگر ثقہ راویوں کی روایت کی تائید میں قرائن و مرجحات کی موجودگی میں قبول کرنے کی گنجائش ہوگی۔

۸۔ دینی امور، صحابہ کرامؓ، ائمہ و سلف صالحین کے علاوہ دیگر دنیاوی معاملات میں اگر کسی ثقہ راوی کی روایت دستیاب نہ ہو تو بصورت مجبوری دروغ گو راویوں سے منقول روایات نقل واقعہ کی غرض سے ذکر کرنے کی گنجائش ہوگی، مگر اس سے علم یقین حاصل نہ ہوگا۔

۹۔ سیرت، تاریخ اور تحقیق کے نام پر محض مؤرخین کی ذکر کردہ روایات سے اخذ کردہ نتائج بھی غیر مقبول شمار ہوں گے، البتہ حقیقی اور مسلمہ اصولوں کے تحت روایت قابل قبول قرار پائے تو اس سے ماخوذ نتائج درست قرار دیے جائیں گے۔

۱۰۔ اس پورے عمل کے دوران اس بات کا استحضار رہے کہ ہماری تاریخ دروغ گو مکتبہ فکر کی اغواکاری کا شکار رہی ہے، لہذا معمولی سی غفلت بھی موجودہ اور آئندہ آنے والی امت مسلمہ کی نسلوں میں تشکیک، تحریف، تضلیل، ائمہ

۱۔ النہیۃ عن طعن امیر المؤمنین معاویہ، عبدالعزیز بن أحمد بن الحامد القرشی الفرہاری الملتانی، تعلیق: أحمد بن عبدالعزیز بن محمد

التوہجری، غراس للنشر والتوزیع، الکویت، ۱۴۲۲ھ، الطبعة الأولى، ص ۶۶

دین و اسلاف سے بیزاری اور گروہی اختلافات کی آڑ میں ان تاریخی روایات کی بنیاد پر کُشت و خون کی ہولیاں کھیلے جانے کا سبب بن سکتی ہے^(۱)۔

۱ - مدرسۃ الکذاہین فی روایۃ التاریخ الاسلامی و تدوینہ، خالد کبیر علال، ص ۵۳

باب چہارم

تناقض اور اختلاف کے اسباب اور اُن کا حل

فصل اول:	واقعات میں اختلاف کے اہم اسباب
فصل دوم:	قدیم محدثین کا طریقہ دفع اختلاف
فصل سوم:	اہم معاصرین علماء کا طریقہ دفع اختلاف

فصل اول: واقعات میں اختلاف کے اہم اسباب

واقعات میں اختلاف کے اسباب ویسے تو کثیر تعداد میں ہیں، ہم یہاں صرف چند اہم اور بنیادی اسباب کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

غیر معتبر واقعات کے اسباب کا اختلاف

علمائے حدیث نے غیر معتبر واقعات کے درج ذیل اسباب بیان کی ہیں۔

۱۔ زندیقوں اور بے دینوں کا فرقہ: ان کے پیش نظر شریعت کو باطل قرار دینا اور اس کا مذاق اڑانا تھا چنانچہ ابن راندوی زندیق^(۱) نے یہ حدیث گھڑی تھی:

”الْبَاذِجَانُ لِمَا أُكِلَ لَهُ“^(۲)

”بیگن جس مرض کے لیے کھایا گیا تو اس سے شفا ہوگی۔“

۱۔ ابن راندوی کا نام احمد بن یحییٰ بن اسحاق راندوی تھا، یہ شخص پہلے معتزلی تھا، پھر اور بھی آگے نکل گیا۔ عالم کو قدیم کہنے لگا اور خالق کا قائل نہیں رہا آخر میں بالکل دہریہ ہو گیا تھا۔ شریعت پر بھی اعتراض کرتا تھا، اس نے شریعت کے رد میں کتابیں لکھی تھی جن کا متکلمین نے منہ توڑ جواب لکھا تھا۔

حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں: كنت أسمع عنه بالعظام حتى رأيت في كتبه ما لم يخطر على قلب أن يقوله عاقل. (المنتظم، ابن الجوزي، تحقيق: محمد عبد القادر عطا، مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۹۹۲ م، الطبعة الأولى، ۱۳/۱۰۸)

”میں اس کے بارے میں بڑی بڑی باتیں سنتا تھا یہاں تک کہ میں نے اس کی کتابوں میں وہ باتیں دیکھ لیں جن کے متعلق کسی عقلمند آدمی کے دل میں ان باتوں کو زبان سے نکالنے کا کبھی خیال بھی نہیں گزر سکتا۔“

اور امام ابن عقیل کے حوالے سے لکھتے ہیں: وعجبي كيف عاش وقد صنف الدماغ، يزعم أنه قد دمع به القرآن، والمزمر يزري به على النبوات، ثم لا يقتل. (المنتظم، ۱۳/۱۱۰)

”تجربہ ہے کہ وہ زندہ کیسے رہا، اسے قتل کیوں نہیں کیا گیا، اس نے ”دماغ“ تصنیف کی جس سے بزعم خویش قرآن کا مقابلہ کیا اور ”زمرد“ لکھی جس سے نبوت پر عیب چینی کی۔“

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: كان يلازم الرافضة والزندقة. ”رافضیوں اور زندیقوں کی صحبت میں رہتا تھا۔“ (العبر فی خبر من غبر، محمد بن أحمد بن عثمان، الذهبي، تحقيق: محمد السعيد بن بسويو زغلول، دار الكتب العلمية، بيروت، (سن)، ۱/۲۳۹)

۲۔ عبالہ نافعہ، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، مطبع مجتہائی دہلی، (سن)، ص ۳۱

اس سے اس کی غرض محض شریعت کا مذاق اڑانا اور درج ذیل حدیث پر تعرض کرنا ہے:

”ماء زمزم لِمَا شَرِبَ لَهُ“^(۱)

”آب زمزم جس ارادے سے پیا جائے تو وہ پورا ہوگا“

رہی بیگن کھانے کی فضیلت والی روایت تو اس سلسلے میں حافظ ابن قیم^(۲) لکھتے ہیں:

فِي الْحَدِيثِ الْمَوْضُوعِ الْمُخْتَلَقِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْبَازِئُجَانُ لِمَا أُكِلَ

لَهُ"، وَهَذَا الْكَلَامُ مِمَّا يُسْتَفْهِحُ نِسْبَتَهُ إِلَى أَحَادِ الْعُقَلَاءِ، فَضْلاً عَنِ الْأَنْبِيَاءِ.^(۳)

”یہ روایت موضوع ہے، یہ کسی عاقل آدمی کا کلام نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ اس کی نسبت انبیائے کرام کی طرف کی

جائے۔“

ایک اور زندیق محمد بن شامی تھا جسے زندقہ کے جرم میں پھانسی دی گئی تھی، اس نے ایک روایت وضع کی ہے:

"أَنَا خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نَبِيٍّ بَعْدِي إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ"^(۴)

”میں انبیاء کا خاتم ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر جو اللہ چاہے۔“

امام جو رقانی^(۵) لکھتے ہیں:

"هَذَا اسْتِثْنَاءٌ مَوْضُوعٌ بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ وَلَا حُمَيْدٍ، وَإِنَّمَا هُوَ مِنْ مَوْضُوعَاتِ مُحَمَّدِ

بْنِ سَعِيدٍ الشَّامِيِّ، الْمَصْلُوبِ فِي الزَّنْدَقَةِ، كَانَ لَعْنَةُ اللَّهِ وَضَاعًا كَذَابًا، فَوَضَعَ هَذَا الْاسْتِثْنَاءَ فِي هَذَا

الْحَدِيثِ، وَدَعَا النَّاسَ إِلَيْهِ، حَدَّثَهُمْ بِهِ لِيُوقِعَ فِي قُلُوبِهِمُ الشَّكَّ، وَهَذَا الْاسْتِثْنَاءُ عِنْدَ الْمُسْلِمِينَ كُفْرٌ

۱۔ المستدرک علی الصحیحین، أبو عبد اللہ، الحاکم محمد بن عبد اللہ، المعروف بابن البیج، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیة،

بیروت، ۱۹۹۰ء، الطبعة الأولى، کتاب المناسک، باب الشرب من زمزم، حدیث نمبر: ۱۷۳۹، ۱/۶۲۶

۲۔ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد زری، اکثر و بیشتر علوم اسلامیہ پر ان کو دسترس تھی، ۱۲۹۲ کو پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے بہت

بڑے محدث، مفسر، فقیہ اور متکلم تھے۔ امام ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا اور ان کے علوم پر امام ابن تیمیہ ہی کا رنگ

غالب رہا۔ ۱۳۵۰ کو وفات پائی۔ (الاعلام، الزرکلی، ۶/۵۶)

۳۔ زاد المعاد، محمد بن ابی بکر، ابن القیم، مؤسسة الرسالة، بیروت، مکتبة المنار الإسلامية، الکویت، ۱۹۹۴م، الطبعة

السابعة والعشرون، باب: تمر، ۴/۲۶۷

۴۔ الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبي)، أبو عبد اللہ محمد بن أحمد القرطبي، تحقیق: أحمد البردوني اور دیگر، دار الکتب المصرية،

القاهرة، ۱۹۶۴م، الطبعة الثانية، باب التنبيه علی احادیث وضعت فی فضل سور القرآن، ۱/۷۸

۵۔ محمد بن بہادر، زرکشی، ۱۳۴۴ کو مصر میں پیدا ہوئے۔ ترکی الاصل ہیں۔ شافعی فقیہ تھے۔ اصولی عالم تھے۔ کئی فنون میں مفید

کتابیں تصنیف کیں۔ مصر ہی میں ۱۳۹۲ عیسوی کو فوت ہوئے۔ (الاعلام، خیر الدین بن محمود، ۶/۶۰)

وَالْحَادُّ وَزَنْدَقَةُ^(۱)

اس روایت میں یہ استثناء غیر معتبر اور بے اصل ہے، اسے سیدنا انس^(۲) نے روایت کیا ہے اور نہ حمید نے، بلکہ یہ محمد بن سعید شامی کا گھڑا ہوا قول ہے جسے بے دینی کے جرم میں پھانسی پر لٹکایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے غارت کرے۔ بہت بڑا جھوٹا اور احادیث گھڑنے والا تھا، اس نے اس روایت میں اپنی طرف سے اسی استثناء کا اضافہ کیا اور لوگوں کو اس کی روایت کرنے لگا تاکہ اس کے قلوب و اذہان میں شکوک و شبہات پیدا کرے حالانکہ یہ استثناء تمام مسلمانوں کے نزدیک کفر، الحاد اور بے دینی ہے۔

امام حماد بن زید^(۳) فرماتے ہیں: (وَضَعَتِ الزَّنَادِقَةُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اثْنِي عَشَرَ أَلْفَ حَدِيثٍ)^(۴)

”زندیقوں اور بے دینوں نے رسول اللہ ﷺ پر بارہ ہزار حدیثیں وضع کی ہیں۔“
محمد بن مصلوب شامی کہا کرتا تھا: (لَا بَأْسَ إِذَا كَانَ كَلَامٌ حَسَنٌ أَنْ يَضَعَ لَهُ إِسْنَادًا)^(۵)
”کسی اچھے کلام کے لیے سند (حدیث) وضع کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔“ حافظ ابن عدی^(۶) لکھتے ہیں:

- ۱۔ الأباطيل والمناكير والصالح والمشاهير، الحسين بن إبراهيم، الجورقاني، تحقيق وتعليق: الدكتور عبد الرحمن بن عبد الجبار الفريوي، دار الصبي، الرياض، المملكة العربية السعودية، ۲۰۰۲ م، الطبعة الرابعة، كتاب الفضائل، باب في فضل النبي صلى الله عليه وسلم، ۲۶۰-۲۶۱
- ۲۔ انس بن مالک بن نضر بن ضمضم، نجاری، خزرجی، انصاری، ابو ثمامہ یا ابو حمزہ، بلند رتبہ صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے۔ مرویات کی تعداد ۲۲۸۶ ہے۔ مدینہ منورہ میں ۶۱۲ عیسوی کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں اسلام قبول کیا اور نبی اکرم ﷺ کی وفات تک ان کی خدمت کرتے رہے۔ دمشق اور بصرہ میں رہائش پذیر رہے۔ بصرہ میں ۷۱۲ عیسوی کو وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آپ رضی اللہ عنہ سب سے آخری صحابی ہیں۔ (الاعلام، زرکلی، ۲/۲۴)
- ۳۔ حماد بن زید بن درہم، ازدی، بصری، ابواسماعیل، بنیادی طور پر سجستان سے تعلق تھا۔ بصرہ میں ۷۱۷ عیسوی کو پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں عراق کے شیخ تھے۔ بینائی سے محروم تھے۔ چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ ازرق کے نام سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ صحاح میں ان کی روایتیں لی گئی ہیں۔ ۷۹۵ عیسوی کو بصرہ میں فوت ہوئے۔ (الاعلام، ۲/۲۷)
- ۴۔ الضعفاء الکبیر، امام عقیلی، ابو جعفر محمد بن عمرو، العقیلی، تحقیق: عبد المعطیٰ امین قلجی، دار المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۴ م، الطبعة الأولى، ۱۵/۲
- ۵۔ ایضا: ۴/۷۱
- ۶۔ عبد اللہ بن عدی بن عبد اللہ بن محمد بن مبارک بن قحطان جر جانی، ابو محمد، ۸۹۰ عیسوی کو پیدا ہوئے۔ حدیث اور رجال حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ عربیت میں کچھ کمزور تھے اس لیے لحن کا شکار ہوا کرتے تھے ایک ہزار اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ ۹۷۶ عیسوی کو فوت ہوئے۔ (الاعلام، ۴/۱۰۳-۱۰۴)

”ابو مقاتل سمرقندی: حفص بن اسلم، حسن بصری^(۱) کے قول کے لیے سند وضع کیا کرتا تھا۔“^(۲)

یہی ابو مقاتل، عون بن ابی شداد کی سند سے وصایا لقمان کی روایت کرتا تھا تو اس کے بھتیجے نے کہا: ”چچا جان! حدیثانہ کہئے کیوں کہ آپ نے یہ چیزیں کسی سے سنی نہیں، اس پر وہ کہنے لگا: یہ عمدہ کلام ہے اس لیے میں اس کے لیے سند وضع کر لیتا ہوں۔“^(۳)

ہارون الرشید^(۴) نے ایک زندیق کو پکڑوا کر اس کی گردن اڑانے کا حکم دیا، اس پر اس نے وجہ پوچھی، جس کے جواب میں ہارون الرشید نے کہا: اَرَحَ الْعِبَادَ مِنْكَ قَالَ فَأَيْنَ أَنْتَ مِنْ أَلْفِ حَدِيثٍ وَضَعَهَا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) کَلْهَا مَا فِيهَا حَرْفٌ نَطَقَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ فَأَيْنَ أَنْتَ يَا عَبْدَ اللَّهِ مِنْ أَبِي إِسْحَاقَ الْفَزَارِيِّ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ يَخْلَاخُهَا فَيُخْرِجُهَا حَرْفًا حَرْفًا.^(۵)

”میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو تیرے شر سے بچانے کے لیے یہ اقدام کرتا ہوں“ وہ زندیق اس کے جواب میں بولا: ”تم ان چار ہزار موضوع روایات کا کیا کرو گے، جو میں نے حلال و حرام سے متعلق گھڑی ہیں، اور ان میں سے ایک حرف بھی نبی ﷺ کا ارشاد کیا ہوا نہیں ہے؟“ ہارون رشید نے اس سے کہا: ”اللہ کے دشمن! تم ابو اسحاق فزاری^(۶) اور عبد

۱ - ابو سعید حسن بن ابی الحسن یسار بصری، مشہور تابعی ہیں۔ علم، زہد، تقویٰ اور عبادت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے والد ماجد یسار سیدنا زید بن ثابتؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مدینہ منورہ میں ۶۲۲ عیسوی کو پیدا ہوئے۔ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ کے سایہ عاطفت میں رہے۔ بصرہ میں سکونت پزیر تھے۔ ۷۲۸ عیسوی کو فوت ہوئے۔ حفاظ ذہبی فرماتے ہیں: کثرت سے تدلیس کیا کرتے تھے اس لیے ان کی معنعن روایت مقبول نہیں۔ حسن بصری کبھی کبھار سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ثابت نہیں ہے اس لیے ان کی روایات منقطع ہوتی ہیں۔ (الاعلام، ۲/۲۲۶)

۲ - الکامل فی ضعفاء الرجال، ابو احمد بن عدی الجرجانی، تحقیق: عادل احمد عبد الموجود و آخرون، الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۷م، الطبعة الأولى، ۳/۲۹۳-۲۹۵

۳ - شرح علل الترمذی، زین الدین، عبد الرحمن بن احمد بن رجب، مکتبة المنار للزرقاء، الأردن، ۱۹۸۷م، الطبعة الأولى، ۱/۳۷۵

۴ - ہارون الرشید بن محمد بن المہدی بن المنصور العباسی، ابو جعفر، عراق میں دولت عباسیہ کے پانچویں خلیفہ تھے۔ ۷۶۶ء کو ”رے“ میں پیدا ہوئے۔ دار الخلافہ بغداد میں پلے بڑھے۔ شجاع، کریم اور متواضع تھے۔ ۸۰۹ء کو طوس کے قصبہ ”سنا باز“ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ ۲۳ سال مہینے اور کچھ روز حکومت کی۔ (الاعلام، ۸/۶۲)

۵ - تاریخ دمشق، ابن عساکر، تحقیق: عمرو بن غریۃ العمروی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۵م، ۷/۱۲۷

۶ - ابراہیم بن محمد بن ابی حصن الحارث بن اسماء بن خارجہ بن حصن بن حزیفہ بن بدر ابو اسحاق فزاری کو فی زیل الشام، مصیصہ میں رہائش تھی۔ ثقہ، صاحب ستہ اور امام ہیں۔ ۸۸۵ھ کو فوت ہوئے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، یوسف بن عبد الرحمن، المزنی، تحقیق: د. بشار عواد معروف، مؤسسة الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۰ھ، الطبعة الأولى، ۲/۱۶۷)

اللہ بن مبارک^(۱) جیسے علماء سے ناواقف ہو؟ جو تمہاری موضوع روایات کو صحیح روایات سے اس طرح حرفا حرفا نکال باہر پھینکیں گے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال کو نکالا جاتا ہے۔

عابد وزاہد لوگ:

اکثر عابد وزاہد لوگ علم حدیث سے بے بہرہ ہونے کے باعث احادیث گھڑ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام مسلم^(۲) امام یحییٰ بن سعید القطان^(۳) کا قول نقل کرتے ہیں:

"لن تری الصالحین فی شیء أكذب منهم فی الحدیث." (۴)

"ہم نے حدیث کے بیان کرنے میں نیک و صالح لوگوں سے زیادہ خطا کرنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا ہے۔"

امام مسلم اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يقول: يجري الكذب على ألسنتهم ، ولا يتعمدون الكذب. (۵)

"مطلب یہ ہے کہ ان کی زبان پر غیر ارادی طور پر کذب جاری ہو جاتا ہے۔"

قاضی عیاض اس کی توضیح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

یعنی: أنهم يحدثون بما لم يصح، لقلّة معرفتهم بالصحيح، والعلم بالحدیث، وقلة حفظهم، وضبطهم

لما سمعوه، وشغلهم بعبادتهم، وإضرابهم عن طريق العلم، فكذبوا من حيث لم يعلموا وإن لم

۱ - عبد اللہ بن مبارک بن واضح حنظلی، تمیمی، مروزی، ابو عبد الرحمن، خراسان سے تعلق تھا۔ ۳۶۷ عیسوی کو پیدا ہوئے۔ دریائے

فرات کے ساحلی گاؤں "ہیت" میں ۷۹۷ء کو وفات پائی۔ حافظ حدیث، شیخ الاسلام اور تاجر و مجاہد تھے۔ علم حدیث، فقہ،

عربیت، تاریخ اور شجاعت و سخاوت میں اپنی مثال آپ تھے۔ (الاعلام، ۴/۱۱۵)

۲ - مسلم بن حجاج بن مسلم، قشیری، نیشاپوری، ابو الحسین، ۸۲۰ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ کبار ائمہ اور حفاظ حدیث میں سے

تھے۔ حجاز، شام اور عراق کے سفر کیے۔ نیشاپور ہی میں ۸۷۵ء کو وفات پائی۔ (وفیات الأعیان و آبناء الزمان، ابن خلکان، ابو

العباس، شمس الدین، احمد بن محمد، تحقیق: احسان عباس، دار صادر، بیروت، ۱۹۹۴ء، ۹/۱۹۳)

۳ - یحییٰ بن سعید بن فروخ، قطان، تمیمی، ابو سعید، بصرہ سے تعلق تھا۔ ۷۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ ثقہ، حجت اور حافظ حدیث تھے۔ امام

مالک اور امام شعبہ کے ہم عصر اور ان کے اقران میں سے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید

القطان کی طرح کسی کو نہیں دیکھا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ، شمس الدین، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد، الذہبی، دار

الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۸ء، الطبعة الأولى، ۱/۲۱۸)

۴ - شرح علل الترمذی، ۱/۳۸۷

۵ - مقدمہ صحیح مسلم، (باب بیان أن الإسناد من الدین وأن الروایة لا تكون إلا عن الثقات)، ۱/۹۴

یتعمدوا۔^(۱)

”صحیح و ضعیف کے مابین قلت معرفت، علم حدیث سے ناواقفیت اور عدم شناسائی، قلت حفظ و ضبط، عبادات میں مشغولیت اور حصول علم سے اجتناب جیسے عوامل کے باعث وہ بلا ارادہ اور لاعلمی سے وہ غیر صحیح اور نادرست روایات نقل کرتے رہتے ہیں۔“

امام نووی اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لِكُونِهِمْ لَا يُعَانُونَ صِنَاعَةَ أَهْلِ الْحَدِيثِ فَيَقَعُ الْخَطَأُ فِي رَوَايَاتِهِمْ وَلَا يَعْرِفُونَهُ وَيُرُونَ الْكَذِبَ وَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّهُ كَذِبٌ.^(۲)

”وجہ یہ ہے کہ علم حدیث ان لوگوں کا مشغلہ نہیں ہوتا اس لیے عدم واقفیت کی وجہ سے ان کی روایات میں خطا واقع ہو جاتی ہے اور لاعلمی میں جھوٹی روایات کی روایت کرتے ہیں۔“

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں: وَالْوَاضِعُونَ لِلْحَدِيثِ أَصْنَافٌ، وَأَعْظَمُهُمْ ضَرَرًا قَوْمٌ مِنَ الْمُسْتَوْبِينَ إِلَى الزُّهْدِ، وَضَعُوا الْحَدِيثَ احْتِسَابًا فِيمَا زَعَمُوا، فَتَقَبَّلَ النَّاسُ مَوْضُوعَاتِهِمْ ثِقَةً مِنْهُمْ بِهِمْ وَرَكُونًا إِلَيْهِمْ، ثُمَّ تَخَصَّصَتْ جَهَابِدَةُ الْحَدِيثِ بِكَشْفِ غَوَارِهَا وَمَحْوِ عَارِهَا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ.^(۳)

”واضعین حدیث کی چند قسمیں ہیں، ان میں سے زیادہ ضرر رساں وہ لوگ ہیں جو زہد و تقویٰ کی طرف منسوب ہیں، جنہوں نے ثواب کے حصول کے لیے احادیث وضع کیں اور لوگوں نے ان کی ظاہری حالت اور ان سے عقیدت کے بناء پر ان کے موضوع روایتوں کو قبول کر لیا، پھر فن حدیث کے اعلیٰ ماہرین ان موضوعات کے عیب کے کھولنے اور ان کی عار مٹانے کے لیے اٹھے۔“

مولانا محمد انور شاہ کشمیری^(۴) نے بحوالہ علامہ ابن جوزی لکھا ہے:

إذا وقع في الإسناد صوتي فاغسل يديك منه، فإنهم يقولون: ظنوا المؤمنين خيراً، ولا يطلبون حقيقة

۱- شرح صحیح مسلم، اِکْمَالُ الْمُعْلَمِ بِقَوَائِدِ مُسْلِمٍ، عیاض بن موسی، تحقیق: د- یحییٰ ابن اسماعیل، دار الوفاء، مصر، ۱۹۹۸ م، ۱/۱۳۵

۲- شرح صحیح مسلم، امام نووی، ۱/۹۴

۳- معرفة أنواع علوم الحديث (مقدمة ابن الصلاح)، عثمان بن عبد الرحمن، ابن الصلاح، ص ۹۹

۴- محمد انور شاہ بن محمد اعظم شاہ بن شاہ کبیر۔ ان کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا، وہاں سے ملتان آئے۔ لاہور منتقل ہوئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کی۔ آپ ۲۷ شوال المکرم ۱۸۷۵ء کو اپنے نخیال دودھواں (علاقہ لولاب) کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اسباق اپنے والد محترم سے لیے پھر تین سال تک ہزارہ (خیبر پختونخوا) کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہے، ۱۳۰۷ھ کو سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند آگئے، جہاں چار سال تک علوم و فنون حاصل کرتے رہے۔ اکیس سال کی عمر میں ۱۳۱۲ھ کو سند فضیلت حاصل کیا۔ بہت بڑے محدث تھے۔ قادیانیوں کے خلاف تیغ براں تھے۔ ۱۳۵۲ھ بمطابق مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں وفات پائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے مثلاً: انوار انوری، محمد انوری، شعبہ نشر و اشاعت جامعہ عربیہ احسن العلوم، کراچی)

الحال^(۱)۔

”جب کسی (حدیث) کی سند میں کوئی صوفی (راوی) آجائے تو اس (حدیث) سے اپنے ہاتھ دھولو اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ”مومنوں پر اچھا گمان رکھو“ اور حقیقت حال کو تلاش نہیں کرتے۔“

اس گروہ نے ان گنت روایتیں وضع کی ہیں، مثالیہ روایت:

"حَضَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَجْلِسًا لِلْفُقَرَاءِ وَرَقَصَ حَتَّى شَقَّ قَمِيصَهُ"^(۲)

”رسول اللہ ﷺ مجلس سماع میں حاضر ہوئے اور رقص کیا یہاں تک کہ ان کی قمیص پھٹ گئی۔“

حافظ ابن القیم اس کے بارے میں لکھتے ہیں: فَلَعَنَ اللَّهُ وَاضِعَهُ مَا أَجْرَاهُ عَلَى الْكُذِبِ السَّمِجِ^(۳)۔

”اللہ تعالیٰ اس روایت کے گھڑنے والے کو غارت کرے۔ بد مزہ جھوٹ بولنے میں کتنا ماہر اور نڈر ہے۔“

بعض فقہاء:

امام ابو العباس محدث قرطبی^(۴) کہتے ہیں:

"استجاز بعض فقهاء العراق نسبة قولية و حكاية نقلية فيقول في ذلك: قال رسول

الله ﷺ كذا كذا و لهذا ترى كتبهم مشحونة بأحاديث مرفوعة تشهد متونها بأنها

موضوعة، لأنها تشبه فتاوى الفقهاء، ولا تليق بجزالة كلام سيد الأنبياء ﷺ مع أنهم لا

يقيمون لها صحيح سند، ولا يستندونها من أئمة النقل إلى كبير أحد."^(۵)

”بعض عراقی فقہاء کا قول ہے کہ قیاس جلی سے جو حکم مستفاد ہو، اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر

سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف ایسی احادیث سے بھری پڑی ہیں جن کی متون اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ احادیث

۱ - العرف الشذی شرح سنن الترمذی، محمد آنور شاہ، تحقیق: محمود شاہ، دار التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۴م، ۶۲/۱

۲ - المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، ابن قیم، محمد بن ابی بکر، تحقیق: عبد الفتاح، أبو غدة، مكتبة المطبوعات الإسلامية، حلب،

۱۳۹۰م، الطبعة الأولى، ۱۳۹/۱

۳ - ایضاً: ۱۳۹/۱

۴ - احمد بن عمر بن ابراہیم، ابو العباس، انصاری، قرطبی، زین الدین ۱۱۸۲ء کو قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ مالکی فقیہ اور محدث تھے۔

اسکندریہ میں مدرس تھے اور وہیں ۱۲۵۸ء کو وفات پائی۔ صحیح مسلم کی تلخیص اور پھر اس کی توضیح "المفہم لما اشکل من

تلخیص کتاب مسلم" کے نام سے لکھی۔ (الاعلام، ۱۸۶/۱)

۵ - المفہم لما اشکل من تلخیص مسلم، احمد بن عمر بن القرطبی، تحقیق: محی الدین، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۱۵/۱

کی نسبت اقوال فقہاء سے قریب تر ہیں اور اس طرح یہ کہ وہ کوئی صحیح سند بھی بیان نہیں کرتے اور ائمہ نقل میں سے کسی بڑے امام کی طرح اسے منسوب کرتے ہیں۔“

اس کی مثال یہ روایت ہے: إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ^(۱)۔

”جب امام خطبہ دینے کے لیے باہر آجائے تو پھر نماز پڑھنا اور باتیں کرنا جائز نہیں۔“

صاحب ہدایہ^(۲) اسے رسول اللہ ﷺ کے حدیث کے طور پر پیش کرتے ہیں، حالانکہ اس کو مرفوع کہنا وہم فاحش ہے۔^(۳)

یہ امام زہری^(۴) کا قول ہے۔^(۵)

امام ابو حنیفہ^(۶) کے شاگرد امام محمد بن حسن^(۷) نے بھی اسے زہری ہی کا قول کہا ہے۔^(۸)

- ۱ - الهدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، برهان الدین، أبو الحسن، علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل، الفرغانی، المرغینانی، تحقیق: طلال یوسف، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (س ن)، ۸۳/۱
- ۲ - علی بن ابی بکر فرغانی، أبو الحسن برهان الدین۔ فقہائے احناف کے اکابر میں سے تھے ۱۱۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ فرغانہ کے نواحی علاقے مرغینان کی طرف نسبت ہے۔ حافظ، مفسر، محقق اور ادیب تھے۔ ۱۱۹۷ء کو وفات پائی۔ (الاعلام، ۲/۲۶۶)
- ۳ - السنن الکبیر، أبو بکر، أحمد بن الحسین، البیہقی، تحقیق: الدكتور، عبد اللہ بن عبد، مرکز ہجر للبحوث والدراسات العربیة والإسلامیة، القاہرہ، ۲۰۱۱م، الطبعة الأولى، حدیث نمبر: ۵۷۹، ۶/۲۸۴
- ۴ - محمد بن مسلم بن عبد اللہ بن شہاب زہری، قریش کی شاخ بنو زہرہ بن کلاب سے تعلق تھا۔ ۶۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ مدینہ منورہ میں پلے بڑھے۔ حافظ و فقیہ تابعی ہیں۔ ۷۴۲ء کو حجاز اور فلسطین کے سرحد پر وفات پائی۔ (الاعلام، ۷/۹۷)
- ۵ - موطأ مالک بروایۃ محمد بن الحسن، الشیبانی، مالک بن انس، المدنی، تحقیق: عبد الوہاب، المكتبة العلمیة، (س ن) الطبعة الثانیة، (باب القراءة فی صلاة الجمعة وما يستحب من الصمت)، حدیث نمبر: ۲۲۸، ۱/۸۷
- ۶ - نعمان بن ثابت، تیمی، کوفہ میں ۸۰ھ کو پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش ہوئی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ صغار صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو ان کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی سے آپ کی روایت ثابت نہیں ہے۔ ۱۵۰ھ کو وفات پائی۔ (الاعلام، ۸/۳۶)
- ۷ - محمد بن حسن بن فرقد۔ فرقد بنو شیبان کے موالی میں سے تھے، ابو عبد اللہ، فقہ اور اصول کے امام تھے۔ امام ابو حنیفہ کے علم کو آپ نے پھیلا یا ان کی اصل غوطہ دمشق کے گاؤں حرستہ سے تھا۔ ۱۳۱ھ کو واسط میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں پلے بڑھے۔ امام ابو حنیفہ کے قریبی ساتھی رہے ہیں، ان سے حصول علم کے بعد بغداد تشریف لے گئے، وہاں ہارون الرشید نے انہیں قضا کی ذمہ داری سونپ دی پھر انہیں معزول کیا اور جب خراسان جانے کے لیے نکل پڑے تو انہیں اپنے ساتھ لے لیا اور اسی سفر کے دوران ۱۸۹ھ کو آپ نے ”رے“ میں وفات پائی۔ (الاعلام، ۶/۸۰)
- ۸ - موطأ بروایۃ محمد بن الحسن، الشیبانی، مالک بن انس، (باب القراءة فی صلاة الجمعة وما يستحب من الصمت)، حدیث نمبر: ۲۲۸، ۱/۸۷

یابہ روایت کہ: مَنْ صَلَّى خَلْفَ عَالِمٍ تَقِيٍّ فَكَأَنَّمَا صَلَّى خَلْفَ نَبِيِّ^(۱)۔
 ”جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔“

حافظ زلیعی^(۲) فرماتے ہیں: یہ روایت غریب (ضعیف) ہے۔^(۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: مجھے یہ روایت نہیں ملی۔^(۴)

حافظ سخاوی نے بھی یوں کہا ہے۔^(۵)

ملا علی قاری کہتے ہیں: اس کی کوئی اصل نہیں۔^(۶)

مذہبی متعصبین:

بعض جاہل و متعصب لوگ مذہبی تعصب کی بناء پر دوسرے مذاہب کو نقصان پہنچانے اور کمزور کرنے کے لیے احادیث وضع کیا کرتے تھے۔^(۷)

مثلاً مامون بن احمد ہروی سے کسی نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ امام شافعی^(۸) کے مذہب کے پیروکار خراسان میں

- ۱ - بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، علاء الدین، مسعود، الکاسانی، دار الکتب العلمیۃ، البیروت، ۱۹۸۶م، فَضَّلَ بَيَانُ مَنْ هُوَ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ وَأَوَّلَى بِهَا، ۱/۱۵۸
- ۲ - عبد اللہ بن یوسف بن محمد الزلیعی، ابو محمد، جمال الدین، فقیہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے، صومال کے علاقے زلیع سے تعلق تھا۔ ۱۳۶۰ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ آپ شارح کنز زلیعی نہیں، ان کا نام عثمان ہے۔ (الاعلام، ۴/۱۳۷-۱۳۸)
- ۳ - نصب الرایۃ لأحادیث الہدایۃ، جمال الدین، ابو محمد، عبد اللہ بن یوسف، الزلیعی، تحقیق: محمد عولۃ، مؤسسۃ الریان، بیروت، ۱۹۹۷م، الطبعة الأولى، ۲/۲۶
- ۴ - الدرر النوری فی تخریج أحادیث الہدایۃ، احمد بن علی، ابن حجر، العسقلانی، تحقیق: السید، عبد اللہ، المدنی، دار المعرفۃ، بیروت، حدیث نمبر: ۱/۱۶۸، ۲۰۱
- ۵ - المقاصد الحسنۃ، شمس الدین، ابو الخیر، محمد بن عبد الرحمن، السخاوی، تحقیق: محمد عثمان الخشت، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۹۸۵م، الطبعة الأولى، حدیث نمبر: ۱/۳۸۶، ۶۳
- ۶ - المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، علی بن (سلطان) محمد، ابو الحسن، نور الدین، الملا القاری، تحقیق: عبد الفتاح، ابو غدة، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۳۹۸ھ، الطبعة الثانیۃ، حدیث نمبر: ۳۳۴، ص ۱۸۶
- ۷ - شرح نخبة الفکر فی مصطلحات اہل الأثر، علی القاری، تحقیق: عبد الفتاح، ابو غدة، دار الآرقم، لبنان، ص ۴۲۸
- ۸ - محمد بن ادیس بن شافع ہاشمی، قرشی، ۷۶۷ء کو غزہ (فلسطین) میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں مکہ معظمہ لائے گئے۔ دو دفعہ بغداد گئے۔ ۱۹۹ھ کو مصر تشریف لے گئے اور اپنی وفات ۸۲۰ء تک وہیں رہے۔ آپ شعر، لغت، ایام عرب، فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ نہایت ذہین اور حاضر جواب تھے۔ بیس سال کی عمر میں فتویٰ دیا۔ رمضان المبارک میں ساٹھ بار ختم قرآن کا معمول تھا۔ (الاعلام، ۶/۲۶)

کس قدر زیادہ ہو رہے ہیں، اس نے فوراً کہا: میں نے احمد بن عبد اللہ سے سنا، اس نے عبد اللہ بن معدان ازدی سے اور اس نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے:

يَكُونُ فِي أُمَّتِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ مُحَمَّدٌ بْنُ إِدْرِيسَ أَضْرَّ أَحَدٌ عَلَى أُمَّتِي مِنْ إِبْلِيسَ وَيَكُونُ فِي أُمَّتِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أَبُو حَنِيفَةَ هُوَ سَرَّاجٌ أُمَّتِي. (۱)

”میری امت میں ایک شخص ہو گا جس کا نام محمد بن ادریس (شافعی) ہو گا جو میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ہو گا جب کہ اس امت میں ایک دوسرا شخص ابو حنیفہ نامی ہو گا وہ میری امت کا چراغ ہو گا۔“

اس نے یہ روایت بھی وضع کی کہ: من قرأ خلف الامام ملئ فوه ناراً. (۲)

”جس نے امام کے پیچھے قراءت کی تو اس کا منہ آگ سے بھر دیا جائے۔“

اس کذاب نے یہ روایت بھی وضع کی ہے: من رفع يديه في الصلاة فلا صلاة له. (۳)

”جس نے نماز میں رفع یدین کیا تو اس کی نماز ادا نہیں ہوئی۔“

بعض معاندین:

کچھ لوگ ذاتی عناد کی خاطر احادیث گھڑ لیا کرتے ہیں، مثلاً: سیف بن عمر کہتے ہیں کہ میں سعد بن طریف کے پاس بیٹھا تھا اس کا لڑکا درسہ سے روتے ہوئے آیا، اس نے لڑکے سے رونے کی بابت پوچھا، لڑکے نے کہا مجھے استاذ نے پیٹا ہے، اس نے کہا میں آج انہیں رسوا کر کے چھوڑوں گا مجھے عکرمہ (۴) نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما (۵) سے سن کر مرفوعاً بتایا ہے۔:

۱ - المدخل إلى كتاب الإكليل، أبو عبد الله، الحاكم، محمد بن عبد الله، المعروف بابن البيع، ص ۵۶-۵۷

۲ - ميزان الاعتدال، امام ذہبی، ۳/۴۲۹

۳ - ایضاً

۴ - عکرمہ بن عبد اللہ بربری، مدنی ابو عبد اللہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام اور تابعی تھے۔ ۶۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ تفسیر اور مغازی کے بہت بڑے عالم تھے۔ تین سو اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ جن میں سے ستر تابعی ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۷۳۳ء کو وفات پائی۔ (الاعلام، ۴/۲۴۴)

۵ - عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بن عبد المطلب، قرشی، ہاشمی، سن ۳ قبل ہجری ۶۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، جلیل القدر صحابی ہیں۔ جبر الامۃ (امت کے عالم) اور ترجمان القرآن جیسے القاب سے نوازے گئے۔ طائف میں سکونت پذیر تھے اور وہیں ۶۸۷ء کو وفات پائی۔ (الاعلام، ۴/۹۵)

شراکم من معلمیکم أَفْلَهُمْ رَحْمَةً عَلَى الْيَتِيمِ وَأَعْلَظُهُمْ عَلَى الْمَسْكِينِ.^(۱)
 ”تمہارے بچوں کے وہ استاد بدترین لوگ ہیں جو یتیم پر بہت رحم دل اور مسکین کے لیے بہت سنگ دل ہوتے ہیں۔“

سعد بن طریف فی البدیہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔^(۲)
 جب کہ سیف بن عمر الضبی: زندیق تھا اور احادیث کے سلسلے میں ساقط الاعتبار تھا۔^(۳)

درباری ملا:

بے اصل روایات کی بدترین قسم وہ ہے جن کو علماء سوء اور درباری ملاحکام اور برسر اقتدار طبقہ کی مدح و ثناء میں حصول جاہ و تقرب کے لیے وضع کیا کرتے تھے، ان میں سے ایک غیاث بن ابراہیم نخعی کوفی تھا، وہ ایک دفعہ عباسی خلیفہ مہدی^(۴) کے دربار میں حاضر تھا۔ مہدی نے کبوتر پال رکھا تھا اور اس کے ساتھ تفریح طبع کیا کرتا تھا، وہ کبوتر اس کے سامنے موجود تھا۔

غیاث بن ابراہیم سے کہا گیا کہ امیر المؤمنین کو کوئی حدیث سنائیے تو اس نے یہ حدیث سنائی:

لَا سَبَقَ إِلَّا فِي حُفٍّ أَوْ حَافِرٍ أَوْ نَصْلٍ، وَزَادَ فِيهِ ”أَوْ جَنَاحٍ“^(۵)

”مقابلہ صرف تیر، اونٹ، گھوڑے اور پرندے میں جائز ہے۔“

حالانکہ صحیح حدیث میں ”أَوْ جَنَاحٍ“ کا اضافہ موجود نہیں۔^(۶)

مہدی نے غیاث کو اثر فیوں سے بھرا تھیلا دے دیا، جب وہ اٹھا تو کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کی گردن ایک

۱ - الکامل، البحر جانی، ۴/۳۸۷

۲ - البحر وحین، الدارمی، تحقیق: محمود ابراہیم زاید، دار الوعی، حلب، ۱۳۹۶ھ، ۱/۳۵۷

۳ - المدخل إلى الصحيح، أبو عبد الله، الحاكم، محمد بن عبد الله، المعروف بابن البيع، تحقيق: د. ربيع هادي عمير المدخلي، مؤسسة الرسالة، بيروت، ۱۴۰۲ھ، الطبعة الأولى، ۱/۱۵۹

۴ - محمد بن عبد الله المنصور العباسي أبو عبد الله المهدي بالله، عراق میں دولت عباسیہ کے خلفاء میں سے تھے۔ ایزج (اہواز) میں

۵۴۴ھ کو پیدا ہوئے، ۵۸۱ھ کو ولی عہد بنے، ماسبذان میں شکار کھیلتے ہوئے ۷۸۵ھ کو وفات پائی۔ (الاعلام، ۶/۲۲۱)

۵ - الموضوعات، ابن الجوزی، تحقیق: عبد الرحمن محمد عثمان، محمد عبد المحسن صاحب المكتبة السلفية، بالمدينة المنورة، ۱۹۶۶م، الطبعة الأولى، کتاب الادب، باب السبق بالحمام، ۳/۷۸

۶ - الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، محمد بن حبان، أبو حاتم، الدارمی، ترتیب: الأمير علاء الدین علی بن بلبان الفارسی، تحقیق:

شعیب الأرناؤوط، مؤسسة الرسالة، بيروت، ۱۹۸۸م، الطبعة الأولى، ۱۰/۵۴۴

وضع کی گردن ہے، پھر کہا میری ہی ذات اس کو حدیث وضع کرنے کی موجب بنی، چنانچہ اس کو تر کو ذبح کر ڈالا۔^(۱)

اسی کذب بیانی کے باعث علماء اسماء الرجال نے غیث بن ابراہیم کو معاف نہیں کیا، چنانچہ امام یحییٰ بن معین^(۲) نے کہا: کذاب ہے، ثقہ اور مامون نہیں۔^(۳)

ہیاج کہتے ہیں: میں نے غیث بن ابراہیم کو دیکھا ہے وہ اتنا جھوٹا تھا کہ اگر اس کے سر کے اوپر کو اڑ جائے تو اس کے بارے میں بھی حدیث وضع کرے گا۔^(۴)

علم کی نمائش کرنے والے واعظ:

حافظ ابن الجوزی لکھتے ہیں: اسلاف کے زمانے میں علماء اور فقہاء ہی وعظ کہا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ عبید بن عمیر واعظ کے مجلس وعظ میں حاضر ہوا کرتے تھے، اور عمر بن عبدالعزیز بھی ایک واعظ کی مجلس میں اکثر حاضر ہوتے تھے، پھر جب یہ فن بے وقعت ہو گیا تو جہال کے پلے پڑ گیا اسی وجہ سے علماء اس مجالس سے دور رہنے لگے، پھر مزید ترقی ہوتی گئی اور اس میں عوام اور عورتوں کی دلچسپی بڑھ گئی انہوں نے فن قصہ گوئی اور عجائبات کو سینے سے لگا دیا اور اسی طرح اس میں بدعات کا عمل دخل شروع ہو گیا اور ایک بڑی قوم نے ترغیب و ترہیب میں بے شمار احادیث وضع کیں اور شیطان نے انہیں یہی بات سمجھا دی ہے کہ ان جھوٹی احادیث کو بیان کرنے سے ہمارا مقصد کچھ گناہ کا نہیں بلکہ ہم نیک ارادے سے ان کو وضع کر لیتے ہیں، یہ دراصل شریعت کے خلاف ایک بہت بڑی جسارت ہے، ان لوگوں کے ہاں شریعت ناقص ہے، اس لیے جھوٹ سے اس کی تکمیل کرتے ہیں، اور پھر یہ بھی ہے کہ انہوں نے حدیث: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعِدًّا كُو بِالْكَفْلِ بھلا دیا ہے۔^(۵)

۱ - الموضوعات، ابن جوزی، کتاب الادب، باب السبق بالحمام، ۷۸/۳

۲ - یحییٰ بن معین بن زیاد، ابوزکریا، سید الحفاظ، ناقد، مؤرخ اور بہت بڑے محدث ہیں۔ جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ سرخس سے تعلق تھا۔ انبار کے قریب ۷۷۵ء کو نقیانامی گاؤں میں پیدا ہوئے، ان کے والد محکمہ خراج میں عامل تھے۔ مدینہ منورہ میں ۸۴۸ء کو فوت ہوئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: میں نے اپنے ہاتھوں سے لاکھوں احادیث لکھی ہیں۔ (الاعلام، ۸/۱۷۲)

۳ - تاریخ الاسلام، أبو عبد اللہ، محمد بن أحمد، ذہبی، تحقیق: عمر عبدالسلام التدمری، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۹۳م، ۳۸۸/۱۰

۴ - الجرح والتعديل، عبد الرحمن بن محمد، ابن ابی حاتم، دائرة المعارف العثمانية، بحیدر آباد الدکن، الهند، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۵۲م، الطبعة الأولى، (باب من روى عنه العلم ممن يسمى غياثاً)، ۷/۵۷

۵ - تلبیس ابلیس، ابن الجوزی، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۱م، الطبعة الأولى، ۱/۱۱۱

بسا اوقات نمائش علم بھی وضع حدیث کا موجب بنتی ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی جاہل علماء کا لبادہ اوڑھ کر علم کی نمائش کرنا چاہے، وہ اپنی جہالت اور لاعلمی کو وضعی اور جعلی احادیث کو سنا کر ڈھانپ لیتا ہے اور اس طرح لوگوں کے دل موہ لیتا ہے۔

امام ابن حبان^(۱) اپنی سند کے ساتھ ابو جعفر بن محمد طیالسی سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد^(۲) اور امام ابن معین نے رضافہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھی نماز کے بعد ایک واعظ کھڑا ہوا اور یوں واعظ کہنے لگا کہ: مجھے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے حدیث سنائی کہ جو کوئی ایک بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر لفظ سے ایک پرندہ پیدا فرما لیتا ہے جس کی چونچ سونے کی اور پر مر جان کے ہوتے ہیں، اور اس مضمون سے متعلق کچھ بیس ورق سنا دیئے۔ امام احمد اور امام ابن معین حیرت و استعجاب سے ایک دوسرے کا منہ تکتے لگے کہ یہ حدیث تو ہم نے آج ہی سنی اور اس انوکھے شاگرد سے تو صرف آج ہی ملاقات ہوئی۔ واعظ سے فارغ ہو جانے کے بعد یہ دونوں علم کے پہاڑ اس واعظ سے کہنے لگے، یہ حدیث تم نے کس سے سنی؟ اس نے جواب میں کہا: امام احمد اور امام ابن معین سے، ان دونوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا: ہم احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ہیں اور اسے اللہ کا واسطہ دے کر کہا کہ ہمارے نام سے جھوٹ کی اشاعت سے باز رہو، وہ دغا باز واعظ کہنے لگا: میں سنا کرتا تھا کہ احمد اور یحییٰ بن معین بڑے احمق ہیں آج اس کی تصدیق ہو گئی، وہ دونوں پوچھنے لگے، وہ کیسے؟ اس عیار نے کہا، کیا ساری دنیا میں ایک ہی احمد اور ایک ہی یحییٰ ہے؟ میرے سترہ سترہ اساتذہ ایسے تھے جن کے نام احمد اور یحییٰ تھے۔“^(۳)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: هَذِهِ حِكَايَةٌ عَجِيبَةٌ، وَرَأَوْنَهَا الْبَكْرِيُّ لَا أَعْرِفُهُ، فَأَخَافُ أَنْ يَكُونُ وَضَعًا.^(۴)
 ”یہ عجیب حکایت ہے، جس کا راوی بکری ہے، جسے میں نہیں جانتا، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسے اُس وضع نے کیا ہو۔“

۱- ابو حاتم ابن حبان محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد، تیمی، ابو حاتم، بستی، بختانی۔ تاریخ، جغرافیہ، رجال اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ حصول علم کے سلسلہ میں خراسان، شام، مصر، عراق اور جزیرہ کے سفر کیے۔ ۹۶۵ء کو وفات پائی۔ (معجم البلدان، ۲/۷۱)

۲- احمد بن محمد، ابو عبد اللہ، شیبانی، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ ان کا تعلق مرو سے تھا۔ ان کے والد سرخس کے گورنر تھے۔ ۷۸۹ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے حصول علم میں لگے رہے اور اس سلسلہ میں سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، ان کے زمانے میں مامون الرشید نے ”خلق قرآن“ کا فتنہ اٹھایا۔ امام موصوف نے اس فتنہ کی خوب سرکوبی کی اور اس سلسلے میں انہیں ناقابل برداشت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ صبر و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ ۲۸ مہینے جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ ۸۵۵ء کو وفات پائی۔ (الاعلام، ۱/۲۰۳)

۳- المدخل إلى کتاب الکلیل، أبو عبد اللہ، الحاکم، محمد بن عبد اللہ، المعروف بابن البیج، ۱/۵۷-۵۸

۴- سیر أعلام النبلاء، ذہبی، ۱۱/۸۶

یہ بھی لکھتے ہیں: هَذِهِ الْحِكَايَةُ اشْتَهَرَتْ عَلَى أَلْسِنَةِ الْجَمَاعَةِ، وَهِيَ بَاطِلَةٌ، أَظُنُّ الْبَلَدِيَّ وَضَعَهَا، وَيُعْرَفُ بِالْمَعْصُوبِ. (۱)

”یہ حکایت (محدثین) کی جماعت کی زبانی مشہور ہے، حالانکہ یہ باطل روایت ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ اسے ابراہیم بن عبد الواحد البلدی المعصوب نے وضع کیا ہے۔“
یہ بھی لکھتے ہیں:

إبراهيم بن عبد الواحد البكري. لا أدري من هو ذا. أتى بحكاية منكرة، أخاف ألا تكون من وضعه. (۲)

”میں نہیں جانتا کہ ابراہیم بن عبد الواحد البکری کون ہے، اس نے ایک منکر روایت بیان کی ہے، مجھے ڈر ہے کہیں اس نے وضع نہ کیا ہو۔“

امام ابن حبان نے اس قسم کے ایک واعظ کا واقعہ بیان کیا ہے جس نے بذات خود اپنی جہالت اور وضع احادیث کے جرم کا اعتراف کیا تھا۔ امام موصوف بیان کرتے ہیں: میں ایک مسجد میں گیا، نماز کے بعد ایک نوجوان کھڑا ہو کر کہنے لگا، مجھے ابو خلیف نے حدیث سنائی، اس نے ولید سے اس نے شعبہ سے، اس نے قتادہ سے اور اس نے انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً سنا۔ جس نے اپنے مؤمن بھائی کی حاجت پوری کی تو اللہ تعالیٰ اسے اتنی اجر دے گا۔ اور ایک طویل حدیث بیان کی، جب وہ فارغ ہوا تو میں نے اسے بلا کر کہا، کہ آپ نے کب ابو خلیفہ کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا، میری اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی، میں نے کہا، پھر اس سے روایت کیوں کرتے ہیں اس نے کہا ہمارے ساتھ جھگڑنا بے مروتی کی دلیل ہے، مجھے یہی ایک سند یاد ہے، جب کوئی حدیث سناتا ہوں اس کو اس سند کے ساتھ چپکا دیتا ہوں۔“ (۳)

غلط فہمی:

بعض دفعہ محدث حدیث سناتے وقت اسناد ذکر کرتا ہے۔ درمیان میں کوئی عارضہ پیش آ جاتا ہے اور وہ حدیث بیان کرنے کے بجائے کوئی اور گفتگو کرنے لگ جاتا ہے۔ سننے والا خیال کرتا ہے کہ جس حدیث کے لیے اس نے سند بیان کی تھی وہ یہی گفتگو ہے، چنانچہ وہ کلام جس کو وہ حدیث تصور کرتا ہے اس سے اخذ کر کے اس کی روایت کرنے لگتا ہے،

۱ - سیر أعلام النبلاء، ذہبی، ۱۱/ ۳۰۱

۲ - میزان الاعتدال، امام ذہبی، ۱/ ۴۷

۳ - المعجم وحین، ابن حبان، ۱/ ۸۱

اس کی مثال وہ روایت ہے، جو ابن ماجہ^(۱) نے اسماعیل بن محمد طلحہ سے، اس نے ثابت بن موسیٰ سے، اس نے شریک سے اس نے اعمش سے، اس نے ابوسفیان سے اور اس نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ^(۲) سے مرفوعاً ذکر کیا ہے:

مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ، حَسُنَ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ.^(۳)

”جو شخص رات کو زیادہ نمازیں پڑھے گا، دن کے وقت اس کا چہرہ خوب صورت ہو گا۔“

حافظ ابن عدی لکھتے ہیں کہ ثابت، شریک نامی راوی کے یہاں آیا، شریک اس وقت حدیثِ اِملاء کراتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ہمیں یہ حدیثِ اعمش نے سنائی، اس نے ابوسفیان اور اس نے جابر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے بعد شریک خاموش ہو گیا تا کہ طالب علم لکھ لے، جب ثابت کی طرف دیکھا تو کہا ”جو رات کو زیادہ نمازیں پڑھتا ہے دن کو اس کا چہرہ خوب صورت دکھائی دیتا ہے“ یہ بات شریک نے ثابت کے زہد و تقویٰ کے پیش نظر کہی تھی، ثابت نے اس کو حدیث کا متن سمجھ لیا اور اس کی روایت کرنے لگا۔“^(۴)

امام ابن حبان فرماتے ہیں: یہ شریک کا قول ہے۔ شریک نے اعمش کی روایت از ابوسفیان سیدنا جابر رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کی کہ شیطان تم میں سے ایک کے سر کی گدی پر تین گانٹھ دیتا ہے، اس کے بعد یہ بات کہی، اور ثابت نے اس کو حدیث میں شامل کر لیا، پھر ضعفاء کی ایک جماعت نے اُس سے یہ قول چرا کر اور شریک کے نام سے اس کو روایت کرنے لگے۔“^(۵)

بعض تاجر:

کچھ تاجر اپنی تجارت چمکانے کی غرض سے احادیث وضع کیا کرتے تھے، مثلاً محمد بن حجاج جو فالودہ فروش تھا، اس نے فالودہ کے فضائل میں کئی روایات وضع کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

- ۱ - محمد بن یزید قزوینی، ابو عبد اللہ، ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ ۲۰۹ھ کو پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے سلسلے میں بصرہ، بغداد، مصر، شام، حجاز اور رے کے اسفار طویلہ اختیار کیے۔ سنن، تفسیر قرآن اور تاریخ قزوین کے مصنف ہیں ۲۷۳ کو وفات پائی۔ (العبرنی خبر من غبر، محمد بن أحمد، الذہبی، تحقیق: أبوہاجر محمد السعید زغلول، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، (سنن)، ۱/۳۹۴)
- ۲ - جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن حرام، خزرجی، انصاری، سلمی، ۶۰۷ء کو پیدا ہوئے۔ باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں۔ ۱۹ غزوات میں حصہ لیا۔ صحیحین میں ان کی ۱۵۴۰ روایتیں ہیں۔ ۶۹۷ء کو وفات پائی۔ (الاصابۃ، ۱/۶۶)
- ۳ - سنن ابن ماجہ، محمد بن یزید، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، دار احیاء الکتب العربیۃ، حلب، حدیث نمبر: ۱۳۳۳، ۱/۴۲۲
- ۴ - التقیید والإيضاح شرح مقدمة ابن الصلاح، أبو الفضل، زین الدین، عبد الرحیم بن الحسین، تحقیق: عبد الرحمن محمد عثمان، محمد عبد المحسن الکتبی، المكتبة السلفية، بالمدينة المنورة، ۱۹۶۹م، الطبعة الأولى، ص ۱۳۲
- ۵ - المعجم وحین، ابن حبان، ۱/۲۰۷

أَمَرَنِي جَبْرِيلُ بِالْهَيْبَةِ أَشَدُّ بِهَا ظَهَرِي لِصَلَاةِ اللَّيْلِ. ^(۱)

”مجھے جبریل نے فالوہ کھانے کا حکم کیا تاکہ میں قیام اللیل کے لیے اپنی کمر ٹھیک اور سیدھی رکھ سکوں۔“

بعض بد باطن لوگ:

یہ لوگ اپنے خصم و مقابل کو خاموش اور زچ کرنے کے لیے احادیث گھڑ لیا کرتے تھے مثلاً عبد العزیز بن الحارث سے پوچھا گیا کہ مکہ معظمہ صلح سے فتح ہو گیا، یا عنوة (زبردستی)؟ اس نے جواب میں کہا: عنوة حاصل کیا گیا تھا، جب اس سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے سند بنا کر حدیث سنائی، پھر پوچھا گیا، یہ کیسی حدیث ہے، تو اس نے جواب دیا: صنعتہ فی الحال، اُدفع به الخصم. ^(۲)

”حدیث وغیرہ کچھ نہیں، اسے میں نے فی الحال بنا دیا تاکہ اپنے مقابل کو خاموش کروں۔“

ذاتی فائدہ اور مصلحت:

بعض راوی ذاتی فائدہ اور مصلحت کی خاطر احادیث وضع کیا کرتے تھے، مثلاً محمد بن عبد الممالک انصاری کے بارے میں حافظ لکھتے ہیں: ”نابینا تھا۔ احادیث وضع کیا کرتا تھا اور احادیث میں جھوٹ بولا کرتا تھا۔“ ^(۳) اس محمد بن عبد الممالک کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ درج ذیل روایت اس کی گھڑی ہوئی ہے: من قاد أعمى أربعين خطوة. ^(۴)

”جو کسی نابینا کا ہاتھ پکڑ کر اسے چالیس قدم تک لے چلے“ یعنی اس کے ذریعے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

ادعاء بزرگی و شرافت کی خاطر:

یہ لوگ اپنی شرافت کی خاطر سند بنا بنا کر جعلی احادیث بنا لیا کرتے تھے مثلاً رتن ہندی جو چھٹی صدی ہجری میں پیدا ہوا تھا، وہ کہا کرتا تھا: كنت في زفاف فاطمة على علي في جماعة من الصحابة وكان ثم من يغني فطابت قلوبنا ورقصنا فلما كان الغد سألنا رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن ليلتنا فأخبرنا فلم ينكر علينا ودعا لنا وقال: اخشوشنوا وامشوا حفاة تروا الله جهرة. ^(۵)

۱ - الموضوعات، ابن جوزی، ۱۷/۳

۲ - میزان الاعتدال، امام ذہبی، ۲/۲۵۵

۳ - ایضاً: ۳/۲۳۱

۴ - تاریخ الکبیر، أبو عبد الله، محمد بن إسماعیل، البخاری، دائرة المعارف العثمانية، حیدر آباد، الدکن، (س ن)، ۱/۱۶۴

۵ - لسان المیزان، ابن حجر عسقلانی، ۳/۴۵۷

”میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا^(۱) کے شبِ عروسی میں دوسرے صحابہ کے ساتھ موجود تھا۔ رات کسی مجلسِ سرودِ بپاکی، ہمارے دل ہمارے قبضے میں نہ رہے اور ہم نے ساری رات رقص میں گزاری۔ صبح کو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے پوچھا، ہم نے انہیں رات کا سارا ماجرا سنایا تو انہوں نے ہم پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ ہمارے حق میں دعا کی اور فرمایا: موٹے، جھوٹے اور کھردرے کپڑے پہنا کر اور ننگے پاؤں چلا کرو، تو اللہ کو ظاہر باہر دیکھو گے۔“

حالانکہ رتن ہندی صحابی نہ تھا، بلکہ کذاب و دجال تھا۔ دوسرے کذابین نے بھی اسی کے نام سے بہت جھوٹی اور محال باتیں پھیلانی ہیں۔^(۲)

ثواب و نیکی کی نیت سے روایات گھڑنا:

بعض موضوعِ روایات نیکی کی نیت سے گھڑ لیے جاتے ہیں، مثلاً میسرہ بن عبد ربہ کے متعلق خطیب بغدادی لکھتے ہیں: قال محمد بن عیسیٰ بن الطباع: قلت لمیسرة بن عبد ربہ: من أين جئت بهذه الأحادیث: من قرأ کذا کان له کذا؟ قال: وضعته أرغب الناس.^(۳)

”محمد بن عیسیٰ بن طباع کا بیان ہے کہ میں نے میسرہ بن عبد ربہ سے کہا، تم یہ حدیثیں کہاں سے لائے، جس میں مذکور ہے کہ جس نے فلاں فلاں سورۃ پڑھی اس کے لیے اتنی اتنی جزا ہے؟ کہنے لگا میں نے لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے گھڑی ہیں۔“

امام ابنِ جبان فرماتے ہیں: کان ممن یروی الموضوعات عن الأثبات ویضع الحدیث وهو صاحب حدیث فضائل القرآن الطویل.^(۴)

”میسرہ ثقہ و ثبت راویوں کے نام لے کر موضوعِ روایات نقل کیا کرتا تھا۔ فضائلِ قرآن سے متعلق طویل حدیث اسی ہی کی وضع کردہ ہے۔“

۱ - سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ ہاشمیہ قرشیہ، سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ نہایت قابل، لائق اور فصیح و بلیغ تھیں۔ ۱۸ سال کی عمر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اُن کی شادی ہوئی۔ سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ زینب کی والدہ محترمہ ہیں۔ اپنے والد رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ۶ ماہ تک زندہ رہیں۔ ۱۱ ھ کو وفات پائیں۔ (الاعلام، ۵/ ۱۳۲)

۲ - میزان الاعتدال، ذہبی، ۲/ ۴۵

۳ - تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، ۱۵/ ۲۹۷

۴ - لسان المیزان، ابن حجر، ۸/ ۲۳۴

اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ فضائل قرآن سے متعلق کوئی بھی صحیح حدیث موجود نہیں۔
اکثر کتب احادیث میں فضائل قرآن کے تحت کئی احادیث سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں، مثلاً: سورۃ الفاتحہ کی فضیلت کے لیے دیکھئے: ^(۱)

سورۃ البقرۃ کے لیے دیکھئے: ^(۲)

سورۃ الکہف کے لیے دیکھئے: ^(۳)

سورۃ الاخلاص کے لیے دیکھئے: ^(۴)

معوذتین کے لیے دیکھئے: ^(۵)

قرأت قرآن کے سلسلے میں روایات:

اس سلسلے میں چند وضع کردہ روایات یہ ہیں، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ. ^(۶)

”اللہ کے نیک بندوں میں صرف علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں۔“

سیدھی بات ہے کہ جو بندے جتنے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات جلیلہ، عجائب قدرت اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف حمیدہ کا علم رکھتے ہوں ان کی خشیت الہیہ ان لوگوں کی بنسبت زیادہ ہوگی جو ان اوصاف کے حامل نہ ہوں، اسی آیت میں علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث کے عالم ہوں، صرف و نحو کے علماء یہاں مراد نہیں، چنانچہ سید محمود آلوسی بغدادی ^(۷) لکھتے ہیں:

۱ - صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل، باب ماجاء فی فاتحۃ الكتاب، حدیث نمبر: ۴۴۷۴، ۶/۱۷

۲ - ایضاً، حدیث نمبر: ۵۰۰۸، ۵۰۰۹

۳ - ایضاً، حدیث نمبر: ۵۰۱۱

۴ - ایضاً، حدیث نمبر: ۵۰۱۳

۵ - ایضاً، حدیث نمبر: ۵۰۱۶

۶ - سورۃ فاطر ۳۵: ۲۸

۷ - محمود بن عبد اللہ حسینی الآلوسی، شہاب الدین، ابوالثناء، مفسر، محدث اور ادیب تھے، ۱۸۰۲ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ سلفی

العقیدہ اور مجتہد تھے۔ حصول علم کے لیے بڑے سفر کیے۔ بغداد ہی میں ۱۸۵۴ء کو وفات پائی۔ (الاعلام، ۷/۱۷۶)

والمراد بالعلماء العالمون بالله عزّ وجلّ وبما يليق به من صفاته الجليلة وأفعاله الحميدة وسائر شؤونه الجميلة لا العارفون بالنحو والصرف مثلاً.^(۱)

”یہاں علماء سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے ہیں، وہ عالم جو اللہ تعالیٰ کے صفاتِ جمیلہ، اس کے افعالِ حمیدہ اور اُس کی قدرتوں کا علم رکھتے ہوں۔ نحو و صرف کے عالم یہاں مراد نہیں۔“
اس سیدھے سادھے مطلب کو بگاڑنے کے لیے یہ قراءت وضع کی گئی ہے:
إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ.^(۲)

مفسر نسفی^(۳) نے صاحبِ کشف کے لیے رعب میں آکر اس کی تفسیر من وعن نقل کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:
والخشية في هذه القراءة استعارة والمعنى إنما يعظم الله من عباده العلماء.^(۴)
”خشیت یہاں استعارہ کے طور پر استعمال کی گئی ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف ان لوگوں کی تکریم کرتے ہیں جو عالم ہوں۔“
پھر ان دونوں مفسرین نے اس قراءت کی نسبت امام ابو حنیفہ کی طرف بھی کی ہے، حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے کیونکہ:

- یہ بلا سند منقول ہے اور دین میں بلا سند بات ماننا دین کے تقاضوں کے خلاف ہے۔
- یہ شاذ قراءت ہے جو قطعاً ناقابلِ قبول ہے۔
- امام ابو حنیفہ کی قراءت سے متعلق کوئی تصنیف نہیں اور نہ آپ سے قراءت کے بارے میں کچھ منقول ہے، ان ساری چیزوں کا وضع کرنے والا محمد بن جعفر بن عبد الکریم بن بدیل ابو الفضل خزرجی ہے، چنانچہ خطیب بغدادی

۱ - روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، شہاب الدین، محمود بن عبد اللہ، الألوسی، تحقیق: علی عبد الباری عطیة، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۵ھ، الطبعة الأولى، ۱۱/۳۶۳

۲ - الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، أبو القاسم، محمود بن عمرو بن أحمد، الزمخشري جار اللہ، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ، الطبعة الثالثة، ۳/۶۱۱

۳ - عبد اللہ بن احمد بن محمود، نسفی، ابو البرکات، حنفی فقیہ اور مفسر قرآن تھے۔ ان کی نسبت نسف کی طرف ہے، جو دریائے جیون اور سمرقند کے درمیان واقع ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل، کنز الدقائق، المنار، کشف الاسرار، الوافی اور الکافی جیسی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۱۳۱۰ء کو وفات پائی۔ (الاعلام، ۴/۶۷)

۴ - تفسیر النسفی (مدارک التنزیل وحقائق التأویل)، أبو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، النسفی، تحقیق: یوسف علی بدیوی، دار الکلم الطیب، بیروت، ۱۹۹۸م، الطبعة الأولى، ۳/۸۷

اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں: وضع کتابا فی الحروف ونسبه إلى أبي حنيفة، قَالَ أَبُو الْعَلَاءِ: فَأَخَذْتُ خَطَ الدَّارِقُطْنِيِّ وَجَمَاعَةٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ كَانُوا فِي ذَلِكَ الْوَقْتُ بِأَنَّ ذَلِكَ الْكِتَابَ مَوْضُوعٌ لَا أَصْلَ لَهُ.^(۱)

”اس نے قراءت میں ایک کتاب لکھ دی اور اس کی نسبت امام ابو حنیفہ کی طرف کر دی، یہی کتاب جب حافظ دارقطنی اور دیگر محدثین کی ایک جماعت کی نظر سے گزری تو سب نے متفقہ طور پر فرمایا: یہ غیر معتبر و بے اساس ہے۔“

• امام جزیری^(۲) لکھتے ہیں: حق بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی طرف جو قراءت منسوب ہیں ان کو منسوب کرنے والا امام ابو حنیفہ کے شاگرد حسن بن زیاد کو فی ہے جو روایات کے معاملے میں ضعیف ہیں۔^(۳)

خلاصہ بحث

غیر معتبر احادیث کو بیان کرنے والوں کا تفصیلی تعارف پیش کرنے کے بعد ضعیف احادیث کے مندرجہ ذیل اسباب قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ ان کے مذموم مقاصد سے بخوبی آگاہی حاصل کیا جاسکے۔

مذکورہ لوگوں کے اعتقادات اور نظریات کا مختلف ہونے کی بنا پر اسباب وضع کا اختلاف ہونا بھی ایک بدیہی امر ہے لہذا ذیل میں اسباب وضع کا اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے:

- ۱- سیاسی مقاصد کا حصول
- ۲- تقلید، تعصب اور فقہی مذاہب کی تائید
- ۳- ارباب اقتدار کی خوشنودی
- ۴- اسلام دشمنی
- ۵- ترغیب و ترہیب کے لیے
- ۶- اپنے اپنے علاقوں کی برتری ثابت کرنا
- ۷- عزت و علمی جاہ اور مناظرہ
- ۸- خوش اعتقادی
- ۹- اپنے ائمہ اور مقتدا کی مدح سرائی
- ۱۰- ثواب کی خاطر

۱- تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، ۵۴۱/۲

۲- محمد بن محمد، الشیرازی الشافعی، دمشق میں ۱۳۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ شیخ القراء اور حافظ حدیث تھے۔ دمشق میں دارالقرآن کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ شیراز کے والی بھی رہے ہیں اور شیرازی میں ۱۴۲۹ء کو وفات پائی۔ (الاعلام، زرکلی، ۷/۴۵)

۳- غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، شمس الدین، أبو الخیر، ابن الجزری، محمد بن محمد، مکتبۃ ابن تیمیۃ، ۱۳۵۱ء، ۱/۲۱۳

۱۱- قصہ گوئی کا شوق

۱۲- قوم کی محبت

۱۳- غفلت راوی

۱۴- بدعات کی ترویج

۱۵- علم حدیث سے جہالت کے باوجود شوق تحدیث کا غالب ہونا

فصل کا تجزیہ

ان تمام اسباب و اہداف میں غور و فکر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کذب و دروغ گوئی کے پھیلنے اور پھولنے کی اساس و بنیاد تو ان دروغ گواراویوں کے باطنی و داخلی امراض کے سبب وقوع پذیر ہوئی، لیکن سیاسی، گروہی اور مادی و معاشی عوامل نے اس کی گہرائی و نشاط میں مزید اضافہ کر دیا۔

وقت اور زمانے کے ساتھ ساتھ ایسی روایات ختم یا کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی گئیں۔ ہر مصنف اور خطیب بغیر تحقیق کے لکھتا اور بولتا گیا۔ اب سیرت پر تحقیق کرنے والے محققین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایسی روایات کی نشاندہی کریں جن کی وجہ سے اسلام کا روشن چہرہ ماند پڑتا ہے۔

فصل دوم: قدیم محدثین کا طریقہ دفع اختلاف

قدیم محدثین نے سیرت سے منسوب غیر معتبر و بے اصل واقعات کے نشر و اشاعت کے اسباب بیان کرنے کے ساتھ ہی ان کی درایتی تاویلات کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیے ہیں ان میں سے چند ایک اہم کو بطور مثال ذیلی طور میں بیان کیے جاتے ہیں:

• قصاص کے حصول شہرت کے لیے موضوعی واقعات

ان روایات کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبولیت عام کی بنا پر یہ کام واعظوں کے حصہ میں آیا، چونکہ یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوا کرتا تھا اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہ ہو سکی اور ادھر گرمائش محفل کے خاطر اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی اس لیے لامحالہ ان کو اپنی قوت اختراع پر زور دینا پڑا۔ ان میں جو کسی قدر محتاط تھے انہوں نے ان کو لطائف صوفیانہ اور مضامین شاعرانہ میں ادا کیا، سننے والوں نے ان کو روایت کی حیثیت دے دی یا بعد کو انہیں بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کر لی اور جو نڈر اور بے احتیاط تھے۔ انہوں نے یہ پرواہ بھی نہیں رکھی بلکہ ایک سند جوڑ کر انہوں نے براہ راست اس کو حدیث و خبر کا مرتبہ دے دیا۔^(۱) علامہ حافظ سیوطی، علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"احدهما القصاص ومعظم البلاء منهم يجرى لانهم يريدون احاديث تنفق وترقق والصحاح يقل فيه هذا ثم ان الحفظ يشق عليهم ويتفق عدم الدين وهم يحضروهم جهال" (۲)

جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک واعظوں کا گروہ ہے اور سب سے بڑی مصیبت ان کی وجہ سے پیش آتی ہے کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبول عام اور موثر ہوں اور صحیح احادیثوں میں یہ بات نہیں، اس کے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا مشکل ہے اس کے ساتھ ان میں دینداری نہیں ہوتی اور ان کی محفلوں میں جاہلوں کا ہی مجمع ہوتا ہے۔

یہی بات علامہ ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث میں لکھی ہے کہ کہ احادیث و روایات میں فساد کا ایک سبب بے علم قصاص کا مجلس عوام سے حصول داد ہوتا ہے۔

۱۔ معرفة التذکرۃ فی الأحادیث الموضوعۃ، أبو الفضل، محمد بن طاہر، الشیبانی، تحقیق: الشیخ عماد الدین، أحمد حیدر، مؤسسة الکتب

الثقافیۃ، بیروت، ۱۹۸۵م، الطبعة الأولى، ص ۱۷

۲۔ کتاب القصاص والمذکرین، ابی الفرج، عبد الرحمن، ابن جوزی، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۸ء، دوسری اشاعت، ص ۶۰؛

الآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعۃ، امام جلال الدین، سیوطی، دار المعرفۃ، بیروت، (س ن)، ۴/۲/۷۱

”وَمِنْ شَأْنِ الْعَوَامِّ، الْفُعُودُ عِنْدَ الْقَاصِّ، مَا كَانَ حَدِيثُهُ عَجِيبًا، خَارِجًا عَنْ فِطْرِ الْعُقُولِ، أَوْ كَانَ رَقِيقًا يُخْزِنُ الْقُلُوبَ، وَيَسْتَعْزِرُ الْعُيُونَ. إِذَا ذَكَرَ الْجَنَّةَ، قَالَ فِيهَا الْخُورَاءُ مِنْ مِسْكِ، أَوْ زَعْفَرَانٍ، وَعَجِيزَتُهَا مِيلٌ فِي مِيلٍ. وَيُبَوِّئُ اللَّهُ تَعَالَى وَلِيَّهُ قَصْرًا مِنْ لَوْلُؤَةٍ بَيْضَاءَ، فِيهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَقْصُورَةٍ، فِي كُلِّ مَقْصُورَةٍ سَبْعُونَ أَلْفَ قُبَّةٍ، فِي كُلِّ قُبَّةٍ سَبْعُونَ أَلْفَ فِرَاشٍ عَلَى كُلِّ فِرَاشٍ سَبْعُونَ أَلْفَ كَذَا، فَلَا يَزَالُ فِي سَبْعِينَ أَلْفَ كَذَا، وَسَبْعِينَ أَلْفًا؛ كَأَنَّهُ يَرَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْعَدَدُ فَوْقَ السَّبْعِينَ وَلَا دُونَهَا.“^(۱)

عوام کا تو یہ حال ہے کہ وہ قصاص کے پاس عقلوں کو مخمور، دلوں کو مغموم، آنکھوں کو پر نم کرنے والی خلاف فطرت باتیں سننے کے لیے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور دوران وعظ جب جنت کا ذکر آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جنت کی حوریں مشک اور زعفران کی بنی ہوئی ہوتی ہیں اور ان کی بیوی کی کمر کی لمبائی میل کے برابر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ صاحب جنت کے لیے سفید موتی کا ایسا ایک محل بنائے گا جس میں ستر ہزار بالاخانے ہونگے، ہر بالاخانے میں ستر ہزار قبة ہونگے، ہر قبة میں ستر ہزار بستر لگے ہونگے اور ہر بستر پر کیا کیا ہوگا۔ اور وہ ستر ہزار سے آگے نہیں نکلتا گویا کہ ستر ہزار سے کم یا زیادہ کوئی عدد ہی نہیں۔

اور قصاص و واعظین ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ عوام کا رخ ان کی طرف پھیر جائے اور عوام الناس کے سامنے ان فرسودہ و منکر روایات اور عجیب و غریب خرافات موثر انداز میں پیش کرتے ہوئے اپنے آپ کو موجبِ داد ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور عوام کی بد قسمتی دیکھ لیجئے کہ وہ اس وقت تک ان واعظین سے جدا نہیں ہوتے جب تک وہ خارج از عقل باتیں یا موثر باتیں ان سے سن نہیں لیتے جو ان کے دلوں پر اثر کریں۔ علامہ ابن تیمیہ سیرت حدیث میں زبان زد عوام و خواص کے کئی ایک وجوہات بیان کرتے ہیں جن کا تذکرہ اس موضوع کے تحت ذیل میں کی جاتی ہے:

● دلائل و خصائص و معجزات نبوی سے منسوب واقعات سیرت

ان روایات کے پیدا ہونے کا ایک سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک آپ ﷺ افضل الانبیاء ہیں۔ آپ ﷺ کامل ترین شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ تمام محاسن کے جامع ہیں، یہ اعتقاد بالکل صحیح ہے لیکن اس کو لوگوں نے غلط طور پر وسعت دے دی اور انبیاء و رسل سابقین علیہم السلام کے تمام معجزات کو آپ ﷺ کی ذات میں جمع کر دیا اور وہ اس اعتقاد کی بدولت تمام مسلمانوں میں پھیل گئے۔

۱- تاویل مختلف الحدیث، أبو محمد، عبد اللہ بن مسلم، ابن قتیبة الدینوری، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۹ء،

امام بیہقی اور ابو نعیم نے ”دلائل“ میں اور سیوطی نے ”خصائص“ میں دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے مقابل میں انہیں کے مثل آپ ﷺ کے معجزات بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے ہیں اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی تعلیم تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ ہے اسی طرح آپ ﷺ کے معجزات بھی تمام دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کا مجموعہ اور خلاصہ ہے اور جو کچھ عام انبیائے کرام علیہم السلام سے متفرق طور پر صادر ہونا ثابت ہے تو اس کی مماثلت اور مقابلہ کے لیے تمام تر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔

اس لیے لوگوں نے انہی ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام اسماء کی تعلیم دی، دیلمی نے ”مسند الفردوس“ میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی معجزہ دکھاتی تھی تو آپ ﷺ کے فراق میں چھوہارے کا درخت رویا اور چھوہارے کی خشک ٹہنی تلوار بن گئی۔ حضرت موسیٰ کے لیے بحر احمر شق ہوا تو آپ ﷺ کے لیے معراج میں آسمان و زمین کے درمیان کا دریائے یوسف سے پھٹ گیا۔ یوسف کے لیے آفتاب ٹھہرا دیا گیا تو آپ ﷺ کے اشارے سے آفتاب ڈوب کر نکلا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں کلام کیا تھا تو یہ روایت وضع کی گئی کہ آپ ﷺ نے بھی گہوارے میں کلام کیا اور آپ ﷺ کی زبان سے پہلے تکبیر و تسبیح کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ مردوں کو زندہ کرنا ہے اور وہ صرف انہیں کے ساتھ مخصوص تھا لیکن آپ ﷺ کی طرف بھی یہ معجزہ منسوب کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا جب تک آپ ﷺ میری لڑکی کو زندہ نہ کر دیں گے میں ایمان نہ لاؤں گا چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی قبر پر جا کر آواز دی اور وہ زندہ ہو کر باہر آئی اور پھر چلی گئی۔ اسی طرح یہ روایت بھی گھڑی گئی کہ آپ ﷺ کی والدہ بھی آپ کی دعا سے زندہ ہوئیں اور آپ ﷺ پر ایمان لائیں^(۱)۔

● کتب سیرت و حدیث میں علمائے یہود و نصاریٰ کا آپ ﷺ کا سال، دن و مقام ولادت سے منسوب غیر معتبر احادیث کی تدوین اور ان کا امت مسلمہ میں تشہیر:

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے گزشتہ صحیفوں میں آپ ﷺ کے ظہور کی پیش گوئیاں ہیں اور ان کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا۔ اس واقعہ کو دروغ گورایوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو دن تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا چنانچہ ولادت نبوی سے قبل علمائے یہود، ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خدو خال معلوم تھا۔ تورات و انجیل میں آپ

۱- مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: الخصائص الکبریٰ، جلال الدین سیوطی، ص ۱۶۸-۲۳۷؛ دلائل النبوة، امام بیہقی،

ﷺ کے متعلق بعض پیش گوئیاں حقیقت میں موجود تھیں اور آج بھی ہیں لیکن وہ استعارات و کنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں، ان کو ضعیف و موضوع روایتوں میں صاف صاف آپ کے نام و مقام کی تخصیص و تعین کے ساتھ پھیلا دیا گیا۔ مکہ کے لوگ احبار اور راہبوں کی زبانوں سے محمد آپ کا نام سن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے۔ مدینہ کے لوگوں کو انہی یہودیوں کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ یثرب شہر آپ کا دارالہجرت ہو گا اس لیے وہ آپ کے منتظر تھے۔ لیکن اس دفتر کا بڑا حصہ موضوع اور جعلی ہے اور باقی نہایت ضعیف اور کمزور ہیں۔

• (آپ ﷺ کی ذات دنیائے عالم کے لیے سببِ رحمت) سے جوڑ کر شاعرانہ انداز گفتگو سے

منسوب روایات سیرت

آپ ﷺ کی پیدائش، عالم کی رحمت کا باعث تھی، اس لیے کائنات کا فخر و ناز بجا ہو سکتا ہے۔ اگلے واعظوں نے اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہ کا شانہ نور سے معمور ہو گیا۔ جانور خوشی سے بولنے لگے۔ پرندے تہنیت کے گیت گانے لگے۔ مغرب کے چرندوں اور پرندوں نے مشرق کے چرندوں اور پرندوں کو مبارک باد دی، مکہ کے سوکھے درختوں میں بہار آگئی، ستارے زمین پر جھک گئے، آسمانوں کے دروازے کھل گئے فرشتوں نے ترازہ مسرت بلند کیا، انبیائے کرام علیہم السلام نے روئے روشن کی زیارت کی، فرشتوں نے بچہ کو آسمان و زمین کی سیر کرائی، شیطانوں کی فوج پایہ زنجیر کی گئی، پہاڑ غرور سے اونچے ہو گئے، دریا کی موجیں خوشی سے اچھلنے لگیں، درختوں نے سرسبزی کے نئے جوڑے پہنے، جنت کے ایوان نئے سرو سامان سے سجائے گئے وغیرہ۔

بعد کے واعظین نے پہلے قصاص کے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا اور روایات تیار کر لی۔

• عہد رسالت کے بعد ظہور پذیر واقعات کا ولادت نبوی ﷺ سے جوڑنا:

آپ ﷺ کے عہد رسالت کے بعد حین وفات جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ان کا وقوع آپ ﷺ کی ولادت کے زمانہ میں تسلیم کر لیا گیا اور ان کو بحیثیت معجزہ کے آئندہ واقعات کا پیش خیمہ بنا لیا گیا مثلاً آپ کے زمانہ میں بت پرستی کا استیصال ہو گیا، اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں فنا ہو گئیں، ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہو گیا، شام فتح ہو گیا، ان واقعات کو معجزے اس طرح بنائے گئے کہ جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے، قیصر و کسریٰ کے کنگرے ہل گئے، آتش کدہ فارس بجھ گئے، نہر ساوہ خشک ہو گئی، ایک نور چکا جس سے شام کے محلات نظر آنے لگے۔^(۱)

فصل کا تجزیہ

سطور بالا میں یہ دیکھا سکتا ہے کہ بے سند اور بے حقیقت احادیث جہاں دشمنان دین کی کارستانیاں ہیں۔ وہاں بہت سارے مواقع پر نبی ﷺ سے محبت بلکہ عشق کی وجہ سے بھی بہت ساری احادیث گھڑی گئی ہیں۔ مکار دشمن نے موقع بہ موقع مختلف انداز اور طریقے اختیار کیے۔

بہر حال جھوٹ جھوٹ ہی ہوتا ہے۔ اسلام اور نبی ﷺ کی فضیلت کو جھوٹے سہارے کے بغیر بھی دنیا مانتی ہے۔ اس لیے ایسی روایات کو پھیلانے کی بجائے ان کی روک تھام کی کوشش کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری بنتی ہے۔

فصل سوم: اہم معاصرین علماء کا طریقہ دفع اختلاف

اس فصل میں ہم ان نامور معاصرین علمائے عرب و عجم کا کتب تاریخ کے بارے میں تحقیقی مباحث پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنی ان مباحث میں مدلل انداز سے وہ تجزیے پیش کیے کہ تاریخ اسلام و سیرت طیبہ سے منسوب بہت سے ایسے بے سند واقعات کتب تاریخ و سیرت کی زینت بنی ہیں جن کا نہ روایتی اعتبار سے کوئی سند موجود ہے اور نہ عقل و درایت ان کو سچ ماننے کے لیے تیار ہے۔

اس حوالے سے ابھی میں ان علماء کے تجزیے پیش کرتا ہوں جنہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے ایک انوکھے انداز میں تجزیے پیش کیے ہیں۔

محمد صویانی کا تجزیہ

اس ضمن میں سب سے پہلے میں سیرت کی ایک جدید کتاب ”الصحيح من احاديث السيرة النبوية“ میں محمد صویانی^(۱) کا اسلامی تاریخ پر تجزیہ پیش کرتا ہوں جس میں علامہ صولانی اپنی بات کو تقویت دینے کے لیے سب سے پہلے امام احمد جیسے نامور محدث کی رائے پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علامہ میمونی نے امام احمد سے ایک موقع پر یہ بات خود سنی تھی کہ تین طرح کی کتب۔ یعنی مغازی ملائم اور تفسیر کے لیے کوئی اصول نہیں۔ امام احمد کے قول کو بنیاد بناتے ہوئے محمد صولانی آگے فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں اسلامی تاریخ و سیرت بہت مستند ہو کر تھی لیکن بد قسمتی سے آپ ﷺ کے وفات کے بعد دونوں علوم میں کافی جھوٹ کی ملاوٹ ہوئی^(۲)۔

۱- ابو عمر، محمد بن حمد صویانی ۱۳۸۰ ہجری کو سعودی عرب کے دار الحکومت ریاض میں پیدا ہوئے اور وہاں ریاض میں اسلامی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سے اب تک ریاض ہی میں اسلامی تربیت کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور کتب احادیث سے صحیح سیرت طیبہ کی تخریج پر تحقیق کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے سیرت طیبہ کے موضوع پر متعدد کتب بھی لکھی ہیں جیسا کہ، السيرة النبوية كما جاءت في الأحاديث الصحيحة، أسلوب قصص وأحاديث صحيحة، الصحيح من احاديث السيرة النبوية، مختصر السيرة النبوية، التوراة والقرآن والانجيل وغيره۔

۲- الصحيح من احاديث السيرة النبوية، محمد صولانی، دار الوطن للنشر، ریاض، ۲۰۱۱ء، پہلی اشاعت، ص ۵

سعد مرصیفی کا تجزیہ

اسی طرح سیرت کی ایک دوسری معتبر کتاب ”الجامع للصحیح للنبیۃ“ میں علامہ سعد مرصیفی ^(۱) کہتے ہیں کہ تاریخی کتابیں اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ کو ہر طرح کی مشکلات ابتدائے رسالت سے پیدا ہونے لگے جیسا کہ موجودہ دور میں ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنان اسلام نے سب سے پہلے انھی رکیک المعنی باتوں کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کر کے مشہور کرایا اور بعد میں ان واقعات کے ذریعے آپ ﷺ کی عزت پر حملہ آور ہوئے لہذا ہمیں چاہیے کہ آپ ﷺ کی سیرت سے منسوب واقعات کو بیان کرنے سے پہلے ان کا روایتی اور درایتی جائزہ ضرور لیا کریں ^(۲)۔

ایک معاصر عرب عالم دین ڈاکٹر خالد علال کبیر حفظہ اللہ ^(۳) اپنی کتاب ”مدرسة الكذابين في رواية التاريخ الاسلامي وتدوينه“ میں مؤرخ طبری کے اس مخصوص طرز عمل کے بارے میں رقمطراز ہے کہ ”میرے نزدیک انہوں نے یہ (یعنی تحقیق و تمحیص کے بغیر صرف اسانید کے ساتھ روایات کو نقل کر کے) ایک ناقص کام کیا ہے اور ان تمام روایات کے وہ خود ذمہ دار ہیں جو انہوں نے اپنی تاریخ میں جگہ دی ہیں، پس انہوں نے ضعیف راویوں سے بکثرت روایات نقل کیں اور ان پر سکوت اختیار کیا، یہ انتہائی خطرناک معاملہ ہے جو بعد میں آنے والی ساری نسلوں کی گمراہی کا سبب بنا، ان (طبری) کو چاہیے تھا کہ وہ ان ضعیف راویوں کا بغیر ضرورت کے اپنی کتاب میں سرے سے یا تو تذکرہ نہ کرتے، یا ان پر نقد کرتے اور ان کی روایات کو نقد کی کھسوٹی پر پرکھتے، صرف ان کی اسانید پر بھروسہ کر کے سکوت اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ نقد روایات اس لیے بھی ضروری تھا کہ تاریخ طبری کا مطالعہ کرنے والوں میں غالب اکثریت ان لوگوں کی ہے جن میں اتنی علمی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ ان روایات پر سند و متن کے اعتبار سے نقد کر سکیں، چہ جائے کہ وہ اس سے استفادہ کرنے کے لیے صرف حدیث، تاریخ و دیگر علوم میں متبحر ہوتے تو تب یہ بات طے شدہ تھی کہ وہ نقد و تمحیص کا عمل انجام دیتے۔“

۱۔ علامہ سعد مرصیفی مصر کے ایک عظیم علمی گھرانے میں پیدا ہوئے اور نو سال کے عمر میں قرآن پاک حفظ کر لی اور پھر جامعہ ازہر میں علوم اسلامیہ کے حصول کے لیے فیکلٹی آف اصول الدین میں داخلہ لیا اور اصول الدین سے پہلی پوزیشن کی ساتھ گریجویشن کر لی اور اس کے بعد جامعہ ازہر ہی سے پی ایچ ڈی میں گولڈ میڈل حاصل کیا اور ۱۹۷۶ء سے ۲۰۱۸ء تک جامعہ کویت میں اپنی تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے اور ۱۷ جولائی ۲۰۱۸ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ (islamsyria.com، رابطہ)

العلماء السورین، ۱، الخمیس، ۲۱ رمضان ۱۴۴۱ھ، ۱۴ ماہ یو ۲۰۲۰ء، الوقت ۱۵:۴۵ اے ایم)

۲۔ الجامع للصحیح للنبیۃ، ڈاکٹر، سعد مرصیفی، دار ابن کثیر، قاہرہ، ۲۰۰۹ء، پہلی اشاعت، ص ۱۵

۳۔ ڈاکٹر خالد کبیر علال ۱۹۶۱ء کو الجزائر میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۶ء کو الجزائر یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور ۲۰۰۳ء کو اسلامک ہسٹری میں جامعہ الجزائر سے اپنی پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اور اس وقت وہ جامعہ الجزائر میں استاد محاضر کی حیثیت سے اپنے خدمات سرانجام دے رہا ہے اور اسی کے علاوہ تقریباً ۲۳ کتابوں کے مصنف بھی ہے۔

بغیر سند کی نقل روایت کے نقصانات

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ”اس معاملہ کو اس سے بھی زیادہ سنگین اس بات نے کر دیا کہ طبری کے بعد آنے والے اکثر مؤرخین نے قرون ثلاثہ کے بارے میں ان سے بکثرت روایات نقل کی ہیں، جیسا کہ ابن جوزی نے اپنی کتاب ”المنتظم“ میں ابن اثیر نے ”اکامل“ میں اور ابن کثیر نے ”بدایہ ونہایہ“ میں طبری کے روایات بغیر سند کے نقل کی ہیں اور ان مصنفین کا اس طرز روایت سے بغیر سند والی روایات کی وجہ سے ثقہ اور دروغ گواراویوں کی روایات خلط ملط ہو گئی، بسا اوقات تو تاریخ طبری کی طرف رجوع کیے بغیر ان روایات میں تمیز محال ہو جاتی ہے“^(۱)۔

فصل کا تجزیہ

راقم الحروف کے خیال میں یہ تو صرف تاریخ طبری سے متعلق ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے ورنہ ہر روایت پر سند و متن کے اعتبار سے تفصیلی کلام کے لیے الگ مستقل تحقیق کی ضرورت ہے، ممکن ہے کہ کسی کو اس جائزہ سے اختلاف ہو یا وہ اسے مبالغہ پر محمول کرے، یا حقیقت سے بعید قرار دے، لیکن یاد رہے کہ اس طرح کا سوچنے والا یا تو کتب تاریخ، ان کی تدوین، پس منظر اور اس میں دروغ گوئی کے اسباب و اہداف سے ناواقف ہو گا، یا واقفیت کے باوجود انکاری ہو گا۔ یہاں تو صرف ایک کتاب کے بارے میں ایک سرسری سا جائزہ پیش کیا گیا، اگر کوئی صاحب علم و تجربہ اور درست فکری کا حامل مؤرخ ضرور تاریخ، تراجم، فرق اور مختلف مذاہب سے متعلق کتابوں کا نقد و جرح کے اصولوں کی روشنی میں ایک معتدلانہ جائزہ لے گا تو وہ اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب اور باہم متناقض قسم کی روایات کو پائے گا، جنہیں قرون ثلاثہ میں امت مسلمہ کے سیاسی، گروہی اور مختلف فرقوں کی تقسیم کے نتیجے میں قصہ گو اور اخباری راویوں کی فکر کا لازمی نتیجہ قرار دیے بغیر چارہ کار نہیں پائے گا۔

خاتمه

۱- خلاصه تحقیق

۲- نتایج تحقیق

۳- تجاويز و سفارشات

خلاصہ تحقیق

مقالہ ہذا (سیرت طیبہ کے متعلق تاریخی واقعات کا تنقیدی جائزہ) ”قرآن اور حدیث کے تناظر میں“ جس کا مقصد (پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ) کی ڈگری کا حصول ہے، اور سیرت طیبہ سے منسوب واقعات کا روایتی و درایتی جائزہ لینا ہے جو انتہائی اہم موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے اور اپنے محترم اساتذہ کرام کے قیمتی مشوروں کے روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ باب اول میں سیرت و تاریخ کا لغوی اور اصطلاحی تعریفات کے ساتھ ساتھ روایت و درایت کی تعریفات مع ان کے اصول و مصادر تاریخ روایت و درایت بھی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ ایسا ہی طبقاتِ مورخین و محدثین مع سیرت نگارانِ رسول ﷺ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

مقالہ کے دوسرے باب میں کتب تاریخ میں واقعاتِ سیرت کو چار فصولوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ فصل اول میں بعثتِ نبوی سے ما قبل دور کے واقعاتِ سیرت کے ناقلین کے ساتھ ساتھ اس کی استنادی و درایتی حیثیت پر بھی روشنی ڈالی ہے اور دوسرے فصل میں مکی دور کے واقعات جبکہ تیسرے فصل میں مدنی دور کے واقعات اور فصل چہارم میں پورے باب کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالے کے تیسرے باب میں کتب سیرت میں واقعاتِ سیرت کو چار فصولوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ایسا ہی چاروں فصول کو باب سوم کے طرز پر تقسیم کر کے ہر فصل کے آخر میں اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔

چوتھے باب میں تناقض اور اختلاف کے اہم اسباب اور ان کا حل حسب استطاعت پیش کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں واقعات میں اختلاف کے اسباب مذکور ہیں۔ دوسری فصل میں قدیم محدثین کا طریقہ دفع اختلاف کا بیان ہے اور تیسری فصل میں اہم معاصر علمائے کرام کا طریقہ دفع اختلاف زیر بحث لایا گیا ہے جو محقق کی نظر میں نہایت مفید تحقیق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح سیرت طیبہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادیں تاکہ امت مسلمہ مسلکی اختلافات و افتراقات سے دور رہیں۔

نتائج تحقیق

اس ریسرچ میں راقم الحروف نے واقعات سیرت میں سے مذکورہ پچاس واقعات سیرت چن کر ان کا استنادی و درایتی جائزہ لیا ہے، کیونکہ مکمل طور پر سیرت کے واقعات کا جائزہ لینا محدودیت موضوع کے بنا پر اس مقالے میں مقالہ نگار کے لیے ممکن نہیں تھا، جن میں سے اکثر و بیشتر یعنی چھیالیس واقعات ضعیف اور چار صحیح ہیں۔ فیصد کے اعتبار سے ۹۲ فی صد واقعات ضعیف اور ۱۲ فی صد صحیح ہیں اور انہی واقعات کی وجہ سے مختلف النوع مذہبی اور سماجی مسائل پیدا ہوتے رہے ہیں۔

واقعات مذکورہ کو بڑے پائے کے علماء کرام نے بھی اپنی کتب سیرت میں بلا تحقیق کے نقل کیے ہیں، کیونکہ بعض علماء نے واقعات سیرت کو دورانِ نقل و کتابت ان کی راویوں کے بارے میں کوئی چھان بین نہیں کی اور بعض نے اگرچہ استناد کے بارے میں چھان بین کی ہے، لیکن بد قسمتی سے انہوں نے سیرت کی طرف منسوب ان متون کے بارے میں غور نہیں کیا جن کو نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس، آپ ﷺ کے والد محترم اور ازواج مطہرات کی طرف منسوب کرنا یا تو سر اسرگستانی ہے اور یا ان کے مرتبے میں نقص اور غلو ظاہر کرتا ہے، اور عقل بھی ان چیزوں کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں کتراتی ہے۔ اپنے مقالے میں منتخب ان پچاس واقعات کو درجہ ذیل ترتیب سے قلم بند کی ہے:

❖ سب سے پہلے کتب تاریخ سے اٹھارہ واقعات سیرت کو چن لیا گیا ہے۔

❖ اس کے بعد کتب سیرت میں مکتوب بتیس واقعات پر بحث کی ہے۔ اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے باب کے علاوہ، جو کہ تمام تر تعریفات پر مشتمل ہے۔ دوسرے اور تیسرے باب کو واقعات پر استنادی اور درایتی بحث کرنے کے لیے مختص کیا ہوا ہے، جب کہ چوتھے باب میں علماء کے اختلاف کے ممکنہ اسباب اور ان کا حل قدیم اور معاصر علماء کی توجیہات و آراء پر مشتمل ہے۔

❖ اس تحقیق کے دوران مجھے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱. تاریخ کی کتب میں عموماً واقعات اور احوال نقل کرتے وقت مؤرخین اس کی صحت باعتبار سند یا متن کے نہیں جانچتے، بلکہ مؤرخ عموماً نقل پر ہی اکتفاء کرتا ہے۔

۲. سیرت کے باب میں چونکہ واقعات کے مصادر مختلف ہیں اس لیے اس بابت جو واقعات قرآن و سنت اور احادیث کی کتب میں منقول ہیں، ان میں عموماً روایت و درایت کا معیار اعلیٰ ہیں، کیونکہ محدثین نے بہر حال صحت روایت کا لحاظ رکھا ہے، اس کے برعکس بعد کے سیرت نگاروں نے اس حوالے سے تساہل سے کام لیا ہے۔

۳. کتب سیرت میں بہت سارے واقعات بغیر سند کے نقل کیے جاتے ہیں، اور اکثر واقعات سیرت ان راویان سیرت سے منقول ہیں جنہیں محدثین نے کتب جرح و تعدیل میں کمزور قرار دیا ہیں۔ کیونکہ زیادہ تر سیرت نگاروں نے اپنی کتب سیرت میں بغیر تحقیق سند و متن کے متقدمین کے روایات کو نقل کیا ہے۔
۴. بعض کتب سیرت میں محققین علماء نے صرف سند تک اپنی جانچ پڑتال محدود رکھی ہے اور درایت کی روشنی میں متن واقعات کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے۔
۵. اگر کسی واقعہ کا سند بالکل صحیح بھی ہو پھر بھی ہمیں درایت کی روشنی میں ان کے متن پر غور کرنی چاہئے۔
۶. موجودہ دور میں اس بات کی ضرورت ہے کہ محققین علماء سیرت کی روایات کی علمی چھان بین کر کے از سر نو اس کی تشکیل کے لیے سنجیدہ اقدامات اٹھائے۔

تجاویز و سفارشات

سیرت طیبہ کی تدوین و ترتیب کے وقت واقعات سیرت کو صرف جمع ہونے پر اکتفا کیا گیا ہے اور حدیث رسول ﷺ کی طرح رجال سند پر کوئی خاص کام نہیں ہوا۔ اس کے نتیجے میں امت مسلمہ اختلافات و افتراقات کا شکار رہی اور چلتی آرہی ہے۔ امت میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک محققین علماء جو سیرت و حدیث کو صرف سند کے ساتھ مانتے ہیں اور دوسرے وہ علماء ہیں جو صرف سیرت کو مانتے ہیں سند وغیرہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، اس لیے اہل علم کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ حدیث کی طرح صحیح سیرت پر توجہ دیں اور ضعیف اور موضوع روایات سے بچ سکیں، اگرچہ اس ضمن میں کچھ گنجائش بھی ہے۔

(۱) ریاست و حکومت ہر نشریاتی ادارے کو پابند بنائیں کہ وہ سیرت نبوی پر روزانہ اپنی نشریات میں کچھ نہ کچھ ضرور شامل کر کے نشر کیا کریں۔

(۲) ان علمائے کرام سے خصوصی طور پر گزارش ہے جو کسی ادارے کا نگران یا مسجد کا خطیب ہے تو وہ واقعات سیرت کو بغیر تحقیق و سند کے بیان نہ کریں، بلکہ اس سلسلہ میں نہایت احتیاط سے کام لیں۔

(۳) سیرت نگاروں سے گزارش ہے کہ اگر وہ سیرت پر کوئی کتاب یا مقالہ لکھنا چاہے تو مستند کتب سیرت سے نقل روایات کریں اور کوشش کریں کہ اس سلسلہ میں ناقلین کا عدالت و ثقاہت معلوم کریں۔

(۴) محققین، علماء اور سکالروں سے گزارش ہے کہ وہ سیرت کے موضوع پر نئی کتب مرتب کریں اور صحیح و مستند واقعات سے مزین کرنے کی کوششیں بروئے کار لائیں۔ اس کام کو انجام دہی میں محدثین کی پیروی کریں۔

(۵) محققین، علماء اور سکالروں الناس میں یہ شعور بیدار کرنے کی کوشش کریں کہ وہ ہر سنی سنی بات پر عمل کرنے سے بچیں اور بطور خصوص واقعات سیرت میں محققین علماء سے رجوع کر لیا کریں کیونکہ سیرت بھی سنت کی طرح ہمارے دین کا ایک اہم حصہ ہے۔ اگر اس ضمن میں ہم نے غلط واقعات و روایات سیرت پر عمل اختیار کیا تو شریعت مطہرہ کے راستے سے ہٹ کر گمراہی کے شکار ہو جائیں گے۔

(۶) مساجد اور حلقہ ہائے دروس سیرت میں علماء و عوام باہمی تعاون سے دروس سیرت کا فضاء قائم کریں۔ علماء و محققین عوام کو صحیح سیرت کی تعلیم دینے کی کوشش کریں۔ اس ضمن میں غیر صحیح واقعات کی نشاندہی بھی کریں، تاکہ ایسے غیر مستند واقعات کو معاشرے سے ختم کیا جاسکے۔

(۷) تمام اداروں میں حکومت کا منظور شدہ اور جامع قسم کے مستند کتب سیرت کو بطور مضمون پڑھایا جائے۔ جس سے نہ صرف بچوں میں سیرت کی تعلیم عام ہو جائیگی، بلکہ ساتھ غلط روایات کا بھی سد باب ہو جائے گا۔

- (۸) بطور خصوصی تمام انگلش میڈیم تعلیمی اداروں کے لیے انگریزی میں سیرت طیبہ پر مشتمل مستند اور جامع کتب تیار کر کے پڑھانے کا اہتمام کیا جائے، تاکہ سیرت طیبہ سے تمام بچے یکساں طور پر مستفید ہو سکے۔
- (۹) بعض علماء عرب کے اسلامی تحقیقات ہر فیلڈ میں قابل تحسین ہے۔ سند حدیث کی طرح روایت و درایت سیرت پر ان کا کام نہ ہونے کا برابر ہے۔ اس طرف ان کی اور دیگر سکالروں کی توجہ مبذول کرنا مقصود ہے۔
- (۱۰) پاکستانی یونیورسٹیوں کے منتظمین کو چاہئے کہ وہ سال میں کم از کم ایک قومی اور ایک بین الاقوامی سطح پر سیرت کانفرنس کا انعقاد کریں، تاکہ طلباء میں سیرت سے آگاہی کا جذبہ بیدار ہو۔
- (۱۱) محققین، علماء اور سکالر عوام الناس میں یہ شعور بیدار کرنے کی کوشش کریں کہ وہ انتخابات میں ایسے نمائندوں کا چناؤ کریں جو سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہوں۔ تاکہ ریاست پاکستان کو طرزِ مدینہ پر تشکیل دینے میں آسانی ہو۔
- (۱۲) اسی طرح ینگ سکالروں کی توجہ زندگی کی تمام امور حیات میں اپنی تحقیقات نبی کریم ﷺ کی سیرت پر استوار کرنے کی طرف مبذول کرائی جائیں۔

فہارس

۱- فہرست آیات

۲- فہرست احادیث

۳- فہرست اعلام

۴- فہرست اصطلاحات

۵- مصادر و مراجع

فهرست آیات

آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ	سورة البقرة: ٢	١٢٦	١٢٣/١٢٠
وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ	سورة النساء: ٢	١٠٤	٣١
مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ	سورة الانفال: ٨	٦٤	٣١
لَا تَخْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا	سورة التوبة: ٩	٢٠	٢٢٦
وَلَا أَذْرَاكُمْ بِهِ	سورة يونس: ١٠	١٦	٤٣
سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى	سورة طه: ٢٠	٢١	٣
أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ	سورة الحج: ٢٢	١٨	١٩٤
وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ	سورة الشعراء: ٢٦	٢٢٢-٢٢٥	٢٢٣
وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَادَا تَكْسِبُ غَدًا	سورة لقمان: ٣١	٣٢	٤٣
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا	سورة الاحزاب: ٣٣	٢٨-٢٩	١٦٦/٣٢
وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ	سورة السنين: ٣٦	٦٩	٢٢
وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ	سورة الفتح: ٢٨	٢٢	٢٣٩
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا	سورة الحجرات: ٢٩	٦	٥٨/٥٩
أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ	سورة الطور: ٥٢	٣٠	٢٣
أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى	سورة النجم: ٥٣	١٩-٢٣	٢٢٢
وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِ وَلَا الْمُؤْمِنَةِ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ	سورة الحشر: ٥٩	٧	٣٣
الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ	سورة الحشر: ٥٩	٨	٢٣٠
وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ	سورة الصف: ٦١	٦	١٣٤
لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا	سورة الطلاق: ٦٥	١	٤٣
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ	سورة التحريم: ٦٦	١	١٦٣
وَإِذْ أَسْرَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ	سورة التحريم: ٦٦	٣	١٦٢
إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا	سورة التحريم: ٦٦	٢	١٦٢/١٦٤

٣٣	٣١	سورة الحاقة: ٦٩	وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ
٤٣	٢٥	سورة الجن: ٤٢	قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقْرَبُ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا
٨٣	١١	سورة الانشقاق: ٨٣	لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا
٤٢	٢	سورة القدر: ٩٤	وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ
٤٣	١١-١٠	سورة القارعة: ١٠١	وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَ نَارٌ حَامِيَةٌ

فهرست احادیث

متن حدیث	مصدر	صفحه نمبر
إِنَّ خَيْرَكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يُلُوهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يُلُوهُمْ	صحیح بخاری	۸۶
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَلَفَ لِحِفْصَةٍ أَنْ لَا يَقْرَبَ أُمَّتَهُ	السنن الکبریٰ	۱۶۹
دَخَلْتُ حِفْصَةَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي بَيْتِهَا وَهُوَ يَطُأُ مَارِيَةَ	المعجم الکبیر	۱۶۹
كَانَتْ تَحْرُسُ بَيْنَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ	الاصابة	۱۶۸
كَانَتْ عَائِشَةُ صَغِيرَةً مَعَ أَهْلِهَا	عمدة القاری	۱۶۸
مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ	مسند امام أحمد	۱۳۸
وَأَقْرَ قُرْبَطَةً، وَمَنْ عَلِيَهُمْ	شرح النووی صحیح مسلم	۱۵۹

فهرست اصطلاحات

اصطلاحات	صفحه نمبر
حسبہ	۲۵
روایت	۵۶
درایت	۷۱
طبقہ	۸۲/۸۳
مثله	۱۵۵
مرسل	۱۷۲
مسند	۲۰۸
معضل	۱۵۳
مؤرخ	۹۳

اعلام

اعلام	صفحه نمبر
جہم بن ابی جہم	۱۳۸
حسان بن ثابتؓ	۴۴
حضرت دانیال	۴۲
حکیم فیض عالم	۱۹۷
ذوالکفل	۴۲
عبداللہ بن رواحہؓ	۴۵
عبداللہ بن سلامؓ	۴۲
فضالہ بن عمیرؓ	۲۴۲
کعب بن مالکؓ	۴۴
محمد الواقدی	۱۰۳-۱۰۶
مورخ کلبی	۱۰۹-۱۲۸
نافع بن الازرق	۴۶

مصادر ومراجع

نمبر شمار	
	القرآن الكريم
	عربي كتب
١.	أبو عبد الله، الرازي، مفاتيح الغيب (التفسير الكبير) محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التميمي الري، دار إحياء التراث، بيروت
٢.	ابن اسحاق، محمد، السيرة النبوية، دار الكتب العلمية، بيروت
٣.	ابن أبي حاتم، محمد بن ادريس، الامام، الجرح والتعديل، دار الكتب العلمية، لبنان
٤.	ابن الجراح، مسلم، تحقيق، محمد فواد عبد الباقي، صحيح مسلم، دار إحياء التراث العربي، بيروت
٥.	ابن القيم، دمشق، محمد بن أبي بكر، زاد المعاد، تحقيق: شعيب الارنؤوط / عبد القادر ارنؤوط، مؤسسة الرسالة، بيروت
٦.	ابن حزم، اندلس، علي بن احمد، تحقيق: عبد السلام محمد هارون، جمهرة انساب العرب، دار المعارف، القاهرة
٧.	ابن سيد الناس، محمد بن محمد، تحقيق: محمد العيد / محي الدين، عيون الاثر في فنون المغازي، مكتبة دار التراث، مدينة
٨.	ابن ضياء، محمد بن احمد، حنفى، تاريخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف
٩.	ابن عساكر، علي بن الحسن، تحقيق: محب الدين، أبي سعيد، تاريخ مدينة دمشق، دار الفكر، بيروت
١٠.	ابن منده، محمد بن اسحاق، الامام، فتح الباب في الكنى والالقب، الاصبهاني، تحقيق: ابو قتيبة، نظر محمد، الفريابي، رياض
١١.	ابو شهبه، حمد بن محمد، الدكتور، السيرة النبوة في ضوء القرآن والسنة، دار القلم، دمشق
١٢.	أبي نعيم، اصفهاني، احمد بن عبد الله، تحقيق: قلجى، محمد روااس / عبد البر، عباس، دلائل النبوة، دار النفائس، بيروت

١٣.	اسماعيل كاشف، سيدة، دكتور، مصادر التاريخ الاسلامي ومناجى البحث فيه، دار الراى العربى، بيروت
١٤.	افريقى، ابن منظور، لسان العرب، دار الاحياء التراث العربى، بيروت
١٥.	البابى، ناصر الدين، الامام، دفاع عن الحديث النبوى والسيرة، مؤسسة و مكتبة الخافقين، دمشق
١٦.	البابى، محمد ناصر الدين (معدو) احمد اسماعيل شكوكاى / صالح عثمان اللحان، معجم اسماء الرواة الذين ترجم لهم العلامة البابى، دار ابن حزم
١٧.	البخارى، محمد بن اسماعيل، امام، الضعفاء الصغرى، المكتبة الشاملة
١٨.	البخارى، محمد بن اسماعيل، تحقيق: محمد زهير بن ناصر الناصر، صحيح البخارى، دار طوق النجاة، باب العلم
١٩.	البغدادى، ابن شاهين، عمر بن احمد بن عثمان، تحقيق: دكتور كريمه بنت على، كتاب ناخ الحديث ومنسوخه، دار الكتب العلميه، لبنان
٢٠.	الترمذى، محمد بن عيسى، تحقيق وتعليق: محمد فواد عبد الباقي، سنن الترمذى، مطبعة مصطفى البابى الحلبي، مصر
٢١.	الجوهري، ابن حماد اسماعيل، الصحاح فى اللغة، دار العلم، بيروت
٢٢.	الجوهري، ابن حماد، اسماعيل، تحقيق: احمد عبد الغفور، عطار، تاج اللغة وصحاح العربية، دار العلم للملايين، لبنان
٢٣.	حازى، محمد بن اسماعيل بن عبد الجبار، منتهى المقال فى اسماء الرجال، ابو على، مؤسسة آل البيت لاحياء التراث، بيروت
٢٤.	حماده، فاروق، دكتور، مصادر السيرة النبوية وتقويها، دار الثقافة، مغرب
٢٥.	خالد علل كبير، دكتور، مدرسة الكذايين فى رواية التاريخ الاسلامى وتدوينه، دار البلاغ، الجزائر
٢٦.	الخطيب، البغدادى، الحافظ، الجامع الاخلاق الراوى وآداب السامع، مكتبة المعارف، رياض
٢٧.	ذهبي، الحافظ، الكاشف فى معرفة من له رواية فى الكتب الستة، مطبعة دار النصر، قاهره
٢٨.	ذهبي، محمد بن احمد، الحافظ، تحقيق: على محمد الجاوى، ميزان الاعتدال فى نقد الرجال، دار المعرفة، لبنان
٢٩.	راغب، اصفهاني، حسن بن محمد، المفردات فى غريب القرآن، نور محمد اصح المطابع، كراچى
٣٠.	زبيدي، محمد مرتضى حسينى، سيد، تحقيق: مصطفى، حجازى، تاج العروس، تراث عربى مطبعة حكومية، كويت

٣١.	سهيلى، عبد الرحمن بن عبد الله، علامه، الروض الالف مع السيرة النبوية لابن هشام، دار الكتب العلمية، بيروت
٣٢.	السيرة النبوية، محمد بن اسحاق، (محقق) احمد فريد، المزيدي، دار الكتب العلمية، بيروت
٣٣.	سيوطي، جلال الدين، امام، الخصائص الكبرى، ممتاز اكيڏمى، لاهور
٣٤.	السيوطي، جلال الدين، عبد الرحمن بن ابى بكر، تريب الراوى فى شرح تقريب النواوى، دار نشر الكتب الاسلاميه لاهور
٣٥.	سيوطي، جلال الدين، الامام، الآلى المصنوعة فى الاحاديث الموضوعه، دار المعرفة، بيروت
٣٦.	الشيباني، أبو عبد الله، ابن حنبل، مسند أحمد بن حنبل، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، بيروت
٣٧.	صالح، صبحى، علوم الحديث ومصطلحه، دار العلم، بيروت
٣٨.	صويانى، محمد، الصحيح من احاديث السيرة النبوية، دار الوطن للنشر، رياض
٣٩.	الطحاوي، أبو جعفر، أحمد بن محمد، تحقيق: (محمد زهرى النجار - محمد سيد جاد الحق)، شرح معاني الآثار، عالم الكتب بالمدينة النبوية
٤٠.	عبد الغنى، محمد الياس، نبوت الصحابة حول المسجد النبوى، مركز طبية للطباعة، المدينة المنورة
٤١.	عتر، نور الدين، منهج النقد فى علوم الحديث، دار الفكر دمشق
٤٢.	العسقلاني، ابن حجر، احمد بن على، تحقيق: ابو غدة، عبد الفتاح، لسان الميزان دار البشائر الاسلامية، لبنان
٤٣.	العسقلاني، ابن حجر، أحمد بن علي بن محمد، تهذيب التهذيب، مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند
٤٤.	العقيلي، محمد بن موسى، الامام، تحقيق: ذاكتر، عبد المعطى امين، قلعي، الضعفاء الكبير، دار الكتب العلمية، بيروت
٤٥.	العمرى، اكرم ضياء، ذاكتر، السيرة النبوية الصحيحة، مكتبة العلوم والحكم مدينة منوره
٤٦.	الغزالي، محمد، تحقيق: ناصر الدين الباني، فقه السيرة، دار الكتب الحديثه عابدين، قاهره، مصر
٤٧.	الفاسى، تقى الدين، محمد بن احمد، شفاء الغرام باخبار البلد الحرام، دار الكتب العلمية، بيروت
٤٨.	الفراييدى، خليل بن احمد، كتاب العين، تحقيق الدكتور مهدى الخرومى، دار مكتبة العدل، مصر
٤٩.	قنوجى، صديق حسن، نواب، ابجد العلوم، دار الكتب العلمية، بيروت

۵۰.	قواعد التحدیث، محمد جمال الدین، قاسمی، مطبوعہ البابي الحلبي
۵۱.	الکافجی، محی الدین، تحقیق: ڈاکٹر، محمد کمال الدین عز الدین، المختصر فی علم التاریخ، مکتبہ عالم الکتب، بیروت
۵۲.	مرصیفی، سعد، ڈاکٹر، الجامع الصحیح للسیرۃ النبویہ، دار ابن کثیر، قاہرہ
۵۳.	نیشاپوری، حاکم، محمد بن عبد اللہ، مستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفیٰ عطاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء
۵۴.	الہروی، معین، واعظ، ملا، معارج النبوة فی مدارج الفتوة، مکتبہ نبویہ، لاہور
۵۵.	یسری، عبد اللہ عبد الغنی، معجم المورخین المسلمین - حتی القرن الثانی عشر، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۵۶.	یوسفی، محمد ہادی، الشیخ، موسوعۃ التاریخ الاسلامی، (العصر النبوی - العصر المکی، مجمع الفکر الاسلامی
	اردو کتب
۱.	ابن کثیر، اسماعیل ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، (مترجم) مولانا، محمد جونا گڑھی، مکتبہ قدوسیہ
۲.	ابن اسحاق، محمد، (مترجم) مولانا محمد اطہر نعیمی، سیرت رسول پاک و مغازی، مکتبہ نبویہ، لاہور
۳.	ابن جریر، طبری، محمد، (مترجم) طارِق اقبال، گاہندی، تاریخ طبری (تاریخ الامم والملوک)، نفیس اکیڈمی، کراچی
۴.	ابن جوزی، عبد الرحمن، (مترجم) ابو الحسنات، محمد اشرف سیالوی، الوفا باحوال المصطفیٰ، فرید بک سٹال، لاہور
۵.	ابن حجر، المکی، شہاب الدین، احمد، علامہ، (مترجم) پروفیسر میاں محمد طفیل، النعمۃ الکبریٰ علی العالم فی مولد سید ولد آدم، قادری کتب خانہ، سیالکوٹ
۶.	ابن خلدون، عبد الرحمن، (مترجم) راغب رحمانی، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، لاہور
۷.	ابن سعد، محمد، (مترجم) علامہ عبد اللہ العمدادی مرحوم، طبقات ابن سعد، نفیس اکیڈمی، کراچی
۸.	ابن ہشام، محمد عبد الملک، (مترجم) مولوی احمد قطب الدین، سیرت النبی لابن ہشام، اسلامی کتب خانہ، لاہور۔

۹.	ابوالکلام، آزاد، مولانا، ولادتِ نبوی ﷺ، مکتبہ جمال حسن، لاہور
۱۰.	اردو دائرۃ معارف اسلامیہ و موضوع: (سیرۃ)، زیر انتظام دانش گاہ پنجاب، لاہور
۱۱.	اعظمی، عبدالمصطفیٰ، سیرت مصطفیٰ، فرید بک سٹال، لاہور
۱۲.	ایمنی، محمد تقی، مولانا، حدیث کا درایتی معیار، قدیمی کتب خانہ، کراچی
۱۳.	انور محمود، خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسول، (مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی) اقبال اکیڈمی، لاہور
۱۴.	بسکویہری، اقبال احمد، ڈاکٹر، جرح و تعدیل، دار القلم الماس کالونی روڈ، مدینہ کالونی،، شاپ نمبر ۲، کوسہ ممبر، انڈیا
۱۵.	بوطی، محمد سعید رمضان، ڈاکٹر، درس سیرت (فقہ السیرۃ النبویۃ)، (مترجم) ڈاکٹر، محمد رضی الاسلام، ندوی، مکتبہ نشریات، لاہور
۱۶.	بیہقی، ابی بکر، احمد بن حسین، امام، دلائل النبوة، (مترجم) مولانا محمد بن اسماعیل، الجاروی، دار الاشاعت، کراچی
۱۷.	تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ)، ابو الفدا اسماعیل بن کثیر، تحقیق و ترجمہ: طلحہ محمد اصغر، دار الاشاعت، کراچی
۱۸.	حلبی، علی بن برہان الدین، ام السیر (سیرت حلبیہ)، (مترجم) قاسمی، محمد اسلم، دار الاشاعت، کراچی
۱۹.	حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، (مترجم) پرویز، خالد، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور
۲۰.	حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت، کراچی
۲۱.	حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، دشمنانِ خدا کی نفسیات، ماہنامہ البلاغ کراچی
۲۲.	خان، وحید الدین، ہفت روزہ، تعمیرِ حیات، گڈ ورڈ بکس، لکھنؤ
۲۳.	داناپوری، عبدالرؤف، حکیم، اصح السیر، مجلس نشریات اسلامی، کراچی
۲۴.	دحلان، احمد بن زینی، سید، السیرۃ النبویۃ، (مترجم) علامہ ذوالفقار علی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۲۵.	دہلوی، شاہ، عبدالعزیز، محدث، (مصحح) حافظ محمد عبدالاحد، عجالتہ نافعہ در اصول حدیث، مطبع مجتبیٰ، دہلی
۲۶.	دہلوی، ولی اللہ، محمد شاہ، محدث، سیرۃ رسول اللہ، (مترجم) خلیفہ محمد عاقل، دارالاشاعت، کراچی
۲۷.	دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث، (مترجم) علامہ مفتی غلام معین الدین، نعیمی، مدارج النبوة، شبیر برادرز، لاہور
۲۸.	دہلوی، شاہ ولی اللہ، محدث، حجۃ اللہ البالغۃ، نور محمد اصح المطابع، کراچی
۲۹.	السخاوی، ابن عبد الرحمن، محمد، (مترجم) الدكتور صالح احمد العلی، التوفیق لمن ذم اهل التاریخ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت
۳۰.	سہیل حسن، ڈاکٹر، معجم اصطلاحات حدیث، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
۳۱.	سیالوی، محمد اشرف، علامہ سید الانبیاء (الوفابا حوال المصطفیٰ)، (مترجم) فرید بک سٹال، لاہور
۳۲.	سید، فضل الرحمن، خطبہ حجۃ الوداع
۳۳.	ظفر، عبدالرؤف، ڈاکٹر، اسوہ کامل، مکتبہ نشریات، لاہور
۳۴.	ظفر، عبدالرؤف، ڈاکٹر، اطراف سیرت ﷺ، نشریات، لاہور
۳۵.	ظفر، عبدالرؤف، ڈاکٹر، سیرت نبوی ﷺ کے مصادر و مراجع، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور
۳۶.	عبد الغنی، عبد الخالق، حجیت سنت، دار تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
۳۷.	عثمانی، محمد شفیع، مفتی، سیرت خاتم الانبیاء (اوجز السیر)، دار الکتب، دیوبند
۳۸.	عثمانی، محمد شفیع، مفتی، سیرۃ رسول اکرم ﷺ، ادارہ اسلامیات، لاہور
۳۹.	غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور
۴۰.	فارانی، محسن، / محمد ابراہیم طاہر و دیگر، اللؤلؤ المکنون (سیرت انسائیکلو پیڈیا)، دار السلام ریسرچ سنٹر، لاہور
۴۱.	فن قرات کا ارتقاء، محمد سعود عالم، قاسمی، ماہنامہ الاشرف، کراچی
۴۲.	فیروز الدین، مولانا، فیروز اللغات، فیروز سنز لمیٹڈ، کراچی

۴۳.	قاضی، مبارکپوری، اطہر، تدوین سیر و مغازی، لاہور
۴۴.	کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، سیرۃ المصطفیٰ، الطاف اینڈ سنز، کراچی
۴۵.	کاندھلوی، صدیقی، حبیب الرحمن، مذہبی داستانیں، الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی
۴۶.	کیرانوی، وحید الزمان، القاموس الجدید، ادارہ اسلامیات، لاہور
۴۷.	گیلانی، عبدالرحمن، مولانا، مترادفات القرآن، مکتبۃ الاسلام، لاہور
۴۸.	گیلانی، مناظر احسن، تدوین حدیث، مجلس نشریات اسلام، کراچی
۴۹.	مبارک پوری، صفی الرحمن، تجلیات نبوت، دارالسلام، لاہور
۵۰.	محمد طیب، قاری، سیرت پاک، ادارہ اسلامیات، لاہور
۵۱.	مسعود، محمد عبدالستار، پروفیسر، (مرتب و مدون) سیرت محمدیہ جدید (مواعظ لدنیہ) شبیر برادرز، لاہور
۵۲.	مہدی رزق اللہ، احمد، (مترجم) شیخ الحدیث حافظ محمد امین، سیرت نبوی، دارالعلم، ممبئی
۵۳.	میاں، محمد جمیل، آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن، ابوہریرۃ اکیڈمی، لاہور
۵۴.	میرٹھی، سجاد، زین العابدین، مفتی، / اکبر آبادی، انتظام اللہ، مفتی، تاریخ ملت، ادارہ اسلامیات، لاہور
۵۵.	نجیب آبادی، اکبر، شاہ، تاریخ اسلام، دارالاندلس مرکز القادسیہ، لاہور
۵۶.	ندوی، احمد، معین الدین، تاریخ اسلام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور
۵۷.	ندوی، سید سلیمان، رحمت عالم، مکتبہ دارالسلام، ریاض
۵۸.	نعمانی، شبلی، علامہ، / سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، آرزیڈیکسٹریٹوز، لاہور
۵۹.	الواجدی، ندیم، سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو، (نقوش رسول نمبر)
۶۰.	ولادت نبوی، محمد بن یوسف الصالحی، الشافی، (مترجم) مفتی محمد علیم الدین نقشبندی، مظہر علم، لاہور

English Books & Websites	
Encyclopedia of Britannica Vol / 11, P/ 529,(Article History	١.
forum.mohaddis.com	٢.
www.almostafa.com	٣.
www.al-mostafa.info	٤.
www.alsunnah.com	٥.
www.mubashirnazir.org	٦.
www.sahaba.rasoolona.com	٧.
www.salfyoun.com	٨.